کلامِ نبوت

جلد اول

مع ترجمہ وتشریح

مرتّبہ

محمد فاروق خاں

ترتیب

دیباچہ ۷
مقدمہ ۹
حدیث کا ادبی مقام ۳۱

اُمّ الاحادیث ۳۸

اساسی افکار و عقائد ۴۷

علم و دانش	۵۱	رحمت و مغفرت	۹۴
علم و حکمت کی اہمیت	۵۳	خدا کی عظمت	۱۰۲
علم کی حفاظت	۵۸	غیرتِ حق	۱۱۴
تفقہ اور بصیرت	۶۰	خدا کے حقوق	۱۱۹
علم کی اشاعت	۶۴	خدا کی محبت	۱۲۷
علم اور عمل	۶۸	خدا کا خوف	۱۳۵
دینِ فطرت	۷۱	اللہ سے حسنِ ظن	۱۴۲
خدا کا تصوّر	۸۰	اللہ کی اطاعت	۱۴۴
اللہ پر ایمان	۸۲	توحید کا احترام	۱۴۹
تنزیہہ و تقدیس	۹۱		

ایمان بالقدر ۱۵۷

ایمان بالقدر اور اس کی اہمیت ۱۵۸
انسان کی سیرت و کردار پر... ۱۶۲

عقیدۂ رسالت ۱۶۶

رسالت پر ایمان ۱۶۸
نزولِ وحی کی کیفیت ۱۷۳
شکل و شباہت ۱۷۶
آپؐ کی مثال ۱۷۹
آپؐ کی محبت ۱۸۴
درود و سلام ۱۸۸
آپؐ کی اطاعت ۱۹۲
بعثتِ عام ۱۹۶
ختمِ نبوّت ۱۹۸
آپؐ کے بعض امتیازی اوصاف ۲۰۴
غلو سے پرہیز ۲۰۹
آنحضرتؐ کی شانِ عبودیت ۲۱۱
آپؐ کی وفات ۲۱۹
آپؐ کے صحابہؓ ۲۲۳
آپؐ کی امت ۲۲۹
آپؐ کی کچھ پیشین گوئیاں ۲۳۸

کتاب پر ایمان ۲۴۵

ایمان بالکتاب ۲۴۷
قرآن کی عظمت ۲۴۸
تلاوتِ قرآن ۲۵۸
قرآن پر عمل ۲۶۳

عقیدۂ آخرت ۲۶۶

آخرت پر ایمان	۳۶۸
عالمِ برزخ	۲۶۹
آثارِ قیامت	۲۷۴
حشر ونشر	۲۸۰
جنت ودوزخ	۲۹۲
خدا کا دیدار	۳۰۱
انسان کے افکار واعمال پر عقیدۂ آخرت کا اثر	۳۰۴

ایمان واسلام ۳۲۹

ایمان کے آثار وثمرات	۳۲۹
یقین کی کیفیت	۳۳۹
مومن کی تصویر	۳۴۴
اسلام کے محاسن	۳۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اسلام میں قرآن کریم کے بعد جس چیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور آپ کی حدیث ہے۔ یوں تو اب تک اردو زبان میں احادیث کے مختلف مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن کی اپنی جگہ پر خاص اہمیت ہے لیکن پھر بھی ایک عرصہ سے احادیث کے ایک ایسے انتخاب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی جس میں اسلام کو ایک مکمل فلسفۂ حیات اور نظامِ زندگی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہو۔ حدیث کا یہ انتخاب جسے ہم ''کلامِ نبوت'' کے نام سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اسی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر مرتّب کیا گیا ہے۔

حدیث کا یہ انتخاب مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کی ابتداء ایک تعارفی مضمون سے کی گئی ہے۔ تعارفی مضمون کے بعد حدیثیں پیش کی گئی ہیں۔ حسبِ ضرورت احادیث کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ احادیث کی تشریحات میں ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ احادیث کے سلسلہ میں صرف یہی نہیں کہ قارئین اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کے جوابات پالیں بلکہ اسی کے ساتھ ان میں فہمِ حدیث اور فہمِ دین کا صحیح ذوق بھی پیدا ہو سکے اور صحیح معنوں میں وہ دین کے مزاج آشنا ہو سکیں۔

کتاب کے مقدمہ میں حدیث کی اہمیت، اس کی تاریخِ تدوین وغیرہ اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور سنتِ رسولؐ اور احادیث کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ائمہ اور محدثین کرام جنھوں نے احادیث کی خدمت میں غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہے، ان کی مساعی کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ علومِ حدیث سے متعلق

ان کی خدمات سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امت کے ائمہ ومحدثین نے صرف یہی نہیں کہ علمی تحقیق اور ریسرچ کی داغ بیل ڈالی ہے بلکہ انھوں نے جس علم وفن کو بھی ہاتھ میں لیا اسے درجۂ کمال تک پہنچادیا ہے۔

کتاب کی پہلی جلد میں افکار وعقائد سے متعلق احادیث پیش کی گئی ہیں۔ عبادات، اخلاق ومعاشرت، سیاست ومعیشت اور دعوت وتبلیغ وغیرہ ابواب سے متعلق احادیث اوران کی تشریحات کتاب کی اگلی جلدوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہم ان سبھی حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب میں ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اوراس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائی۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

خاکسار

محمد فاروق خاں

کرپی۔ حمزہ پور پٹھان

سلطان پور (یو۔پی)

۱۶/اپریل ۱۹۶۹ء

مقدّمہ

حدیث کی اہمیت

اسلام کی بنیاد درحقیقت قرآن اور حدیث پر قائم ہے۔ حدیث رسولِ خدا ﷺ کے قول وعمل کا نام ہے۔ اسلام کا علم حاصل کرنے کے سلسلے میں کتاب وسنت میں سے کسی ایک سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ خود نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنِّی تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھَا کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ۔ (مؤطا ومشکوٰۃ باب الاعتصام بالسنۃ)

''میں نے تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ ان کو جب تک مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ ہیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ دونوں ہی قیامت تک کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن میں بھی ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران:۳۱)

''(اے نبیؐ، لوگوں سے) کہو: اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔''

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَ مَنْ عَصٰی

مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَ مُحَمَّدٌ ﷺ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ۔ (بخاری)

''جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی۔ محمدؐ لوگوں کے درمیان حدِفاصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

حدیث حقیقت میں قرآن ہی کی تفصیل اور اس کی وضاحت ہے۔ مثلاً قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ اور اس سے متعلق دوسری ساری تفصیلات ہمیں احادیث سے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی پر دوسرے احکام کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ دینی امور میں قرآن بالعموم اصولی تعلیم دیتا ہے۔ نبی ﷺ کے ارشادات وافعال سے ان کی تفصیلات کا ہمیں علم حاصل ہوتا ہے۔ آپؐ نے اپنے قول وعمل سے قرآنی احکام کی وضاحت فرمائی اور عملی زندگی میں ان کو نافذ فرمایا۔ اصولی احکام کو تفصیلی شکل دینا درحقیقت آپؐ کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (النحل:۴۴)

''اے نبی، ہم نے یہ ذکر تمھاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے لیے اس تعلیم کو واضح کرو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔''

یہ بات علماء ومحدثین پر واضح رہی ہے کہ حدیث حقیقت میں قرآن ہی کی شرح ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

علیک بالسنة فانھا شارحة للقراٰن و موضحة له۔

''تم پر سنت کی پیروی لازم ہے کیونکہ وہ قرآن کی شرح اور اس کی تفسیر ہے۔''

یہی بات امام شاطبی نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

فکانت السنة بمنزلة التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب۔ (الموافقات ج۴ ص ۱۰)

''گویا سنت کو کتاب اللہ کے معانی کے لیے تفسیر وشرح کا درجہ حاصل ہے۔''

خود احادیث میں ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ حدیث بھی ہماری ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ

عبد القیس کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار حائل ہیں۔ ہم حرام مہینوں کے سوا دوسرے دنوں میں آپؐ کے پاس حاضر نہیں ہو سکتے۔ تو آپؐ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا: احفظوہ واخبروہ من ورائکم۔ ''ان کو خوب محفوظ رکھو اور یاد کر لو اور جو لوگ تمھارے پیچھے رہ گئے ہیں انھیں ان سے واقف کراؤ۔''

اسی طرح مالک بن حویرث بیان کرتے ہیں: قال لنا النبی ﷺ ارجعوا الی اھلیکم فعلموھم۔ ''آپؐ نے ہم سے فرمایا کہ اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور اپنے لوگوں کو وہ باتیں سکھاؤ جو میں نے تمھیں سکھائی ہیں۔''

اس کے علاوہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا قبیلہ اسلام قبول کرتا تو آنحضرت ﷺ صحابہؓ میں سے کسی کو ان کی طرف بھیج دیا کرتے تھے تا کہ وہ اس قبیلہ کے درمیان رہ کر اس کے لوگوں کو دینی احکام کی تعلیم دے اور اس کے لیے آپ اسے منتخب فرماتے جو قرآن مجید کے علاوہ آپ کے اقوال وافعال سے بھی اچھی طرح واقف ہوتا۔

حدیث کی اشاعت کی تاکید آپ نے خود فرمائی ہے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ سے زائد افراد کے اجتماع میں سب کو مخاطب کر کے آپؐ نے فرمایا تھا:

نضر اللّٰہ عبدًا سمع مقالتی فوعاھا ثُم اڈّاھا۔ الی من لم یسمعھا۔ (بخاری، کتاب العلم)

''تروتازہ رکھے اللہ اس بندے کو جس نے میری بات سنی پھر اسے یاد رکھا اور اسے اس شخص تک پہنچایا جس نے اس کو نہیں سنا۔''

ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

نضر اللّٰہ امرأ سمع منا شیئًا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی لہ من سامع۔

''اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر جس طرح اس کو سنا تھا اسی طرح اسے دوسروں کو پہنچایا۔ کیونکہ بعض لوگ جن تک بات پہنچائی جائے اصل سننے والے سے زیادہ اس بات کو محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

آپؐ نے اپنا خطبہ اس فقرے پر ختم فرمایا:

الّا فلیبلغ الشاھد الغائب۔ (بخاری)

"چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ اسے غائب تک پہنچائے۔"

اگر امت کو حدیث کی ضرورت نہ ہوتی تو آپؐ اپنے ارشادات کی اشاعت کی اس قدر تاکید کیوں فرماتے۔

روایت بالمعنیٰ

راویوں میں ایک طرف وہ لوگ ہیں جنھوں نے الفاظِ حدیث کو حیرت انگیز حد تک محفوظ رکھنے کا ثبوت دیا لیکن دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے حدیث کے محض معنی کو محفوظ رکھنے کو کافی سمجھا۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ ابی زرعہ بن عمرو بن جریر نے ایک بار مجھ سے حدیث بیان فرمائی پھر میں نے ۲ سال کے بعد اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے ایک حرف کی کمی کے بغیر اسے جوں کا توں سنا دیا۔ عبدالملک بن عمیر کا قول ہے کہ میں حدیث بیان کرتا ہوں تو ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح قتادہ کا بیان ہے کہ جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے اسے میرے دل نے محفوظ کرلیا ہے۔

لیکن دوسری طرف یہ قول بھی ملتا ہے کہ فاما من اقام الاسناد و حفظه و غير اللفظ فان هذا واسع عند اهل العلم اذا لم يتغير المعنى۔ "جو اسناد کو قائم اور اسے محفوظ رکھتے ہوئے الفاظ بدل دے تو اہل علم کے نزدیک اس کی پوری گنجائش ہے بہ شرطے کہ معنی متغیر نہ ہوں۔" واثلہ بن اسقع کا قول ہے: اذا حدثنا كم على المعنى فحسبكم۔ "جب ہم تم سے حدیث بالمعنیٰ روایت کریں تو یہ تمھارے لیے کافی ہے۔" محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ كنت اسمع الحديث من عشرة اللفظ مختلف والمعنى واحد۔ "میں دس آدمیوں سے حدیث سنتا تھا الفاظ مختلف ہوتے تھے لیکن مفہوم ایک ہی ہوتا تھا۔" سفیان ثوری فرماتے ہیں: ان قلت لكم انى احدثكم كما سمعت فلا تصدقونى انما هو المعنى۔ "اگر میں تم سے کہوں کہ میں تم سے بعینہٖ وہ بات بیان کرتا ہوں جو میں نے سنی ہے تو میری تصدیق نہ کرنا۔ وہ محض معنی اور مفہوم ہوتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ کچھ راویوں نے حدیث کے اصل الفاظ کو یاد رکھنے کی کوشش کی تو کچھ نے اسی کو کافی سمجھا کہ معنی ومفہوم کو محفوظ کرلیا جائے۔ عام حالات میں یہی ممکن بھی تھا۔ وکیع کا قول ہے:ان لم یکن المعنی واسعاً فقد ھلک الناس۔ ''اگر حدیث بالمعنیٰ روایت کرنے کی وسعت نہ ہوتی تو لوگ ہلاکت میں پڑ جاتے۔''

روایت بالمعنیٰ کے جائز اور روا ہونے کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ قرآن ایک قول مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ لیکن معنی ومفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا۔ روایت بالمعنیٰ صرف اس صورت میں قابلِ اعتماد نہیں ہوتی جب کہ راوی فہم وبصیرت کے لحاظ سے بھروسے کے لائق نہ ہو۔

حدیث کی حفاظت

حدیث کی حفاظت کے اولین ذمہ دار صحابہ کرامؓ تھے اور وہ اپنی ذمہ داری کو خوب سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے روایت کرنے میں صحابہؓ بے حد محتاط تھے۔ آنحضرت ﷺ کی جانب کوئی غلط بات منسوب نہ ہو، اس سے وہ ہمیشہ خائف رہتے تھے۔ نبی ﷺ نے بھی یہ تنبیہ فرمائی تھی: من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار۔ ''جو شخص مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تیار کرلے۔''

حضرت ابوہریرہؓ کا تو یہ معمول تھا کہ جب وہ کوئی حدیث بیان کرنی شروع کرتے تو کہتے کہ رسول اللہ ﷺ صادق ومصدوق ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تیار کرلے۔ (اصابہ)

نبی ﷺ کے پیشِ نظر یہ بات رہتی تھی کہ آپؐ جو کچھ فرمائیں اسے سننے والے پوری طرح سمجھ لیں۔ اسی لیے عام گفتگو میں آپؐ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی بات فرماتے تو اس کو تین بار دہراتے۔ (انه کان اذا تکلم بکلمة اعادھا ثلثا حتی تفھم عنه۔ (بخاری) یہ ایک حقیقت ہے کہ احادیث کے سننے، سمجھنے اور ان کو محفوظ رکھنے میں سب صحابہؓ یکساں نہ تھے۔

بعض صحابہؓ کو نبی ﷺ کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا، بعض کو کم۔ فہم وفراست میں بھی سب ایک جیسے نہ تھے۔ نہ سب کی قوتِ حافظہ یکساں تھی۔ یہی وجہ ہے روایتِ حدیث

کے سلسلے میں صحابہؓ میں بعض کا مرتبہ بعض سے بڑھا ہوا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے احادیث اس لیے زیادہ مروی ہیں کہ انھیں حضور ﷺ کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقع میسر آیا۔ اور انھیں حفظ حدیث کا شوق بھی غیر معمولی تھا۔ وہ دین سیکھنے کے لیے نبی ﷺ کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا بھی حال یہ تھا کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یمن سے آئے تو عرصے تک وہ ابنِ مسعودؓ کے بارے میں یہ خیال کرتے رہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہی کے گھر کے کوئی فرد ہیں۔ اس کی وجہ ان کی اور ان کی ماں کی وہ آمد و رفت تھی جو نبی ﷺ کے پاس ہوتی رہتی تھی۔ (انه رجل من اهل بيت رسول الله ﷺ لما نرى من دخوله و دخول امه على النبي ﷺ۔ (اصابہ)

حضرت انسؓ ۹ سال تک نبی ﷺ کی خدمت میں رہے۔ یہی حال نبی ﷺ کے موالی مثلاً رافع و بلال رضی اللہ عنہما کا تھا۔ عورتوں میں امہات المومنین تھیں جنھیں خلوت میں نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقع میسر تھا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ باہم ایک دوسرے سے احادیث کا علم حاصل کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جلیل القدر صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے: كانوا يعرفون لزومي فيسألوني عن حديثه منهم عمر و عثمان و علي و طلحة والزبير۔ (ابن سعد) ''نبی ﷺ کے ساتھ میری وابستگی کا حال لوگ جانتے تھے اس لیے آپ کی حدیث مجھ سے دریافت کرتے تھے۔ دریافت کرنے والوں میں عمرؓ بھی شامل ہیں، عثمانؓ اور علیؓ بھی اور طلحہؓ اور زبیرؓ بھی۔''

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا حال یہ تھا کہ وہ صحابہؓ کے یہاں تلاشِ حدیث میں چکر لگایا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ماكل ما نحدثكم به سمعناه من رسول الله ﷺ و لكن كان يحدث بعضنا بعضا ــــ مستدرک حاکم ''ہم تم سے جو بیان کرتے ہیں وہ سب کا سب رسول اللہ ﷺ ہی سے نہیں سنا ہے بلکہ ہم میں بعض نے بعض سے سنا ہے۔''

واقعات شاہد ہیں کہ ایک ایک حدیث کا صحیح علم حاصل کرنے کے لیے حضورؐ کے صحابیؓ لمبے لمبے سفر تک اختیار کرتے اور ہر طرح کی تکالیف برداشت کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے ایک حدیث براہ راست اس کے اصل راوی سے سننے کی غرض سے مدینہ سے شام کا سفر کیا۔ یہ سفر اس

زمانہ میں ایک مہینہ کی مسافت کا تھا۔ یہ سفر انھوں نے محض اس خوف سے کیا کہ کہیں اس حدیث کے سننے سے پہلے ہی ان کی موت نہ ہو جائے۔

(جامع بیان العلم ابن عبد البر ص ۹۳ بخاری باب الخروج فی طلب العلم)

اسی طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے عقبہ بن عامرؓ سے ایک حدیث سننے کے لیے لمبا سفر کیا۔ یہ حدیث حضرت ابوایوبؓ نے براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی لیکن انھیں اس میں کچھ شبہ ہو گیا تھا۔ اس شبہ کو مٹانے کے لیے انھوں نے مدینہ سے مصر کا سفر اختیار کیا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس پہنچے تو کہا کہ مجھ سے وہ حدیث بیان کرو جو تم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان کی عیب پوشی کے بارے میں سنی ہے۔ اب اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور تمھارے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے۔

حدیث کی سماعت کے بعد وہ فوراً مدینہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ انھوں نے مصر میں اپنا کجاوہ بھی نہ کھولا۔ (جامع بیان العلم ص ۹۴) حدیث یہ تھی: من ستر مسلما خزية ستره الله يوم القيمة۔ ''جس کسی نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی قیامت کے دن خدا اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔''

اسی طرح دارمی میں ایک صحابیؓ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ فضالہ بن عبد اللہ کے پاس مصر پہنچے اور ان سے کہا کہ ''میں تمھاری ملاقات کے لیے نہیں آیا ہوں بلکہ میں نے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنی تھی۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمھیں یاد ہو گی۔''

اسی طرح ابوسعید خدریؓ نے حدیث کے محض ایک حرف کی تصحیح کی غرض سے باضابطہ سفر کیا۔

تابعین کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا۔ انھوں نے حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے طول طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تابعین میں سعید بن المسیب مسروق کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے محض ایک حرف کی تحقیق کے لیے بھی سفر اختیار کیا ہے۔

ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے حوالہ سے ایک روایت سنتے لیکن ہم اس پر راضی نہ ہوتے جب تک کہ ہم خود پہنچ کر ان صحابہؓ کی زبانی براہ راست اس روایت کو نہ سن لیتے۔ (دارمی)

یہ ایک حقیقت ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین نے حفاظتِ حدیث کے سلسلے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ تاریخِ عالم میں بے مثل ہے۔

اشاعتِ حدیث

حدیث کی حفاظت کے علاوہ اس کی اشاعت کی طرف سے بھی صحابہ کرامؓ غافل نہ تھے۔

نبی ﷺ کی رحلت کے بعد جہاں بھی اسلامی حکومت قائم ہوئی صحابہؓ کی مختلف جماعتیں وہاں جا کر آباد ہوگئی تھیں۔ ان میں مدینہ و مکہ کے علاوہ یمن، یمامہ، دمشق، بحرین، بصرہ، کوفہ اور مصر کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اصحابِ رسولؐ نے ان مقامات پر قرآن کی تعلیم کے ساتھ روایتِ حدیث کے حلقے بھی قائم کیے۔ اس سلسلہ میں مدینہ میں ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی خدمات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ دمشق میں حضرت ابو درداءؓ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ نے حدیث کی نمایاں خدمت انجام دی۔ اسی طرح بصرہ میں عمران بن حصینؓ کی شخصیت اس سلسلہ میں نمایاں ہے۔

مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا ایک حلقۂ درس قائم تھا جس میں لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے۔ (اصابہ ج ا ص ۴۳)

اسی طرح شام کے مشہور شہر حمص میں مشہور صحابی معاذ بن جبلؓ کو علم دین سکھانے میں مشغول دیکھا گیا۔ (ابن سعد)

نبی ﷺ کے بعد صحابہ کرام ایک مدت تک اشاعتِ حدیث کے کام میں مصروف رہے۔ ان کے بعد ان کے شاگرد تابعین نے یہ خدمت انجام دی۔ اس طرح دنیا نے حضور ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری ہوتی دیکھی جو آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے سامنے فرمائی تھی۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے کہا تھا:

> **تسمعون و یسمع منکم و یسمع من الذین یسمعون منکم۔** (ابوداؤد، المستدرک)
>
> ”تم مجھ سے سن رہے ہو، تم سے بھی سنا جائے گا اور جن لوگوں نے تم سے سنا ہوگا ان سے بھی لوگ سنیں گے۔“

نبی ﷺ کی وفات کے بعد کئی صحابہؓ ایسے ہیں جو اسّی (۸۰) سال سے زیادہ مدت تک دنیا میں موجود رہے۔ صحابہؓ میں سب سے آخر میں کس کی وفات ہوئی۔ اس سلسلہ میں عام طور سے عامر بن واثلہ لیثی ابوالطفیلؓ کا نام لیا جاتا ہے لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ روایت محلِّ نظر ہے کیونکہ العداؓ اور ابوغبہؓ کی وفات ان کے بعد بیان کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں بعض نے معاویہ بن حکم السلمی کا نام بھی لیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی وفات ۱۰۰ ہجری میں ہوئی ہے۔ شام میں وفات پانے والے آخری صحابی عتبہ بن عبد السلمیؓ اور مصر میں فوت ہونے والے آخری صحابی عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدیؓ ہیں۔ حمص میں وفات پانے والے آخری صحابی ابوامامہ باہلیؓ ہیں۔ ان کا اصل نام صدی بن عجلان ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ کی وفات بصرہ میں ۹۳ھ میں ہوئی۔ بعض کے نزدیک وہ ۹۹ھ تک زندہ رہے۔ حضرت انس بن مالکؓ نبی ﷺ کے بعد ۸۳ سال تک زندہ رہے۔ اسی طرح صحابیِ رسول محمود بن ربیعؓ حضور ﷺ کے بعد ۸۹ سال تک اور ہرماس بن زیاد باہلیؓ ۹۲ سال تک زندہ رہے۔ نبی ﷺ کے بعد ابن عباسؓ ۶۸ سال تک اور ابوہریرہؓ ۴۹ سال تک حدیث کی اشاعت میں لگے رہے۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ ۴۸ سال تک اشاعتِ حدیث کے کام میں مصروف رہیں۔ ایسے صحابہؓ بڑی تعداد میں ہیں جو حضور ﷺ کے بعد ۶۰ سے ۸۰ سال تک دنیا میں موجود رہے۔ یہ صحابہؓ مختلف مقامات پر اشاعتِ دین کے کام میں مشغول رہے ہیں۔

حدیث کا تحریری سرمایہ

عربوں کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ اس کے باوجود حدیث کی حفاظت کے پیشِ نظر احادیث کو تحریری شکل میں محفوظ کرنے کا سلسلہ نبی ﷺ اور صحابہؓ ہی کے دور سے قائم ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ نے بعض تحریریں معاہدات، وثائق اور خطوط وغیرہ کی شکل میں لکھوا کر بعض اشخاص کو عنایت فرمائی تھیں۔ ایسی روایات بکثرت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے ہی سے بعض صحابہؓ احادیث کو لکھتے رہے ہیں۔ محدثین نے تحریری یادداشتوں کی موجودگی کے باوجود اصل بھروسہ روایات پر کیا۔ تحریر کی تائید جب تک روایت سے نہ ہو یا کم سے کم اس تحریر کے متعلق روایت نہ ہو انھوں نے اسے کوئی وقعت نہ دی۔ اگر محض تحریر پر بھروسہ کیا جاتا تو

احادیث پایۂ اعتبار سے گر جاتیں۔ کیونکہ کسی تحریر کی جب تک روایت سے تصدیق نہ ہو اس کے بارے میں یہ شبہ کیا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے وہ کوئی جعلی تحریر ہو۔ تحریری یادداشتیں اصل میں حافظہ کو تازہ کرنے کے لیے تھیں۔ محدثین نے ان سے تائیدی شہادت کا کام لیا۔ اسی لیے محدثین کے سامنے اگر تحریری یادداشتیں تھیں بھی تو ان کے ذکر کو انھوں نے ضروری خیال نہ کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اول درجہ کی صحیح احادیث ان کے اوّلین راویوں ہی کے ہاتھوں تحریر میں آچکی تھیں۔ اور وہ مسلسل تحریری شکل میں منتقل ہوتی رہیں اور آج تک تحریری شکل میں موجود و محفوظ ہیں۔ ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی دور میں تحریری سرمایہ ضائع ہو گیا ہو اور محض زبانی روایات پر ان کا دارومدار رہ گیا ہو۔

اعلیٰ درجہ کی احادیث دس ہزار سے کم ہیں۔ چنانچہ حاکم نے لکھا ہے:

الاحادیث التی فی الدرجة الاولی لا تبلغ عشرة الآف۔

(توجیہ النظر ص ۹۳)

''اعلیٰ درجہ کی احادیث کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچتی ہے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ اور یہ مختلف شہادتوں سے ثابت ہے کہ وہ اپنی روایات کو ضبطِ تحریر میں لے آئے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ان کے دو شاگرد بشیر بن نہیک اور ہمام بن منبہ کے بارے میں ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے لیے مرویاتِ ابو ہریرہؓ کے الگ الگ نسخے لکھ کر تیار کیے تھے۔ حضرت بشیر نہیک فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے جو حدیثیں میں سنا کرتا تھا ان کو لکھ لیا کرتا تھا۔ جب میرا ارادہ ان سے الگ ہونے کا ہوا تو ان کی حدیثوں کو ان کے سامنے پڑھ گیا اور آخر میں ان سے کہا کہ یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ وہ بولے: ہاں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی مرویات کثیر ہیں اور وہ احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ انھیں لکھنے کا حکم خود آں حضرت ﷺ نے دیا تھا۔ محدثین میں ان کی کتاب صحیفہ صادقہ کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

اس کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایات کی تعداد ۱۲۸۶ ہے۔ مستدرک کی روایت میں ہے کہ سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ ہم حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ اپنے پاس سے

ایک نوشتہ نکالتے اور فرماتے کہ یہ ہیں وہ حدیثیں جو آں حضرت ﷺ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور میں ان کو حضور ﷺ کے سامنے پیش بھی کر چکا ہوں۔ اس سے حضرت انسؓ کی حدیثوں کے بھی ضبطِ تحریر میں آنے کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایات تعداد میں ۱۵۰۰ ہیں۔ صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حج سے متعلق احادیث کو تحریری شکل دی تھی۔ ان کے شاگرد وہب بن منبہ نے اپنے استاد حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایات کو قلم بند کیا تھا۔ اسی طرح سلمان بن قیس یشکری نے بھی حضرت جابرؓ کی احادیث کا مجموعہ مرتب کیا تھا اور شعبیؒ اور سفیان وغیرہ نمایاں شخصیتوں نے قیس سے اس کی سماعت بھی فرمائی تھی۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن کے بیٹے عروہ بن زبیر نے براہ راست حضرت عائشہؓ کی روایات کو حاصل کیا تھا اور مشہور ہے کہ انھوں نے اپنے علم کو قلم بند بھی کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی ایک خاتون شاگرد عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں۔ ان کے علم کو ان کی بہن کے بیٹے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان پر جمع کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا فرمان ابوبکر بن محمد کے پاس آیا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے علم (حدیث) کو وہ ان کے لیے لکھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایات ۲۶۶۰ ہیں۔ ابن سعد میں ہے کہ وہ آں حضرت ﷺ کے کارنامے لکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ترمذی میں ہے:

ان نفرا قد مرا علی ابن عباس من اهل الطائف یکتب من کتبهٖ فجعل یقراء علیهم۔ (ترمذی)

''حضرت ابن عباسؓ کے پاس طائف کے کچھ لوگ ان کی کتابوں کو لے کر حاضر ہوئے اور ان کے سامنے ان کی کتابیں پڑھنے لگے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ ان کی احادیث کا مجموعہ ان کی حیات ہی میں قلم بند ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ دارمی اور طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کی احادیث کو ان کے شاگرد سعید بن جبیر لکھا کرتے تھے۔

یہ ان صحابہؓ کا حال ہے جن کا شمار مکثرین میں ہوتا ہے جن سے کثیر روایات مروی

ہیں۔ دوسرے اصحابِ رسولؐ میں سے متعدد صحابیوں کے بارے میں ثابت ہے کہ ان کی مرویات کی بھی کتنی ہی یادداشتیں تحریری شکل میں موجود تھیں۔

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ یہ بات غلط طور پر مشہور ہوگئی ہے کہ حدیثیں سو ۱۰۰ برس کے بعد ضبطِ تحریر میں آئی ہیں۔ حضرت علیؓ کی کتاب القضایا اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی کتاب بہت ہی ابتدائی دور میں تالیف ہوئی تھیں۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ لذہبی)۔ اس کے علاوہ کتنے ہی صحابہؓ اور تابعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو تحریری طور پر جمع کیا تھا۔ صحیفۂ ابوبکر صدیقؓ، صحیفۂ سعد بن عبادہؓ، صحیفۂ جابر بن عبداللہؓ اور رسالہ سمرہ بن جندب، رسالہ انس بن مالکؓ وغیرہ کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ حضرت عمرو بن حزمؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کا عامل بنایا تو تحریری ہدایت نامہ بھی عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے اس قیمتی دستاویز کے ساتھ ۲۱ دیگر فرامین نبوی بھی فراہم کیے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کے قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں دریافت ہو چکے ہیں اور یہ صحیفہ شائع بھی ہو گیا ہے۔ یہ اہم خدمت ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے انجام دی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جامع معمر بن راشد کے قلمی نسخوں کو بھی انقرہ یونیورسٹی اور فیض اللہ افندی کے کتب خانہ استنبول سے ڈھونڈھ نکالا ہے۔ جامع معمر بن راشد ۲۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

معمر بن راشد کے شاگرد عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الیمانی (۱۲۶ھ-۲۲۱ھ) کی کتاب مصنف عبدالرزاق کے مخطوطے بھی استنبول اور صنعاء (یمن) میں کامل شکل میں ملتے ہیں۔ مدینہ، ٹونک، بھوپال، سہارنپور، حیدرآباد، سندھ میں بھی اس کے ناقص نسخے موجود ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام، امام احمد بن حنبل کے استاد تھے۔ وہ امام بخاری کے بھی دادا استاد ہوتے ہیں۔ مصنف عبدالرزاق ہی درحقیقت صحاح ستہ اور مسند احمد کا ماخذ ہے۔

مشہور تابعی محمد بن شہاب زہری نے حدیث کی ایک مبسوط کتاب تالیف کی۔ انھیں اس کام کے لیے عمر بن عبدالعزیز نے حکم بھی دیا تھا۔ (زرقانی) ابن شہاب زہری کے استاد ابوبکر بن حزم نے بھی عمر بن عبدالعزیز کی ترغیب سے حدیث کی کتابیں تیار کی تھیں۔ (زرقانی) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات ۱۰۱ھ میں ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے یہ کام اس سے قبل ہی شروع ہوا اور اسے پہلی صدی ہی کا کارنامہ قرار دیا جائے گا۔ چونکہ ابن شہاب زہری کی کتاب مبسوط تھی اس لیے

مشہور ہے کہ وہی حدیث کے پہلے مدون ہیں۔لیکن امام بخاری کا رجحان قاضی ابوبکر بن حزم کی طرف ہے۔زہری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے آثارِ صحابہؓ کو بھی قلم بند کرلیا۔

قاضی ابوبکر بن حزم اور امام زہری کے علاوہ مختلف ائمہ تابعین بھی تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ دوسری صدی میں احادیث کے مختلف مجموعے مرتب ہوگئے۔اس دور کی کتابوں میں سب سے پہلی کتاب عبدالمالک بن عبدالعزیز ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) کی تسلیم کی جاتی ہے۔بعض کے نزدیک اس دور کی پہلی کتاب ربیع بن صبیح (متوفی ۱۶۰ھ) کی ہے۔ ایک قول کے لحاظ سے اس سلسلہ میں اولیت کا شرف سعید ابن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۶ھ) کو حاصل ہے۔ یہ محدثین دوسری صدی ہجری کے وسط میں ہوئے ہیں۔ان کے علاوہ اسی دور کے مولفین میں معمر یمنی (متوفی ۱۵۳ھ) کا نام بھی مشہور ہے۔فقہ کے ائمہ اربعہ نے بھی تدوین حدیث کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔امام مالک کی تالیف مؤطا آج تک حدیث میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ کتاب حجاز کی احادیث پر مشتمل ہے۔مؤطا میں صحابہؓ اور تابعین کے اقوال وفتاویٰ بھی درج ہیں۔امام احمد بن حنبل کی مسند تو معروف ومشہور ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ مختلف ائمہ حدیث نے مختلف مقامات پر اپنی کتاب مرتب کی ہے۔مثلاً ابن جریج اور معمر بن راشد نے مکہ میں، معمر اور عبدالرزاق نے یمن میں، امام مالک اور سفیان عیینہ نے مدینہ میں، سعید بن ابی عروبہ اور ربیع بن صبیح اور حماد بن سلمہ اور روح بن عبادہ نے بصرہ میں، سفیان ثوری اور ابوبکر بن ابی شیبہ اور محمد بن فضل نے کوفہ میں اپنی کتاب مرتب کی۔ اسی طرح ولید بن سلم نے شام میں، واسط میں ھشیم بن بشیر نے، جریر بن عبدالحمید نے رے میں، عبداللہ بن وہب نے مصر میں اور عبداللہ بن مبارک نے خراسان میں تالیف حدیث کا کام کیا۔ لیکن حدیث پر ابھی اور کام کرنے کی ضرورت تھی۔اس کی تکمیل صحاح ستہ کے وجود میں آنے سے ہوسکی۔ احادیث کی یہ کتابیں جامع مقاصد کے لیے مرتب کی گئیں۔ان میں زندگی کے تمام ہی پہلوؤں سے متعلق احادیث جمع کی گئیں۔ اس سلسلہ میں امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری اور ان کے شاگرد امام مسلم نے صحیح مسلم کی تالیف کی۔صحیح مسلم کا مرتبہ بخاری کے بعد دوسرے درجہ پر ہے۔پھر ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ کی مرتب کی ہوئی

کتابیں ہیں۔ جو اگرچہ موطا، بخاری اور مسلم کے مرتبہ کی نہیں ہیں مگر موطا، بخاری اور مسلم کے بعد ان ہی کا درجہ ہے۔

روایتِ حدیث کی ایک خاص قسم

امت کو نبی ﷺ سے شریعت دو طریقوں سے پہنچی ہے۔ اول یہ کہ صحابی نے نبی ﷺ سے جو بات سنی یا جو عمل آپؐ کا دیکھا اسے بعینہٖ نقل کر دیا۔ دوم یہ کہ آں حضرت ﷺ کے قول و عمل سے جو حکم ثابت ہوا اس کو انھوں نے بیان کیا۔ اس دوسرے طریقے کے متعلق حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس میں رسولِ خدا ﷺ کے قول و عمل کو دیکھ کر جو شرعی حکم معلوم ہوا صحابی محض اسے روایت کرتا ہے کہ فلاں چیز فرض ہے یا جائز ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے قول یا عمل کا ذکر نہیں کرتا۔ پھر اس حکم کی روایت ان سے تابعین نے کی۔ صحابہؓ کے ان احکام اور فیصلوں کو احتیاط سے جمع کیا گیا۔ صحابہؓ میں اس طریقے سے روایت کرنے والوں میں حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ خاص ہیں۔ تابعین میں اس طریقے سے روایت کرنے والے مدینہ میں فقہائے سبعہ[1] اور مکہ میں عطاء ابن رباح، کوفہ میں ابراہیم نخعی، قاضی شریح اور علامہ شعبی اور بصرہ میں امام حسن بصری تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو متوسطین رواۃ میں شمار کیا جاتا ہے۔ متوسطین یعنی جن کی مرویات پانچ سو سے زیادہ ہوں مگر ایک ہزار سے کم۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ، علی ابن ابی طالبؓ وغیرہ کو متوسطین کے طبقے میں شمار کرنے میں مجھے کلام ہے کیونکہ ابن مسعودؓ، علی ابن ابی طالبؓ وغیرہ سے جو مسائل فقہ و احسان اور حکمت کے سلسلے میں منقول ہیں وہ بظاہر ان کے اپنے اقوال ہیں مگر حقیقت میں وہ احادیث ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے فتاویٰ کو کتب صحیحہ کی احادیث سے موازنہ کر کے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ احادیث کے مطابق ہیں یا نہیں۔

اصابہ میں ہے کہ تمام صحابہؓ میں عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ

---

(۱) مدینہ کے سات فقہا یہ ہیں: سعید بن مسیّب، قاسم بن محمد بن ابی بکر، عروہ بن زبیر، خارجہ بن زید بن ثابت، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، سلیمان بن یسار۔

اور عائشہؓ کے فتاویٰ اتنے زیادہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے (یمکن یجمع من فتیا کل واحد من ھؤلاءِ مجلد ضخیم)۔

ابراہیم نخعی نے اپنی فقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ اور قاضی شریح کے فتاویٰ اور فیصلوں سے مرتب کی ہے۔ بعض مسائل میں انھوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے ان اصحاب کا اتباع کیا ہے جو کوفہ میں تھے۔ ان مسائل میں علماء کا اتفاق تھا۔ امام ابوحنیفہ کی فقہ دراصل ابراہیم نخعی کی فقہ سے مرتب ہوئی ہے۔ اگر کہیں اختلاف بھی کیا گیا ہے تو اس میں بھی فقہائے کوفہ ہی میں سے کسی کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ کے ارشادات اور اعمال کا ایک بڑا حصہ ہم تک تعامل و توارث کے ذریعہ سے پہنچا ہے۔ مختلف معاملات میں صحابہؓ نے حضور ﷺ کے ارشادات صرف سنے ہی نہیں بلکہ ان پر عمل بھی کیا ہے۔ ان کے اس عملی طریقے کو بعد کی نسلوں نے اختیار کیا۔ اس طرح یہ تعامل بعد کی نسلوں تک حضور ﷺ کی شریعت کے منتقل ہونے کا مستند ذریعہ بن گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی قولی روایات کے ذریعہ سے احادیث کی حفاظت کا بھی سامان کیا گیا۔

متابعات و شواہد

صحابہ کرامؓ سے روایت کرنے میں حتی الامکان اس کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ایک روایت صحابہ میں سے جتنے اشخاص سے سنی اور لی جاسکتی ہو ان سے اس کے اخذ کرنے میں کوتاہی نہ کی جائے۔ کسی حدیث کی مزید تصدیق و توثیق کی غرض سے اپنے استاد کے علاوہ راوی کے ہم عصروں سے جو روایتیں کی جاتی ہیں وہ متابعات اور شواہد کے تحت آتی ہیں۔ محدثین نے توابع اور شواہد کے جمع کرنے میں غیر معمولی توجہ سے کام لیا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ صرف ایک حدیث انما الاعمال بالنیات ایک دو نہیں سات سو طریقوں سے مروی ہے۔ یعنی اس ایک حدیث کی ۷۰۰ سندیں پائی جاتی ہیں۔ غیر متواتر احادیث کا بھی حال یہ ہے کہ ایک ایک حدیث کے راوی دس دس یا آٹھ آٹھ صحابی ہیں۔ ترمذی میں اس کا التزام کیا گیا ہے کہ اس میں ہر حدیث کے آخر میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ حدیث صحابہؓ میں سے کن کن اصحاب سے مروی ہے۔ صحابہؓ سے روایت کرنے والے رواۃ اور پھر ان رواۃ سے احادیث کی روایت

کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔لیکن ایسی کتابیں موجود ہیں جن میں ہر حدیث کی تمام اسناد کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔

تنقید حدیث

محدثین نے احادیث کو پرکھنے اور مستند احادیث کو غیر مستند سے الگ کرنے کے لیے سلسلۂ رواۃ کا بھی بے لوث جائزہ لیا ہے اور متن کو بھی درایت کی کسوٹی پر جانچ کر دیکھا ہے۔ احادیث کو پرکھنے میں انھوں نے خارجی اور داخلی دونوں قسم کی شہادتوں کو اپنے پیشِ نظر رکھا ہے(۱) صحتِ حدیث کو پرکھنے کے لیے دونوں طرح کے دلائل وشواہد پر نظر رکھنی ضروری تھی۔موضوع یعنی گھڑی ہوئی احادیث کے جانچنے کے جو اصول انھوں نے مقرر کیے ہیں وہ تقریباً اندرونی شہادتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے سلسلۂ اسناد کو بھی نظر انداز نہیں کیا کیونکہ ایسی حدیث وضع ہوسکتی ہے جو بظاہر ان کے مقرر کیے ہوئے اصول سے نہ ٹکرائے۔اس لیے جامعینِ حدیث راویوں کے معتبر یا غیر معتبر اور معروف یا مجہول الحال ہونے پر پوری بحث کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر صحیح نتیجہ پر پہنچنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔جرح اور تعدیل کی بنیاد خود نبی ﷺ کے زمانے میں پڑ چکی تھی۔تابعین کے دور میں ہر راوی کے بارے میں جرح وتعدیل سے کام لینے کا رواج عام ہوگیا۔اس زمانے کے مشہور محدث یحییٰ بن سعید بن قطان اور شیبہ بن حجاج نے اس سلسلہ میں ہر راوی کے کردار اور اس کی قوتِ ضبط وحافظہ پر بحث کی ہے۔اس اصول کے پیشِ نظر جب دوسری صدی کے آخر میں حدیث کی کتابیں مرتب کی گئیں تو جس راوی کے حالات معلوم نہ تھے اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا گیا۔اسی طرح جس راوی کے بارے میں ثابت ہوگیا کہ وہ وضع حدیث کا مرتکب پایا گیا ہے اس کی روایات کو بالکل ناقابلِ اعتبار قرار دیا گیا۔

قبولِ حدیث کے سلسلہ میں راوی کی قوتِ حافظہ وغیرہ کی طرف سے بھی اطمینان حاصل کرنا ضروری سمجھا گیا۔راوی کی راست بازی کی بڑی باریک بینی کے ساتھ تحقیق کی گئی۔مثلاً یہ بھی دیکھا گیا کہ راوی جس شخص کے واسطے سے حدیث بیان کرتا ہے اس کا وہ ہم عصر بھی ہے یا نہیں۔

---

(۱) لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ محدثین کا زیادہ زور اسناد پر رہا ہے۔ان کے برخلاف فقہاء روایات کو تعامل وتوارث سلف کی روشنی میں پرکھنا ضروری خیال کرتے ہیں۔فقہاء نے درایت پر خاص زور دیا ہے۔

بلکہ امام بخاری نے تو اس سلسلہ میں مزید سختی اختیار کی۔ انھوں نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ راوی جس کے واسطے سے حدیث روایت کرتا ہے اس سے اس کی ملاقات ثابت ہے یا نہیں۔

صحابہؓ اور تابعین کے زمانے میں ائمہ حدیث کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ ان کے حالات بھی مشہور و معلوم تھے۔ ان کی سچائی معروف تھی۔ البتہ بعد کے زمانے میں حدیث کے راویوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ لیکن ہر زمانے کے محدثین نے پوری تنقید اور تحقیق کے بعد ہی احادیث کو قبول کیا اور اپنے شاگردوں تک یہ تنقیدی سرمایہ بھی منتقل کیا۔ ایک قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ ہر محدث نے آزادانہ طور پر تحقیقات کی ہیں اور وہ سب ایک ہی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کیونکہ ان احادیث کی تعداد اتنی زیادہ ہے جن کے معتبر ہونے پر ان میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ جو کچھ ان کے درمیان اختلاف ہے وہ ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جو کتابیں دوسری صدی ہجری کے وسط یا تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں، وہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ اہم امور اور بنیادی باتوں میں ان سب کا اتفاق ہے۔ حالانکہ انھوں نے تحقیقی کام مختلف مقامات اور مختلف زمانوں میں کیا ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ بعد کی کتابیں زیادہ جامع ہیں۔ ان میں زندگی کے کسی ایک پہلو سے متعلق نہیں بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات سے متعلق احادیث جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ احادیث میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ بھی ان کی صحت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ فروع میں اسلام نے سختی سے کام نہیں لیا ہے۔ بعض کام حضور ﷺ نے کئی طرح سے کیے ہیں۔ بعض امور میں رخصت دی ہے۔ اس طرح بعض اختلافات کا پایا جانا فطری ہے۔ اس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کتب احادیث میں فرق کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کتابوں کا دائرۂ روایت یکساں نہ تھا۔ مثال کے طور پر مؤطا اور بخاری دونوں ہی صحت کے لحاظ سے اعلیٰ طبقہ کی حدیث کی کتابیں ہیں لیکن مؤطا میں صرف تین سو کے قریب احادیث پائی جاتی ہیں جبکہ بخاری کی احادیث کی تعداد ڈھائی ہزار سے زیادہ (۲۵۱۳) ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک نے صرف اصل حجاز کی حدیثیں لی ہیں۔ اس کے برخلاف امام بخاری نے بلادِ امصار میں گھوم کر ہر جگہ کی احادیث جمع کی ہیں۔ اس کے علاوہ امام مالک نے دین کے تمام مسائل سے متعلق احادیث جمع نہیں کیں جبکہ امام بخاری نے دین کے مختلف پہلوؤں سے متعلق احادیث جمع کردی ہیں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے صرف ان احادیث کوقبول کیا ہے جن کے راویوں کے قابلِ اعتبار ہونے پر پہلے کے محدثین متفق رہے ہیں۔نسائی نے ان راویوں کی احادیث کوبھی قبول کرلیا ہے جن کوکسی نے ثقہ اورکسی نے غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ابوداؤد نے ان ابواب میں جن میں انھیں اعلیٰ درجہ کی احادیث نہیں مل سکیں ضعیف احادیث کو لے لیا ہے۔

موضوع احادیث کے جانچنے کے جو اصول مقرر کیے گئے ہیں ان سے بخوبی اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ محدثین نے احادیث کے پرکھنے میں کتنی ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔حدیثوں کے ردوقبول میں محدثین نے سخت احتیاط سے کام لیا ہے، گرچہ وہ اس راز سے ناواقف نہ تھے کہ کبھی جھوٹے شخص کی بات بھی سچ ہوتی ہے (الکذوب قد یصدق)۔لیکن چونکہ معاملہ حدیث کا تھا اس لیے انھوں نے اس معاملہ میں احتیاط کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔انھوں نے اس شخص کی بیان کی ہوئی حدیث کو نامقبول قرار دیا جو جھوٹ بولتا ہو، یا جس کے بارے میں یہ شبہ ہو کہ وہ حدیث گھڑتا ہے، یا ثقہ ہونے کے باوجود اس کے مزاج پر وہم کا غلبہ ہو، یا حدیث کے سمجھنے میں وہ غلطی کر جاتا ہو، یا روایت کے الفاظ ومعانی میں تحریف کرتا ہو، یا وہ غیر معروف ہو اور اس کی روایت کسی دوسرے سے مروی نہ ہو (نووی)۔ اسی طرح وہ ان احادیث سے بھی استدلال نہیں کرتے جن کی سند کسی وجہ سے منقطع ہوگئی ہو۔

جو حدیث مرفوع نہ ہو موقوف ہو یعنی نبی ﷺ سے منسوب کر کے روایت نہ کی گئی ہو بلکہ صحابہؓ پر جا کر اس کی سند منقطع ہوگئی ہو اس سے وہ استدلال صرف اس وقت کرتے ہیں جبکہ صاف الفاظ میں اس کا ذکر کیا گیا ہو کہ صحابہؓ کا اس پر اتفاق رہا ہے۔

حدیث صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو الفاظ حضور ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے ہوں حتی الوسع ان ہی الفاظ میں حدیث روایت کی گئی ہو کیونکہ محض مفہوم بیان کرنے میں اس کا امکان باقی رہتا ہے کہ راوی سے اس حدیث کے مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو۔البتہ ایسے رواۃ جن کی فہم و بصیرت پر پورا اعتماد ہو ان کی روایت بالمعنیٰ بھی درست سمجھی گئی ہے۔

پھر اس سلسلے میں معتبر احادیث کی خصوصیات وامتیازات کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً حدیث کے قبول کرنے میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل اور تاریخی حقائق کے خلاف نہ ہو،

راوی کی فہم وبصیرت بھروسہ کے قابل ہو، راوی مبالغہ سے کام نہ لیتا ہو، کسی خاص اثر کے تحت روایت نہ کی ہو اور وہ شخص جو سند کی آخری کڑی ہو وہ بذاتِ خود شریکِ واقعہ ہو۔

احادیث کی جانچ کے لیے رواۃ کے بارے میں صحیح معلومات ضروری ہے۔ اسی لیے اسماء الرجال کی کتابوں میں ابتدائی تین سو سال کے تقریباً ایک لاکھ اشخاص کے ذاتی حالات اور ان کے اخلاق وکردار سے متعلق معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔

حدیث کے پرکھنے میں درایت سے بھی کام لیا گیا ہے۔ درایت سے کام لینے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہو اس کے بارے میں یہ اطمینان حاصل کر لیا جائے کہ وہ کہاں تک انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ جس زمانہ کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں اس زمانہ کی خصوصیات کس حد تک پائی جاتی ہیں۔ عقلی قرینہ اس کے حق میں کہاں تک ساتھ دیتا ہے۔ جس شخص سے متعلق واقعہ کا ذکر اس روایت میں کیا گیا ہے وہ واقعہ اس کے مزاج اور اس کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اس کے اسباب کیا ہیں۔

حدیث کی جانچ میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ روایت کے تغیرات نے اصل واقعہ کی صورت میں تبدیلی تو پیدا نہیں کر دی ہے۔ اگر اس کا احتمال ہے تو حدیث مشتبہ ٹھیرے گی۔

علامہ ابن الجوزی نے جو فنِ روایت ودرایت میں مجتہدانہ شان کے حامل تھے ایسی ہر حدیث کو ناقابلِ اعتبار اور موضوع قرار دیا ہے جو عقل، مشاہدہ یا اصولِ دین کے خلاف ہو، یا قرآن اور حدیثِ متواتر یا اجماع کے خلاف ہو، یا اس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی یا معمولی نیکی پر اجر کثیر کا وعدہ کیا گیا ہو، یا اس کا راوی اکیلا ہو اور وہ جن رواۃ کے واسطے سے حدیث بیان کرتا ہو وہ ان کا ہم عصر ہی نہ ہو، یا راوی تنہا ہو اور اس کی بیان کی ہوئی حدیث ایسی ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ہر ایک پر واجب ہے، یا اس روایت میں کوئی ایسی بات مذکور ہو جس کے غلط ہونے کی اتنے لوگوں نے تصریح کی ہو جن کا کسی جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔ (فتح المغیث)

حافظ ابن حجر نے بھی ناقابلِ اعتبار حدیثوں کے سلسلے میں تقریباً یہی باتیں فرمائی ہیں۔ (نزہۃ خاطر)

علامہ خطیب بغدادی کی رائے بھی یہی ہے کہ اگر حدیث اس قدر خلافِ عقل ہو کہ اس کی

تاویل ہو سکے یا وہ محسوسات و مشاہدات کے خلاف ہو یا قرآن اور حدیث متواتر اور اجماع کے مخالف ہو تو وہ موضوع قرار پائے گی۔ (تدریب الرّاوی)

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی فرمایا ہے:

کلما قام علیه دلیل قطعی سمعی یمتنع ان یعارضه قطعی عقلی۔ (کتاب العقل والنقل)

''جس بات کے متعلق حدیث میں قطعی دلیل قائم ہو، عقلی قطعی دلیل اس کی مخالف ہو ہی نہیں سکتی۔''

حدیث کی کتابوں میں بخاری کو جو فوقیت حاصل ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے احادیث کے اخذ کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ زہری کے شاگردوں سے حدیث اخذ کرتے ہیں تو عموماً زہری کے شاگردوں کے سب سے اعلیٰ طبقہ ہی کی روایت لیتے ہیں یعنی وہ اس طبقے کے شاگردوں کی حدیثیں لیتے ہیں جن کے بارے میں ثابت ہے کہ انھیں زہری کی صحبت زیادہ حاصل رہی ہے، جیسے یونس بن یزید، عقیل بن خالد، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ اور شعیب بن ابی حمزہ۔ اسی طرح انھوں نے صرف اسی کو کافی نہیں سمجھا کہ راوی اپنے شیخ کا ہم عصر ہو بلکہ وہ یہ بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ ان کی باہم ملاقات بھی ثابت ہو۔ ان ہی سخت شرائط کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کی دس ہزار حدیثوں کو چھوڑ دیا۔ امام بخاری کے سامنے ۶ لاکھ حدیثیں تھیں جن میں سے انھوں نے صرف چند ہزار حدیثیں لی ہیں۔ گویا سو میں سے ۹۹ کو انھوں نے ترک کر دیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس وقت موضوع احادیث اس کثرت سے وجود میں آ چکی تھیں کہ امام بخاری سو میں سے صرف ایک حدیث قبول کر سکے۔ اور نہ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان کی چھوڑی ہوئی حدیثیں نابود ہو کر رہ گئیں۔ حافظ ابن الجوزی کا بیان ہے کہ اعداد سے مراد احادیث کے متون نہیں بلکہ طرق و اسانید ہیں (ان المراد بھذا العدد الطرق ولا المتون۔ تلقیح فھوم اھل الاثر ص ۱۸۷) مثال کے طور پر ایک ہی حدیث کو کسی شخص نے اپنے چھ شاگردوں سے بیان کیا تو محدثین کی اصطلاح میں اس حدیث کے چھ طرق اور چھ اسانید ہو گئے۔ اب اس کا شمار ایک کے بجائے ان مختلف طرق کے لحاظ سے کیا جائے گا۔ چنانچہ حدیث انما الاعمال بالنیات۔

۷۰۰ طریقوں سے مروی ہے۔ (یہ بھی ایک خاص نقطہ نظر سے ورنہ اس کے طرق اس سے کہیں زیادہ ہیں)۔اس لیے یہ ایک حدیث تعداد میں سات سو ہوگئی۔

امام مسلم کا بیان ہے کہ میں نے اپنی جامع صحیح کو تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کو سات لاکھ سے زیادہ معتبر حدیثیں محفوظ تھیں۔ حافظ ابوزرعہ کی حدیثوں کی تعداد بھی سات لاکھ تھی۔حقیقت میں یہ تعداد احادیث کے متون کی نہیں بلکہ طرق واسانید کی ہے جیسا کہ حافظ ابن الجوزی کی تصریح سے واضح ہے۔بغیر تکرار کے صحیح بخاری کی کل روایات ۲۶۰۲ اور صحیح مسلم کی ۴۰۰۰ ہیں۔ان دونوں کتابوں میں مشترک روایات بھی اچھی خاصی ہیں۔لیکن ان دونوں کتابوں کی احادیث کا استخراج جب دوسری کتب احادیث سے کیا گیا تو اسانید کی تعداد ۲۵۴۸۰ تک پہنچ گئی۔ حدیث کے مفہوم کو وسعت دیتے ہوئے صحابہ کے اقوال وفتاویٰ بلکہ تابعین کی چیزوں کو بھی حدیث کے تحت رکھا گیا، اس سے بھی حدیثوں کی تعداد بڑھ گئی۔ صاحب توجیہ النظر نے اس کی وضاحت بھی کردی ہے کہ متقدمین کی بڑی جماعت عموماً حدیث کے لفظ کا اطلاق ایسے مفہوم پر کرتی ہے جس میں صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے آثار وفتاویٰ سب ہی داخل ہیں۔ نیز ایک ہی حدیث جو دوسندوں سے مروی ہے اسے وہ دو ۲ حدیث قرار دیتے ہیں۔ (توجیہ النظر ص ۹۳)

صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث دوسرے درجہ کی قرار دی گئی ہیں اس لیے کہ ان میں ہر طرح کی احادیث شامل ہیں۔البتہ جن احادیث میں دینی احکام بیان ہوئے ہیں ان کی صحت کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے میں تساہل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

محدثین نے احادیث پر جو کام کیا ہے وہ بیش قیمت ہے۔ وہ سلسلۂ روایت کے ساتھ احادیث بیان کرتے ہیں تاکہ آئندہ بھی ان پر تنقید کی جاسکے۔ روایت اور درایت دونوں پہلوؤں سے آج بھی کسی حدیث کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔تنقید کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔لیکن یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ بہت سی چیزیں شروع ہی سے عملی شکل میں منتقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہیں جس کی وجہ سے وہ چیزیں درجۂ یقین کو پہنچی ہوئی ہیں۔لیکن ان کے علاوہ فضائل، قصص، سیر، تاریخی حالات وغیرہ سے متعلق کتنی ہی ایسی روایات ہیں خواہ وہ صحاح ہی کی روایات کیوں نہ ہوں انھیں اصول تنقید کے تحت پرکھا جاسکتا ہے۔تعامل اور متواتر اور مشہور احادیث کو چھوڑ کر باقی

روایتوں میں خاص طور سے جن کا تعلق قصص وفضائل وغیرہ سے ہے احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ احتیاط سے کام لینے کی مثالیں دورِ صحابہؓ میں بھی ملتی ہیں۔ صحیح بخاری تک کے اسناد میں کئی ایک راوی ایسے ہیں جن پر اہلِ علم حضرات نے جرح کی ہے۔

درایت کی رو سے احادیث کو پرکھنے کا سب سے بڑا معیار قرآن مجید ہے جو ہر طرح کے شکوک وشبہات اور ظن کی آمیزش سے پاک ہے۔ صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن کو ہر چیز پر فوقیت دیتے تھے اور وہ اسے اصل سرچشمۂ ہدایت سمجھتے تھے۔ قرآن کے مقابلے میں وہ کسی دوسری چیز کو ترجیح دینے کے قائل نہ تھے۔ طوالت کا خوف ہے ورنہ میں اس سلسلہ کی کچھ مثالیں نقل کرتا۔

تعامل وتواتر اور شہرت نے حدیث کے ایک بڑے حصے کو یقین کے درجے تک پہنچادیا ہے لیکن اس کا باقی حصہ بھی ایسا نہیں ہے کہ اسے دریا برد کردیا جائے۔ اس میں بھی کتنے ہی جواہر ریزے اور علم وحکمت کے خزینے پائے جاتے ہیں۔ اگر ان میں سند یا کسی دوسرے پہلو سے کوئی نقص پایا جاتا ہو تو ہمارے ہاتھ میں قرآن اور مستند احادیث کا جو ذخیرہ موجود ہے اس کی روشنی میں ان سے بھی پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ قرآن اس سلسلہ میں ہمیں ہر طرح کی فکری وعملی گمراہیوں سے بچاسکتا ہے اور ہمیں راہ راست پر قائم رکھ سکتا ہے۔[۱]

دہلی محمد فاروق خاں

(۱) علم حدیث کے سلسلہ میں تفصیلی معلومات کے لیے میری کتاب ''علمِ حدیث: ایک تعارف'' کا مطالعہ فرمائیں۔

حدیث کا ادبی مقام

کلام نبوت کا جو سرمایہ امت کے پاس موجود ہے وہ کئی شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کا ایک حصہ تو وہ ہے جو نبی ﷺ کے ان ارشادات پر مشتمل ہے جو آپ کی گفتگوؤں، عام نصائح اور تعلیمات سے تعلق رکھتا ہے اور ایک حصہ وہ ہے جس کا تعلق آپ کے خطبات سے ہے۔ پھر آپ کے وہ دعوتی مکتوبات ہیں جو مختلف بادشاہوں، حاکموں وغیرہم کے نام روانہ کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ عہود اور مواثیق ہیں جن کی اپنی ایک انفرادی حیثیت ہے۔ یہ معاہدے، احکام اور دستاویزات آپؐ کے الفاظ میں ضبط تحریر میں لائے گئے تھے۔ ان میں تین بڑی اہمیت رکھتے ہیں: میثاق مدینہ، معاہدہ حدیبیہ اور وثیقہ عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہٗ۔

فصاحت و بلاغت میں کلام اللہ کے بعد کلام نبوت کا درجہ ہے۔ نبی ﷺ کے ارشادات میں نہ صرف یہ کہ بلاغت وعبقریت کی شان نمایاں ہے بلکہ ان میں الہام کا اثر بھی واضح طور پر محسوس ہوتا ہے، جس کی وجہ سے سرمایۂ ادب میں ان کو ایک انفرادیت حاصل ہے۔

آپؐ کا کلام ہر قسم کے تکلف و تصنّع سے یکسر پاک ہے۔ ان کا ناپسندیدہ سجع سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ کی زبان مبارک سے جو الفاظ ادا ہوئے ہیں ان میں معانی ومطالب کی بڑی وسعت اور بلندی پائی جاتی ہے۔ آپؐ نے خود فرمایا ہے:

نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ.

"اللہ نے بادصبا کے ذریعہ سے میری نصرت فرمائی اور مجھے جوامع الکلم عطا کیے۔"

جوامع الکلم سے مراد یہ ہے کہ الفاظ تو تھوڑے ہوں لیکن وہ اتنے جامع ہوں کہ معانی و مطالب کی ایک دنیا ان کے اندر سمٹ آئی ہو۔

کلام آدمی کے باطنی احوال کا آئینہ ہوتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

اَدَّبَنِی رَبِّی فَأَحْسَنَ تَادِیبِی۔

”مجھے میرے رب نے ادب اور سلیقہ سکھایا اور میری بہترین تربیت فرمائی۔“

آدمی کے الفاظ اور اس کی گفتگو کے آئینہ میں اس کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ گفتگوئیں اور اسی طرح تحریریں آدمی کے باطن کی عکاسی کرتی ہیں۔ اپنے الفاظ سے آدمی اپنی شخصیت کی بلندی ودل آویزی یا اپنے وجود کی پستی وقباحت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ اس کی تصدیق خود نبی ﷺ نے بھی فرمائی ہے۔ حضرت عباسؓ نے ایک بار آپؐ سے پوچھا:

فِیمَ الْجَمَالُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ: فِی اللِّسَانِ(۱) ”اے اللہ کے رسولؐ، حسن و جمال کا دارومدار کس چیز پر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: زبان پر۔“

اس میں شبہ نہیں کہ گفتگو کی شیرینی ودل آویزی سے متاثر ہوئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ زبان وکلام کے ذریعہ سے جس حسن و جمال سے ہم آشنا ہوتے ہیں اس کی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زبان وکلام ہی کے ذریعہ سے اس خرابی اور قبح کا بھی اظہار ہوتا ہے جس سے بڑھ کر کسی برائی اور عیب کا ہم تصوّر نہیں کر سکتے۔ اس حقیقت کو آپؐ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

مَا اُعْطِیَ الْعَبْدُ شَرًّا مِنْ طَلَاقَةِ اللِّسَانِ۔

”کسی بندے کو چرب زبانی سے بڑھ کر کوئی بری چیز نہیں دی گئی(۲)“

نبی ﷺ کی احادیث کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں آپ کا کلام انتہائی پاکیزہ، الفاظ واضح اور موثر اسالیب اور حسنِ اختصار وحسن اطناب کا حامل نظر آتا ہے۔ کلام میں کسی قسم کا جھول نہیں۔ آپؐ کلام میں نہ غیر ضروری طوالت سے کام لیتے ہیں اور نہ مایوس کن اختصار آپؐ کے یہاں دکھائی دیتا ہے۔ کلام میں بلندی بھی ہے اور نفاست اور پاکیزگی بھی۔ آپؐ کی نصیحتیں کیا ہیں؟ دلِ دردمند کی پکار اور زخمی جگر کی آہیں۔ نورِ حکمت کی تابانی ہر جگہ نمایاں ہے۔ دل کا جو درد آنسوؤں کو روانی عطا کرتا ہے وہی الفاظ کی صورت میں ڈھل کر دلوں پر براہِ راست اثر انداز

---

(۱) نقد النثر ص ۹۱

(۲) البیان ۱/ ۱۹۴

ہوتا ہے۔قرآن بقول شخصے اگر آسمان کا خطاب ہے زمین کے نام،تو آپؐ کا کلام وہ صدائے ارض ہے جسے آسمان سنتا ہے۔آپؐ کا کلام اپنی صداقت پر خود گواہ ہے۔کلام سادہ لیکن پر وقار ہے اور سلیقہ، حسن ترتیب اور بے ساختگی میں اپنی مثال آپ ہے الفاظ ستھرے اور موثر اور وہ بھی ایسے کہ جیسے وہ ایک دوسرے کے پیچھے اپنے آپ چلے آرہے ہوں۔کلام میں سادگی ہے مگر ادبی معیار کہیں گرتا ہوا نظر نہیں آتا۔گفتگو میں وقار بھی ہے اور حلاوت اور شیرینی بھی۔جلال و جمال کا حسین امتزاج یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔آپ کے فرمودات انسانیت پر حجت ہیں۔کوئی چیز نہیں جو ان کو باطل ٹھہرا سکے۔

کلام میں اعتدال کا پورا لحاظ پایا جاتا ہے۔گفتگو ہو یا خطبہ سب کچھ بقدر ضرورت ہے۔آپ کے ارشادات تاریکی میں روشنی اور روح کی بے تابی کے لیے سامانِ سکون و راحت ہیں۔آپؐ کے ارشادات روح کو عجیب آسودگی بخشتے ہیں۔ان کے ذریعہ سے ذہنی تناؤ اور ذہنی الجھنیں یکسر رفع ہوجاتی ہیں۔کلام کا یہ توازن دراصل متوازن شخصیت کا مظہر ہے۔آپ کے بیان میں کہیں بھی نہ توسست روی اور تساہل کا اظہار ہوتا ہے اور نہ عجلت پسندی اور جلد بازی کا۔کلامِ سہل تر بھی ہے اور فصیح تر بھی۔یہ خصوصیت بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

قاضی عیاض نے آپؐ کے کلام کے بارے میں حضرت ام معبدؓ کا جو خیال نقل کیا ہے وہ کوئی مبالغہ نہیں ہے:

حِلُوُ الْمَنْطِقِ فَصْلٌ، لاَ نَزِرٌ وَلاَ هَذِرٌ، كَانَ مَنْطِقَهُ خَرَزَات لُظُمِنَ، وَ كَانَ جَهِيرَ الصَّوْتِ حَسَنَ النَّغْمَةِ۔(۱)

”آپؐ کی زبان میں شیرینی تھی، آپؐ ہر بات واضح طور پر بیان فرماتے، آپؐ نہ قلیل الکلام تھے اور نہ کثیر الکلام، آپؐ کی گفتگو کیا تھی، گویا موتی تھے جو لڑی میں پرو دیے گئے ہوں۔آپؐ کی آواز بلند تھی جس میں حسین نغمگی پائی جاتی تھی۔“

آپؐ کے جو ارشادات ہم تک پہنچے ہیں ان کے واسطے سے ہمیں آج بھی وہ آواز اور اس کی کھنک سنائی دیتی ہے۔اوپر آچکا ہے کہ آپؐ کی تقریر ہمیشہ حسبِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہوتی تھی۔خطبات اکثر مختصر لیکن جامع ہوتے تھے۔مگر کبھی ضرورت محسوس فرماتے تو طویل خطبہ

---

(۱) الشفا ۱/ ۱۷۸

بھی آپؐ دیتے تھے۔ لیکن یہ طوالت کبھی بیزاری کا باعث نہ ہوتی۔ موقع و محل کی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپؐ بات کو نہایت موثر بنا دیتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے عصر کے بعد دنیا کی بے ثباتی اور قربِ قیامت کے موضوع پر وعظ فرمایا، دورانِ تقریر نگاہ ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف گئی تو فرمایا:

انه لم یبق من الدنیا مضی الا کما بقی من یومکم ھٰذا فیما مضی۔

"دنیا کی گزشتہ عمر کے مقابلے میں اب اس کی عمر کا بس اتنا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے جتنا آج کے دن کے گزرے ہوئے وقت کے مقابلے میں اب (غروب آفتاب کے وقت) اس کا یہ وقفہ رہ گیا ہے۔"

نبی ﷺ تشبیہات و تمثیلات سے بھی کام لیتے تھے۔ اسی طرح آپؐ نے کتنی ہی اصطلاحیں وضع فرمائی ہیں اور کتنی ہی تراکیب پیدا کی ہیں جو آپ کے حسنِ ذوق اور لطافتِ طبع کا بین ثبوت ہیں۔ زمین پر تہبند گھسیٹ کر چلنے والے کے لیے اَلْمَخِیْلَة کا لفظ سب سے پہلے آپؐ نے استعمال فرمایا۔ صنفِ لطیف کو شیشے سے تشبیہ دی۔ فرمایا: رُوَیْدَکَ رِفْقًا بِالْقَوَارِیْرِ۔ "ٹھہرو، شیشوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو" فاحشہ عورت کے لیے الزمارۃ (بگل بجا کر عصمت فروشی کرنے والی) کا لفظ استعمال کیا۔ یہ لفظ فاحشہ عورت کی ذہنیت کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح سرخ گارے والی عمارت کے لیے مہروره کا لفظ استعمال فرمایا۔ جس سے آپؐ کے ذوق کی لطافت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

جو کلمات اور فقرے آپ کی زبان سے ادا ہوئے ادبی شاہکار بن گئے۔ آپ کا کلام نہایت موزوں و جامع تمثال کے رنگ میں ہوتا تھا۔ جو دلوں پر دیرپا نقش ثبت کرنے میں ہمیشہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔ یہاں ہم بطور مثال آپؐ کے چند اقوال و ارشادات نقل کرتے ہیں جن سے فصاحت نبویؐ کا اندازہ ہر باذوق شخص بآسانی کر سکتا ہے۔

یہ بتانے کے لیے کہ قیامت کی گھڑی نہایت قریب آ گئی ہے، فرمایا:

بُعِثْتُ فِی نَفَسِ السَّاعَةِ۔

"میری بعثت ایسے وقت ہوئی ہے جب کہ قیامت سانس لے رہی ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی اتنی قریب آ گئی ہے کہ جیسے اس کے سانس لینے کی آواز سنائی دینے لگ گئی ہو۔ اس تعبیر میں جو بلاغت ہے ظاہر ہے۔ حضور ﷺ نے استعارہ یا تمثیل (Personification) سے کام لیا ہے جس کی وجہ سے آپ کے قول میں ایک خاص ادبی حسن پیدا ہو گیا ہے۔ قرآن میں بھی ہے۔ "والصبح اذا تنفس" شاہد ہے صبح جب وہ سانس لیتی ہے۔" یعنی جب اسے سانس لینے کا موقع ملتا ہے۔ وہ نمودار ہوتی اور سر اٹھاتی ہے۔ سانس لینا کسی کے موجود اور قریب ہونے کا محسوس ثبوت ہوتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں بدر کا معرکہ دینِ حق کے لیے ایک فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے تاریخ کے رخ کو بدل کر رکھ دیا۔ حضور ﷺ اس کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ یومِ بدر کے بارے میں آپؐ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین کو بتایا کہ اس دن کو آئندہ کے لیے ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ آپؐ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

هٰذَا يَوْمٌ لَهُ مَا بَعْدَهُ

"یہ ایسا دن ہے کہ بعد میں آنے والے دن اسی کے (تابع) ہوں گے۔"

جہاد کے موقع پر جب کہ اہلِ حق میدانِ جنگ میں باطل سے نبرد آزما تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ۔ (مسلم)

"سمجھ لو، جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔"

یہ الفاظ منظر آفریں بھی ہیں اور وجد آفریں بھی۔ بتانا یہ ہے کہ جان کی پروا سے بے نیاز ہو کر باطل سے مقابلہ کرنا جنت پر قابض ہونے کے مترادف ہے۔

ایک اور ادبی تحسین وتزئین کا نمونہ:

اِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ۔

"یہ بھی نیکی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔"

اس میں جس صوتی آہنگ کو برتا گیا ہے وہ اہلِ ذوق سے پوشیدہ نہیں۔ جو خوبصورت اور پاکیزہ تعلیم اس میں دی گئی ہے اس کا تو کہنا ہی کیا!

ایک اور مثال:

لَوْلاَ بَهَائِمُ رُتَّعٌ وَّ شُيُوْخٌ رُكَّعٌ وَ اَطْفَالٌ رُضَّعٌ لَصُبَّ عَلَيْكُمُ الْعَذَابُ صَبًّا وَ لَرُصَّ رَصًّا۔

''اگر چرنے والے جانور، خمیدہ پشت بوڑھے اور شیر خوار بچے نہ ہوتے تو بے شک تم لوگوں پر عذاب کی بارش ہوجاتی اور یقیناً تم عذاب میں جکڑ دیئے جاتے۔''

رُتَّعٌ، رُکَّعٌ اور رُضَّعٌ یہ صفات کس قدر مقفّی ہیں۔ موتی ہیں جو سلکِ کلام میں پرو دیئے گئے ہیں۔ تنظیم اور حسنِ ترتیب پر غور کریں۔ ایک مرصع نثر ہے جس پر ہزار نظمیں نثار۔ صفات میں کوئی اجنبیت نہیں۔ بار بار پڑھیے۔ دل آویز ترنم ہے جو دل کو گھیر لیتا ہے۔ منظر نمائی نمایاں ہے۔ یہ حدیث محاکاتی حسن سے پورے طور پر آراستہ ہے۔

آخر میں آپؐ کی ایک دعا ملاحظہ ہو:

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَ مُجْرِىَ السَّحَابِ وَ هَارِمَ الْاَحْزَابِ اِهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔ (مسلم)

''اے اللہ، کتاب کے اتارنے والے، بادلوں کے چلانے والے اور جتھوں کو بھگا دینے والے ان (دشمنانِ حق) کو بھگا دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

اس دعا میں جو صوتی حسن وآہنگ اور ادبی خوبی پائی جاتی ہے وہ محتاجِ توضیح نہیں۔

﴿﴾

اُمُّ الْاَحَادِیث

اُمُّ الاحادیث

اس عنوان کے تحت جو حدیث پیش کی جارہی ہے وہ ایک جامع حدیث ہے۔ اس میں پورے دین اور تمام احادیثِ نبوی کا خلاصہ آگیا ہے۔ اسی لیے علماء نے اس حدیث کو ام الجوامع، ام السنہ یا ام الاحادیث کہا ہے۔ اس حدیث کا نام ام السّنہ یا ام الاحادیث اسی طرح کا ہے جیسے قرآن کریم کی پہلی سورۃ الفاتحہ کا نام ام الکتاب (Mother of the book) ہے۔ جس طرح سورۃ الفاتحہ میں قرآن مجید کی تمام بنیادی باتیں آگئی ہیں اسی طرح اس حدیث میں بھی پورا دین سمٹ آیا ہے۔ دوسری تمام احادیث گویا اسی ایک حدیث کی تفصیلات ہیں۔ اس حدیث کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنی مشہور کتاب ''صحیح مسلم'' کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے اور امام بغوی نے اپنی کتاب '' مصابیح اور شرح السنہ'' کا آغاز اسی سے کیا ہے۔

دین درحقیقت نام ہے فکر وعمل اور اخلاص کا۔ اس حدیث میں دین کی ان تینوں بنیادی چیزوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کے سوالات کا اور نبی ﷺ نے ان کے جو جوابات دیئے ہیں، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے اس حدیث کو 'حدیث جبریل' بھی کہا جاتا ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریلؑ سے نبی ﷺ کی یہ گفتگو آپؐ کی عمر کے آخری زمانہ میں ہوئی ہے۔ اس طرح تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں جس دین کی تکمیل ہوئی تھی اس کا خلاصہ حضرت جبریلؑ کے سوالات کے جوابات کی شکل میں بیان کر دیا گیا ہے۔ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

عَنۡ عُمَرَؓ بۡنِ الۡخَطَّابِ، قَالَ بَیۡنَمَا نَحۡنُ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ ذَاتَ یَوۡمٍ اِذۡ طَلَعَ عَلَیۡنَا رَجُلٌ شَدِیۡدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیۡدُ سَوَادِ الشَّعۡرِ، لَا یُرٰی عَلَیۡہِ اَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا یَعۡرِفُہٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَاَسۡنَدَ رُکۡبَتَیۡہِ اِلٰی رُکۡبَتَیۡہِ وَ وَضَعَ کَفَّیۡہِ عَلٰی فَخِذَیۡہِ وَ قَالَ: یَا مُحَمَّدُ! اَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِسۡلَامِ۔ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلۡاِسۡلَامُ اَنۡ تَشۡہَدَ اَنۡ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَ تُقِیۡمَ الصَّلٰوۃَ، وَ تُؤۡتِیَ الزَّکٰوۃَ، وَ تَصُوۡمَ رَمَضَانَ، وَ تَحُجَّ الۡبَیۡتَ اِنِ اسۡتَطَعۡتَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا۔ قَالَ: صَدَقۡتَ۔ قَالَ: فَعَجِبۡنَا لَہٗ یَسۡاَلُہٗ وَ یُصَدِّقُہٗ۔ قَالَ: فَاَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِیۡمَانِ۔ قَالَ: اَنۡ تُؤۡمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ تُؤۡمِنَ بِالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَ شَرِّہٖ۔ قَالَ: صَدَقۡتَ قَالَ: فَاَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِحۡسَانِ۔ قَالَ: اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ قَالَ: فَاَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ السَّاعَۃِ۔ قَالَ: مَا الۡمَسۡئُوۡلُ عَنۡہَا بِاَعۡلَمَ مِنَ السَّآئِلِ۔ قَالَ فَاَخۡبِرۡنِیۡ عَنۡ اِمَارَاتِہَا۔ قَالَ اَنۡ تَلِدَ الۡاَمَۃُ رَبَّتَہَا وَ اَنۡ تَرَی الۡحُفَاۃَ الۡعُرَاۃَ الۡعَالَۃَ رُعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوۡنَ فِی الۡبُنۡیَانِ۔ قَالَ: ثُمَّ انۡطَلَقَ فَلَبِثۡتُ مَلِیًّا۔ ثُمَّ قَالَ لِیۡ: یَا عُمَرُ! اَتَدۡرِیۡ مَنِ السَّآئِلُ؟ قُلۡتُ: اَللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَمُ۔ قَالَ فَاِنَّہٗ جِبۡرِیۡلُ اَتَاکُمۡ یُعَلِّمُکُمۡ دِیۡنَکُمۡ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص ہمارے سامنے آیا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی سیاہ تھے، نہ اس پر سفر کا کوئی اثر نمایاں تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے اپنے گھٹنے آپؐ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنے ہاتھ آپؐ کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم یہ شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول

ہیں، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو اور اللہ کے گھر کا حج کرو، اگر اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہو۔

اس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

(حضرت عمرؓ) فرماتے ہیں کہ ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ وہ آپؐ سے سوال بھی کرتا ہے اور آپؐ کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے۔

آپؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یومِ آخر پر اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لاؤ۔

اس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

پھر کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے۔

آپؐ نے فرمایا: (احسان) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھتے ہو، تو وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔

اس نے پھر کہا: مجھے اس گھڑی (قیامت) کے بارے میں بتائیے۔

آپؐ نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ اسے پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

اس نے کہا: اچھا، مجھے اس کی نشانیوں سے آگاہ کیجیے۔

آپؐ نے فرمایا: (نشانی یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور تم ننگے پاؤں اور ننگے جسم والے کنگالوں اور بکریاں چرانے والوں کو دیکھو گے کہ وہ عمارتوں (کی تعمیر) میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہنا چاہتے ہیں۔

(حضرت عمرؓ) فرماتے ہیں کہ پھر وہ چلا گیا اور میں کچھ دیر ٹھہرا رہا۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ سائل کون تھا؟

میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: وہ جبریلؑ تھے۔ تمھارے پاس آئے تھے کہ تمھیں تمھارے دین کی تعلیم دیں۔

تشریح: یہ حدیث، حدیثِ جبریلؑ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت جبریلؑ انسانی شکل میں

نبی ﷺ کے پاس آئے۔ اور صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں آپؐ سے دین کی بنیادی باتوں کے بارے میں سوالات کیے۔ آپؐ نے ان سوالات کے جوابات دیے۔ دین کے بارے میں حضرت جبریلؑ کے سوالات کرنے کا دراصل مقصد یہ تھا کہ نبی ﷺ ان سوالوں کے جواب دیں گے کہ اس طرح لوگ دین کے بارے میں صحیح اور بہتر معلومات حاصل کر سکیں گے۔

صحابہؓ نبی ﷺ کے پاس آنے والے شخص کو پہچان نہیں رہے تھے کہ اسے اپنے یہاں کا شہری سمجھتے، آنے والے پر تکان اور سفر کا بھی کوئی اثر ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ اسے مسافر سمجھا جاتا۔ آنے والا شخص (یعنی جبریلؑ) نبی ﷺ کے بالکل قریب ادب سے بیٹھ جاتا ہے۔ وہ پوری طرح آپؐ کی طرف متوجہ ہے۔ اس نے آپؐ کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔

حضرت جبریلؑ نے پہلا سوال اسلام کے بارے میں کیا۔ اسلام کے معنی اطاعت، فرماں برداری اور کامل حوالگی کے ہیں۔ اسلام کو اسلام اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ سراپا اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کا مذہب ہے۔ اس میں بندہ اپنی پوری زندگی اللہ کے حوالے کر کے اس کی اطاعت و بندگی میں لگ جاتا ہے۔ اللہ کو اپنا خالق، رب، آقا اور الٰہ تسلیم کر کے اسی کے پسند کیے ہوئے ضابطۂ حیات اور اصولِ زندگی کو اختیار کر لیتا ہے۔ توحید و رسالت کی شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج یہ اسلام کے پانچ ارکان (ستون) ہیں۔ اسلام کے تعارف کے لیے نبی ﷺ نے یہاں انھیں ارکان کا ذکر فرمایا۔ انھیں ارکان پر درحقیقت اسلامی زندگی کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر انھیں توڑ دیا جائے تو پوری عمارت منہدم ہو کر رہ جائے گی۔

سائل کے سوال کا نبی ﷺ نے جو جواب دیا اس کی سائل نے تصدیق کی۔ اس پر صحابہؓ کو تعجب ہوا۔ گویا وہ حقیقت سے پوری طرح واقف ہے۔

دوسرا سوال حضرت جبریلؑ کا ایمان کے بارے میں تھا۔ آپؐ نے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے ان میں سب سے پہلی چیز خدا پر ایمان ہے۔ ایمان باللہ ہی دراصل اسلام کا مرکز اور اس کی بنیاد ہے۔ ایمان باللہ کے بغیر دین اور اسلام سب بے معنی ہو جاتا ہے۔ اسلام میں تمام عقائد و نظریات کا تعلق درحقیقت ایمان باللہ ہی سے ہے۔ رسالت کا انکار درحقیقت خدا کی رحمت اور اس کی عظمت کے انکار کے ہم معنی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۷۶، ۸۷، الانعام: ۹۱) خدا کے بارے میں صحیح علم اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا طریقہ

رسولوں کے ذریعہ ہی معلوم ہوتا ہے اس لیے توحید کے ساتھ ساتھ رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ آخرت کے انکار کی زد بھی توحید پر پڑتی ہے۔ آخرت کا انکار درحقیقت خدا کی حاکمیت کا انکار ہے۔

ایمان باللہ کے بعد دوسری چیز جس پر ایمان لانے کی تعلیم فرمائی گئی وہ فرشتوں کی پوشیدہ ہستی ہے۔ مشرکین عام طور پر جہاں خدائی میں ان مخلوقات کو شریک سمجھتے تھے جو اپنا جسمانی وجود رکھتی ہیں جنھیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے سورج، دریا، پہاڑ وغیرہ، وہیں ان مخلوقات کو بھی خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ مشرکوں نے ان پوشیدہ مخلوقات کو دیوی، دیوتا یا خدا کی اولاد قرار دے لیا تھا۔ نبی ﷺ نے یہ بتایا کہ وہ اللہ کے پیدا کیے ہوئے فرشتے ہیں۔ خدائی میں ان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ خدا کے تابعِ فرمان ہیں۔ وہ وہی کرتے ہیں جو خدا کا حکم ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ مختلف کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور کائنات کا انتظام کرتے ہیں، لیکن وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں خدا ہی کے حکم اور اس کے بخشے ہوئے اختیار سے کرتے ہیں۔ انھیں خدائی میں دخیل سمجھنا، ان کی عبادت کرنا یا مصیبت میں انھیں پکارنا شرک اور ظلم ہے۔ ان میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا، وہ تو خدا کے اسی طرح غلام اور بندے ہیں جس طرح ہم ہیں۔ اس طرح توحید کو شرک سے پاک کرنے کے لیے فرشتوں پر ایمان لانے کو ایک مستقل عقیدے کی حیثیت سے بیان فرمایا گیا۔

تیسری چیز جس پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی وہ اللہ کی کتابیں ہیں۔ اللہ نے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کتابیں نازل کیں۔ قرآن اسی دین کی تعلیم کے لیے اترا ہے جس کی تعلیم پچھلی آسمانی کتابوں میں دی گئی تھی۔ کتابوں کے ساتھ ساتھ رسولوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ رسولوں ہی کے ذریعہ سے خدا نے لوگوں تک اپنی ہدایت اور کتاب بھیجی۔ رسول خدا کے نمائندے ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی مرضی پر چل کر دکھاتے ہیں۔ خدا کی کتاب پر عمل کس طرح کیا جائے، یہ ہمیں رسول ہی کی زندگی سے معلوم ہوتا ہے۔ رسول کی زندگی ہمارے لیے اُسوہ ہوتی ہے۔ حضرت محمد ﷺ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ آپؐ پر نبوت ختم ہوگئی ہے۔

رسولوں کے بعد آخرت پر ایمان لانے کی تعلیم فرمائی گئی۔ آخرت سے مراد یہ ہے کہ

ایک دن ساری دنیا فنا ہوجائے گی۔ اس کے بعد اللہ لوگوں کو دوسری زندگی عطا فرمائے گا۔ سب لوگ خدا کے روبرو حاضر کیے جائیں گے۔ لوگوں نے جو کچھ اپنی دنیا کی زندگی میں کیا ہوگا اس کا انھیں بدلہ دیا جائے گا۔

اس کے بعد تقدیر کے خیر وشر پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی۔ ایمان بالقدر درحقیقت ایمان باللہ ہی کا ایک جزء ہے۔ قرآن میں اس عقیدے کو اسی حیثیت سے بیان بھی کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے سورۂ آل عمران: ۲۶، ۷۳، النساء: ۷۸، الاعراف: ۱۲۸، الفرقان: ۲، ۳، الحدید: ۲۲، ۲۳۔ تقدیر پر ایمان درحقیقت اس بات کا اقرار ہے کہ خدا قادرِ مطلق اور علی الاطلاق حاکم ہے۔ اس کا علم سب پر محیط ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہیں ہے۔ اس نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا ہے۔ اس سے کوئی بھی چیز تجاوز نہیں کرسکتی۔ اس کی طاقت سب پر غالب ہے۔ یہ دنیا اس کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت چل رہی ہے۔ کوئی اس کو اس کے منصوبے میں ناکام نہیں کرسکتا۔ پھر نفع وضرر کی ساری قوتوں کا وہی مالک ہے۔ عزت وذلت اور دولت وطاقت سب اس کے اختیار میں ہے۔ وہ اپنی حکمت کے لحاظ سے جس کو جو کچھ اور جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ اس کی حکمت میں کوئی نقص نہیں۔ اس کا کوئی کام اور اس کا کوئی فیصلہ عبث اور بے مقصد نہیں۔

تیسرا سوال آپؐ سے 'احسان' کے بارے میں کیا۔ آپؐ نے 'احسان' کی جو دراصل پورے دین کی روح ہے، حقیقت بیان فرمائی ہے۔ 'احسان' کا لفظ 'حسن' سے مشتق ہے۔ عبادت میں حسن وخوبی اور کمال اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ ہمارے ایمان ویقین کی یہ کیفیت ہوجائے کہ گویا خدا ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے بلکہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ جو عبادت کی جائے گی اس میں جو حسن وخوبی اور جو بات ہوگی وہ اس کیفیت سے خالی عبادت میں نہیں ہوسکتی۔ 'احسان' درحقیقت انسانی ارتقاء کی بلندترین منزل ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر بندے کو اپنے خدا کا انتہائی قرب اور اس کی انتہائی محبت حاصل ہوتی ہے۔ 'احسان' خدا کی معرفت کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ یہاں پہنچنے کے بعد خدا کی پسند بندے کی اپنی پسند ہوجاتی ہے۔ اس کی مرضی وہی ہوتی ہے جو اس کے خدا کی مرضی ہوتی ہے۔ جو چیز اس کے رب کو ناپسند ہوگی وہ اسے بھی ناپسند ہوگی۔ وہ ان بھلائیوں کو پھیلانے اور قائم کرنے کے لیے سرگرم ہوجاتا ہے

جن سے اس کا رب اپنی زمین کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے اسی طرح وہ ان برائیوں کو مٹانے کے لیے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیتا ہے جن سے اس کا خدا اس زمین کو پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ صرف نماز کی حالت میں 'محسن' ہو بلکہ خدا کے ہر حکم کی پیروی اور اس کے ہر ارشاد کی تعمیل میں وہ 'محسن' ہوتا ہے۔

چوتھا سوال قیامت کے متعلق تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کا علم ہم میں سے کسی کو نہیں ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ سائل کے یہ کہنے پر قیامت کی نشانیوں سے آگاہ کیا جائے جن کے ظاہر ہونے پر یہ اندازہ ہو سکے کہ قیامت قریب آگئی ہے۔ اس کے جواب میں آپؐ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب لوگوں میں باہمی الفت اور تعاون و ہمدردی کا جذبہ باقی نہیں رہے گا۔ لوگ صلہ رحمی کا پاس ولحاظ نہیں کریں گے۔ بڑوں کا ادب واحترام اٹھ جائے گا۔ بیٹی، جسے اپنی ماں سے گہرا لگاؤ ہونا چاہیے اس کا سلوک ماں کے ساتھ ایسا ہوگا جیسا بالعموم مالکہ کا اپنی لونڈی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ماں نے گویا بیٹی کو نہیں اپنی مالکہ کو جنا ہے۔ شرافت واخلاق سے عاری اور علم وتہذیب سے ناآشنا لوگوں کے ہاتھ میں دولت وبالاتری آجائے گی۔ انھیں بس اونچے اونچے محلوں کی تعمیر کی فکر ہوگی۔ اس میں وہ ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہیں گے اور اس کو اپنے لیے فخر کی بات سمجھیں گے۔ ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ (بخاری) یعنی جب حکومت، اختیارات اور معاملات نااہلوں کو سونپے جانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ یعنی سمجھ لو کہ اب قیامت دور نہیں ہے۔

☙❧

اساسی افکار و عقائد

اساسی افکار وعقائد

انسان اپنی زندگی کو افکار و عقائد سے خالی نہیں رکھ سکتا۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی نظریہ اور عقیدہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ دنیا میں جن محسوس حقائق سے ہم براہ راست واقف ہیں، حقیقتیں صرف انھیں تک محدود نہیں۔ کتنی ہی ایسی حقیقتیں ہیں جن کو ہم حواس کے ذریعہ سے معلوم نہیں کر سکتے، ہمیں ان کا علم تعقل اور استنباط کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ Ab. Mander نے لکھا ہے کہ نظر آنے والے واقعات عالم حقیقت کے محض کچھ اجزاء ہیں۔ حواس کے ذریعہ سے ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ محض جزوی اور غیر مربوط واقعات ہوتے ہیں۔ اگر الگ سے صرف انھیں کو دیکھا جائے تو وہ بے معنی ہوں گے۔ براہ راست محسوس ہونے والے واقعات کے ساتھ اور بہت سے غیر محسوس واقعات کو ملا کر جب ہم دیکھتے ہیں اس وقت ہم ان کی معنویت کو سمجھتے ہیں۔ اس کے نزدیک ہم جب کبھی کسی مشاہدے کا ذکر کرتے ہیں تو محض حسیاتی مشاہدے سے کچھ زیادہ مراد لیتے ہیں۔ ہماری مراد حسیاتی مشاہدہ اور شناخت (Recognition) دونوں ہی ہوتے ہیں، جس میں کچھ تعبیر (Interpretation) کا جزء بھی شامل ہوتا ہے۔ آدمی صرف حسیاتی مشاہدہ اور ان محسوس حقائق پر قناعت نہیں کر سکتا جن سے وہ براہ راست واقف ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اس کے علاوہ بھی وہ کوئی نہ کوئی خیال اور تصور رکھنے پر مجبور ہے۔

زندگی اور حقائق کی صحیح تعبیر سے اور حیات انسانی کے صحیح افکار و نظریات سے روشناس کرانے والے خدا کے وہ فرستادہ بندے ہیں جنھیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ انبیاء درحقیقت خدا کے نمائندے ہوتے ہیں، خدا انھیں اسی لیے بھیجتا ہے کہ وہ انسانوں کو صحیح عقائد کی تعلیم دیں

اور لوگوں کو ہر طرح کی فکری و عملی گمراہیوں سے بچائیں۔ انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کو جو عقائد اور نظریات دیئے وہ قیاس اور گمان پر مبنی نہیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو ان عقائد کا براہ راست خدا کی جانب سے علم عطا کیا گیا۔ جن عقائد و نظریات کی تعلیم انبیاءؑ نے دی ہے ان میں سے کسی ایک کی تردید بھی جدید علمی تحقیقات سے نہیں ہوئی اور نہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے کہ آئندہ کوئی علمی تحقیق ان کو باطل قرار دے سکے گی۔ جدید علمی تحقیقات سے انبیاء علیہم السلام کے نظریات کی تائید اور تصدیق ہی ہوتی ہے۔ زندگی میں صحیح رہنمائی کے لیے ضروری ہے کہ انسان انبیاء علیہم السلام اور ان کی لائی ہوئی ہدایت پر ایمان لائے۔ اس کے بغیر اس کے لیے تاریکیوں سے نجات پانا ممکن نہیں۔ زندگی کے لیے صرف عقل اور تجربہ کی رہنمائی کافی نہیں۔ اس سلسلہ میں شین (Sheen) نے صحیح تجزیہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''ہمارے حواس بہتر کام اس وقت کرتے ہیں جب عقل کے ذریعہ سے ان کی تکمیل ہو جائے۔ اسی طرح ہماری عقل بھی اس وقت بہتر کام انجام دے سکتی ہے جبکہ ایمان کے ذریعہ سے اس کی تکمیل ہو۔ جو شخص (مثلاً: شراب پینے والا) عارضی طور پر عقل سے عاری ہو جاتا ہے، اس کے حواس وہی ہوتے ہیں جو پہلے تھے مگر اس وقت وہ کبھی بھی اپنے فرائض کو اس طرح انجام نہیں دے سکتے جس طرح عقل و ہوش کی حالت میں انجام دیتے ہیں۔ جو حالت عقل کے بغیر حواس کی ہوتی ہے ٹھیک وہی کیفیت وحی کے بغیر عقل کی ہوتی ہے۔'' آنکھ سے کام لینے کے لیے روشنی اور چراغ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ عقل سے بھی صحیح کام اس وقت لیا جا سکتا ہے جب کہ اس کے لیے وحی اور نبوت کی روشنی فراہم کر دی جائے۔

صحیح عقائد و نظریات آدمی کو ہر طرح کی گمراہی اور ضلالت سے بچاتے اور اس کی سیرت و کردار کو عظیم طاقت بہم پہنچاتے ہیں۔ عقائد و نظریات ہی درحقیقت کسی شخصیت یا قوم کی عظمت کے ضامن ہوتے ہیں۔ عقائد اور نظریات اگر صحیح اور بلند ہیں تو یقیناً وہ کسی شخص یا قوم کو عظمت اور برتری عطا کر سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف نظریات اور افکار کے لحاظ سے اگر کوئی قوم پست اور گمراہ ہے تو کوئی دوسری چیز اسے وہ مقامِ عزت عطا نہیں کر سکتی جو دنیا میں صرف بلند فکر اور صحیح عقائد و نظریات کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ صحیح سے صحیح تر

اور بلند سے بلند تر نظریات بھی عمل کی دنیا میں بے معنی ثابت ہوتے ہیں، اگر ان نظریات کا حامل کوئی ایسا گروہ روئے زمین پر موجود نہ ہو جو ان نظریات کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر سکے اور ان کی اشاعت میں کسی بھی امکانی کوشش سے دریغ نہ کرے۔ عقائد و نظریات ہی کے ذریعہ سے آدمی کے جذبات و احساسات میں توازن اور انضباط پیدا ہوتا ہے۔ سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے فکر و خیال اور اس کے جذبات و خواہشات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہو۔ انسان اگر اپنے فکر و خیال اور جذبات و خواہشات میں وحدت قائم نہ کر سکا تو وہ اپنے وقتی جذبات و تاثرات کے ہاتھ محض ایک کھلونا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایسے شخص سے کسی مستحکم سیرت و کردار کی توقع نہیں کی جاسکتی اور نہ ایسے افراد سے اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے کسی مستحکم تہذیب کو نشو و نما مل سکے گی۔ جارج فوٹ مور (George Foot Moore) کے الفاظ میں تہذیب صرف اس صورت میں نشو و نما پاسکتی ہے جبکہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کسی مقصد کے حاصل کرنے کے لیے جدو جہد کرے۔ اس طرح کا اتحاد صرف وحدتِ تصورات (Unity of Bare Ideas) کی بنا پر ممکن نہیں ہوتا۔ یہ اتحاد وحدتِ جذبات و احساسات سے ممکن ہوتا ہے، جن سے تصورات میں جذباتی تحرک پیدا ہوتا ہے اور وہ (محض تصورات نہ رہ کر) معتقدات اور مقاصد بن جاتے ہیں۔

اسلام نے عقائد و نظریات کو انسان کی زندگی میں وہی مقام دیا ہے جو فی الواقع ان کا مقام ہے۔ افکار و عقائد کی اہمیت کے پیشِ نظر ہی اسلام نے علم و یقین اور ایمان کو نظامِ دین میں بنیادی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ جو لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں اور زندگی کے آخری انجام سے بے پروا ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں، ان کی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰیۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَاؕ ذٰلِکَ مَبۡلَغُهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖۙ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اهۡتَدٰیo (النجم:۲۹-۳۰)

''ایسے شخص سے اعراض کرو جو ہمارے ذکر سے منہ موڑے۔ اور حیاتِ دنیا کے سوا کچھ نہ چاہے۔ ان کے علم کی رسائی یہیں تک ہے۔ بے شک تمھارا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا اور وہ اس شخص کو بھی بخوبی جانتا ہے جس نے سیدھا راستہ اختیار کیا۔''

قرآن کے اس ارشاد سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی میں علم و یقین، صحیح فکر اور صحیح نقطۂ نظر کا کیا مقام ہے؟ فکرِ صحیح آدمی کو صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، غلط خیالات اور غلط تصوّرات آدمی کو ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں۔

علم و دانش

انسانی زندگی میں علم کی بڑی اہمیت ہے۔ علم ہی درحقیقت انسان کے اخلاق و کردار کی اصل بنیاد ہے۔ انسان کی کامیابی کا انحصار اصل میں اس بات پر ہے کہ اسے حقیقت کا علم حاصل ہو جس کے مطابق وہ اپنی زندگی کو ڈھال سکے۔ اگر اسے اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ اسے یہ زندگی کس نے عطا کی ہے اور اس زندگی کی اصل غرض و غایت کیا ہے تو وہ کبھی بھی زندگی کی صحیح راہ پر نہیں چل سکتا اور نہ اپنے خالق کی مرضی پوری کرسکتا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہوگی جیسے کوئی گہری تاریکی میں بھٹک رہا ہو اور اسے اس کی بالکل خبر نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور اسے کس طرف جانا چاہیے۔ ایک مومن اور کافر میں اصل فرق علم و عمل ہی کا ہے۔ اس فرق کی بنا پر ان کی زندگیوں میں اور ان کے انجام میں ایک عظیم فرق پایا جاتا ہے۔ مومن کو دنیا میں بھی حیاتِ طیبہ حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں وہ خدا کی رضا اور اس کی دائمی جنت کا مستحق قرار پائے گا اور کافر کے حصہ میں صرف خدا کی ناراضی آئے گی اور ہمیشہ کے لیے اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث میں علم وفہم کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ (الزمر:۹)

”کہہ دو۔ کیا علم رکھنے والے اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں۔“

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ

(المجادلۃ:۱۱)

”اللہ ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا گیا ہے۔“

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاط (فاطر:۲۸)

"اللہ سے اس کے بندوں میں اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔"

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا o (طٰہٰ:۱۱۴)

"کہہ دو۔ اے رب مجھے اور زیادہ علم عطا کر۔"

وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًاط (البقرہ:۲۶۹)

"جسے حکمت عطا کی گئی اسے بہت بڑی دولت عطا کی گئی۔"

کافروں اور مشرکوں کو خاص طور پر اس لیے مجرم قرار دیا گیا کہ وہ علم کے پیرو نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے غلام ہیں اور محض اٹکل اور قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ فرمایا گیا:

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ج وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا o

(النجم:۲۸)

"وہ تو بس گمان کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ حق سے جو فائدہ پہنچتا ہے وہ گمان سے کچھ بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ج (النجم:۲۳)

"وہ صرف اٹکل اور اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔"

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِط (القصص:۵۰)

"اور اس شخص سے بڑھ کر بھٹکا ہوا کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے۔"

ایسے لوگ درحقیقت عقل و بصیرت سے بالکل محروم ہیں۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَط اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ع o (الفرقان:۴۴)

"کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ یہ تو بس چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ یہ اور بڑھ کر راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔"

دین میں تفقہ اور اس کتاب میں بصیرت حاصل کرنا ہمارا فرض ہے جسے اللہ نے ہماری ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اس کے بغیر ہماری مساعی پراگندہ و پریشان اور ہماری زندگی منتشر اور بے ضابطہ ہی رہے گی۔ ہمارے اعتقادات کو کھوکھلا اور ہماری عبادات کو بے روح

ہونے سے جو چیز بچا سکتی ہے وہ تفقہ فی الدین اور تدبر فی الکتٰب والسنہ ہی ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی بار بار تاکید فرمائی ہے کہ وہ دین میں بصیرت حاصل کریں اور اس کی تعلیمات اور اس کے احکام کو سمجھیں۔

علم و حکمت کی اہمیت

﴿۱﴾ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے لیے اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے اور میں تو بس تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔ یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی۔ جو شخص اس کا مخالف ہوگا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ امرِ الٰہی (قیامت) آجائے۔“

تشریح: دین میں ”تفقہ“ سے مراد وہ فہم و بصیرت ہے جس کے سبب آدمی پر دین کے حقائق روشن ہوتے ہیں۔ اسے دین کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ احکامِ دین کی غرض و غایت اور منشا کو وہ پالیتا ہے، وہ اندھا دھند مقلد نہیں رہتا بلکہ فہم و شعور کے ساتھ وہ اپنی زندگی میں خدا کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ خدا کی اطاعت و بندگی اور اس کے احکام کی پیروی ہی میں انسان کی فلاح اور کامرانی ہے۔ خدا کی طاعت و بندگی کے بغیر انسان کی زندگی، زندگی کے حقیقی مفہوم سے محروم رہتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ شخص بڑا ہی خوش قسمت ہے جسے خدا نے فکر و بصیرت اور تفقہ کی دولت سے نوازا ہو اس لیے کہ یہ چیز جملہ بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میرا کام تو تقسیم کرنا ہے، جو پیغام میں لوگوں تک پہنچا رہا ہوں وہ طبع زاد نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی پیش گوئی کی گئی ہے کہ امت مسلمہ قیامت تک باقی رہے گی۔ کوئی بھی طاقت اسے ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اسلام قیامت تک باقی رہے گا اور اسے ماضی کا افسانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ وہ ایک زندہ حقیقت بن کر آخر تک رہے گا۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ حَسَدَ اِلَّا فِیْ اِثْنَیْنِ: رَجُلٍ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَکَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَ رَجُلٍ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَ یُعَلِّمُهَا۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حسد (رشک) صرف دو آدمیوں کے سلسلہ میں جائز ہے: ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا پھر اسے حق کی راہ میں لٹانے کی توفیق بخشی، دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت عطا کی تو وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے، اور (لوگوں کو) اس کی تعلیم دیتا ہے۔“

تشریح: یعنی قابلِ رشک حالت انھی دو آدمیوں کی ہے، کسی کو اللہ نے مال عطا کیا ہے اور وہ اسے راہِ حق میں خرچ کر رہا ہے تو وہ کامیاب ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی کامیاب ہے جسے خدا نے علم و حکمت سے نوازا ہے اور وہ اس کا حق ادا کرتا ہے، صحیح فیصلے کرتا اور لوگوں کو علم و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَرْجِعَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص علم کی تلاش میں نکلے وہ اس وقت خدا کی راہ میں ہے جب تک کہ واپس نہ آجائے۔“

تشریح: علم کی تلاش میں نکلنے والا خدا کی راہ میں ہوتا ہے۔ وہ اس راہ میں ہوتا ہے جس پر چل کر وہ اپنے رب کو پاتا اور اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔ علمِ حق کا جویا حقیقت میں مجاہد فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَاءَهٗ اَجَلُهٗ وَ هُوَ یَطْلُبُ الْعِلْمَ لَقِیَ اللّٰهَ وَلَمْ یَکُنْ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ النَّبِیِّیْنَ اِلَّا دَرَجَةَ النُّبُوَّةِ۔ (الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کسی شخص کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اور انبیاءؑ کے درمیان صرف نبوت کے درجہ کا فرق رہے گا۔“

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَّلْتَمِسُ فِیْہِ عِلْمًا سَھَّلَ اللّٰہُ لَہٗ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّۃِ وَ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا یَصْنَعُ وَ اِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ حَتَّی الْحِیْتَانُ فِی الْمَاءِ وَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَ اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا۔ اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَہٗ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوالدرداءؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ’’جو شخص علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کرے گا اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردے گا اور فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے بازو بچھاتے ہیں اور عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کے رہنے والے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی سب تاروں پر ہے۔ اور علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ انبیاء کا ورثہ نہ دینار ہے نہ درہم بلکہ ان کا ورثہ علم ہے تو جس کسی نے اسے حاصل کیا اس نے وافر حصہ حاصل کیا۔‘‘

تشریح: تلاشِ علم کی راہ حقیقت میں آدمی کو جنت میں پہنچانے والی ہے۔ حقیقت کے علم کے بعد ہی آدمی گمراہی سے بچ سکتا ہے اور اس راہ پر چل سکتا ہے جس پر چل کر آدمی جنت میں داخل ہونے کے لائق ہوتا ہے اگر وہ علم کا طالب ہے تو اللہ اس کے لیے راہِ حق پر چلنا آسان کردے گا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ علمِ حق کے طالب کا ادب و احترام فرشتے تک کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق ان کے لیے دعائیں کرتی ہیں کہ اگر ان سے کوئی خطا اور گناہ کا صدور ہوا ہو تو اسے معاف کردے اور ان کے عیبوں کی پردہ پوشی کر۔ علم اور حاملینِ علم کی وجہ سے ہی عالم میں خیر و برکت کا ظہور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر رحم فرماتا ہے۔ انھی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور ہر جاندار اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ بلوں میں چیونٹیاں اور سمندر کی تہوں میں مچھلیاں انھی کی فیوض و برکات سے زندگی کا لطف اٹھاتی ہیں۔ گویا وہ زبانِ حال سے ان کے لیے دعائیں کر رہی ہوتی ہیں کہ ان پر خدا کی رحمت ہو، تاکہ وہ ان کی برکت سے زیادہ سے زیادہ

فیض یاب ہوسکیں۔ اگر دنیا سے علم اور اہلِ علم اٹھ جائیں تو پھر قیامت ہی برپا ہوجائے گی۔ پھر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکے گا۔

اس میں شبہ نہیں کہ خدا کی عبادت اور اس کا ذکر، حیاتِ انسانی کی اصل متاع ہے لیکن اس بیش بہا متاعِ حیات کا حصول علم وتفقہ کے بغیر ممکن نہیں اور دنیا کی اصلاح کا کام تو اس کے بغیر انجام ہی نہیں پاسکتا کہ لوگوں کو خالقِ کائنات اور اس کی ہدایات سے باخبر کیا جائے۔ خود نبی ﷺ جس علم و ہدایت کے ساتھ تشریف لائے تھے اس کی تعلیم وترویج میں آخر تک لگے رہے۔ آپؐ کی کوششوں کے نتیجہ میں ذہن وفکر کا وہ انقلاب برپا ہوا جس نے لوگوں کے فکر وعمل کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ بھٹکے ہوئے انسانوں کو حق کا راستہ ملا۔ ضلالت وگمراہی اور کفر وشرک میں مبتلا لوگوں کو توحید کی دولت ملی۔

انبیاء علیہم السلام جو اپنی قوم کے لیے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان کا مرتبہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیچھے ترکہ میں مال و دولت نہیں چھوڑتے۔ ان کا ترکہ تو بس وہ علم ہے جسے لے کر وہ دنیا میں آتے ہیں۔ وہ لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں جو صحیح معنوں میں انبیاء کے وارث قرار پائیں۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَتْ مِنْھَا طَآئِفَۃٌ طَیِّبَۃٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ وَ اَنْبَتَتِ الْکَلَاَءَ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ فَکَانَ مِنْھَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا مِنْھَا وَسَقَوْا وَ زَرَعُوْا وَ اَصَابَ طَائِفَۃً اُخْرٰی مِنْھَا اِنَّمَا ھِیَ قِیْعَانٌ لَا تُمْسِکُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ کَلَاءً فَذَالِکَ مَثَلُ مَنْ فَقِہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ نَفَعَہٗ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ فَعَلِمَ وَ عَلَّمَ وَ مَثَلُ مَنْ لَّمْ یَرْفَعْ بِذَالِکَ رَاْسًا وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے جس ہدایت اور علم کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش جو زمین پر ہوئی تو زمین کا جو حصہ اچھا تھا اس نے پانی کو قبول کیا اور سبزہ اور کافی مقدار میں گھاس اگا یا اور اس کا جو حصہ سخت تھا اس نے پانی کو روک لیا۔ اللہ نے اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ لوگوں نے اس سے پانی پیا اور

جانوروں کو پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا اور کھیتی باڑی کی اور وہ بارش زمین کے ایک ایسے حصہ پر ہوئی جو چٹیل میدان ہے، وہ نہ پانی روک سکتا ہے اور نہ سبزہ اُگا سکتا ہے۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے (نازل کردہ) دین میں تفقہ حاصل کیا اور اس سے فائدہ اٹھایا جس کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ پس انھوں نے سیکھا اور سکھایا۔ اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے اس طرف نہ تو سر اٹھا کر دیکھا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جس کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا گیا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے علم و ہدایت کی مثال مینھ سے دی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو اچھی زمین پانی سے سیراب ہو کر شاداب ہو جاتی ہے۔ دوسری قسم کی زمین وہ ہے جس پر سبزہ تو نہیں اگتا لیکن اس میں پانی جمع ہو جاتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تیسری قسم کی زمین وہ ہے جو بالکل چٹیل میدان ہوتی ہے۔ نہ تو وہ پانی کو جذب کر سکتی ہے کہ سبزہ اُگ سکے اور کسی قسم کی کاشت کی جا سکے اور نہ اس میں پانی جمع ہو سکتا ہے۔ ایسی زمین نہ بارش سے خود فائدہ اٹھاتی ہے اور نہ اس کے ذریعہ سے دوسری زمین کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ٹھیک اس بارش کی طرح اللہ کی طرف سے علم و ہدایت کا نزول ہوتا ہے۔ اس کا رسول، لوگوں کو علم و ہدایت کی طرف بلاتا اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جو لوگ دانشمند اور بصیرت والے ہیں وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کی زندگیاں علم و ہدایت کی بارش سے شاداب ہو جاتی ہیں۔ ان کے چمنستانِ حیات میں بہار آ جاتی ہے۔ ان کی زندگی میں علم و عمل کے ایسے جاں نواز پھول کھلتے ہیں کہ جس سے پوری فضائے انسانیت مہک اٹھتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود اس ہدایت سے پورا فائدہ نہیں اٹھاتے لیکن ان کے ذریعہ سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔ وہ احکام و ہدایت کو محفوظ رکھتے ہیں اور دوسروں تک منتقل کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس تالاب کی ہے جس میں پانی بھرا رہتا ہے جس سے زمین کی سنچائی کر کے کھیتیاں اگائی جاتی ہیں، جس کے پانی کو لوگ خود بھی پیتے اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بالکل چٹیل میدان کی طرح ہوتے ہیں۔ علم کی برسات سے نہ ان میں جان پڑتی ہے اور نہ علم کو محفوظ رکھتے ہیں کہ دوسرے اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کی زندگی میں جیسے پہلے بگاڑ ہوتا ہے اسی طرح ہدایت آنے کے بعد بھی بگاڑ باقی رہتا ہے۔ وہ ہدایت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

علم کی حفاظت

﴿۱﴾ وَ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِىَ بِهِ الْعُلَمَآءَ اَوْ لِيُمَارِىَ بِهِ السُّفَهَآءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ النَّارَ۔ (ترمذی۔ابن ماجہ)

ترجمہ: کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے علم اس غرض سے حاصل کیا کہ وہ اس سے علماء پر فخر کرے یا جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، خدا اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کرے گا۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ علم کسی گھٹیا مقصد کے لیے نہیں حاصل کرنا چاہیے۔ دوسرے کاموں کی طرح علم کے حصول میں بھی ہمیشہ خوشنودیِ رب کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ کسی نے علم اگر خدا کی رضا کے لیے نہیں بلکہ محض نام ونمود اور دنیوی مفاد کے لیے حاصل کیا ہے تو خدا کے یہاں اس کے لیے کوئی اجر وثواب نہیں ہے۔ وہاں وہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہوگا۔ اس کے حصہ میں جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہ آسکے گا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِىْ رِيْحَهَا۔ (احمد، ابوداؤد۔ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اس علم کو جس سے خدا کی خوشنودی طلب کی جاتی ہے محض اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس سے دنیا کی متاع حاصل کرے اسے قیامت کے دن جنت کی خوشبو میسر نہ ہوگی۔''

﴿۳﴾ وَ عَنِ الْاَعْمَشِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اٰفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَ اِضَاعَتُهٗ اَنْ تُحَدِّثَ بِهٖ غَيْرَ اَهْلِهٖ۔ (دارمی)

ترجمہ: اعمشؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علم کی آفت، بھولنا ہے اور اسے ضائع کرنا یہ ہے کہ تم اسے ایسے شخص کے سامنے بیان کرنے لگو جو اس کا اہل نہیں۔''

تشریح: حصولِ علم کی طرح علم کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ علم حاصل کر کے اسے بھلا دینا بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ علم وحکمت کی بات کو کسی ایسے شخص سے بیان کرنا جو اس کا متحمل نہیں ہوسکتا اور ان لوگوں تک سرمایہ منتقل نہ کرنا جو اپنی سوجھ بوجھ اور صالحیت کے لحاظ سے اس کے مستحق ہیں، ظلم ہے۔ ایک طرف ہمیں ہر شخص سے اس کی عقل اور اس کی ذہنی سطح کے لحاظ سے بات کرنی چاہیے۔ دوسری طرف ہمیں اہل تر لوگوں کی جستجو ہونی چاہیے اور ان تک علم منتقل کرنا چاہیے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو نہ صرف یہ کہ ہم حق داروں کا حق تلف کرتے ہیں، بلکہ خود علم کو بھی شدید نقصان پہنچاتے ہیں اور اسے ضائع کرتے ہیں۔ علم جب اہل تر لوگوں تک پہنچے گا تو وہ اس سے فیض یاب ہوں گے اور ان کے ذریعہ سے علم کی زیادہ سے زیادہ ترقی اور اشاعت بھی ہو سکے گی۔ وہ اپنے فکر و تدبر اور اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ سے علمی سرمایہ میں قابلِ قدر اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ خواہ یہ اضافہ فکر و اجتہاد کی شکل میں ہو یا ادبی سرمایہ کی شکل میں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِی الدُّنْیَا اِلَّا اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ فِیْ قَلْبِهٖ وَ اَنْطَلَقَ بِهَا لِسَانَهٗ وَ بَصَّرَهٗ عَیْبَ الدُّنْیَا وَ دَاءَ هَا وَ دَوَاءَ هَا وَ اَخْرَجَهٗ مِنْهَا سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بندے نے دنیا میں جب بھی زہد اختیار کیا خدا نے اس کے دل میں حکمت پیدا کی اور حکمت اس کی زبان پر جاری کی۔ دنیا کے عیوب اور اس کے روگ اور ان کا علاج اسے سمجھا دیا اور پھر اسے دنیا سے صحیح وسلامت دار السلام کی طرف نکال لے گیا۔“

تشریح: زہد کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دنیا پرست نہ بنے۔ حرص وہوس سے اس کا دل پاک ہو۔ ہر حالت میں آخرت کو پیشِ نظر رکھے۔ یہی حقیقی زہد ہے۔ آخرت کے اجر وثواب کے علاوہ دنیا میں بھی خدا اپنے بندے کو اس کے زہد کے سبب ایسا نقد انعام عطا فرماتا ہے جو ”خیر کثیر“ کی حیثیت رکھتا ہے۔ خدا اسے علم وحکمت سے نوازتا ہے۔ یہ سب سے بڑا انعام ہے، اپنے کیف ولذت کے لحاظ سے بھی اور اس لحاظ سے بھی کہ انسان اس کے ذریعہ سے اس فتنہ بھری دنیا میں اپنے کو گمراہیوں اور ہلاکتوں سے بچانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ جسے علم وحکمت کی دولت مل گئی اسے وہ بصیرت حاصل ہوگئی جس کے ذریعہ سے وہ حق ناحق، صواب و ناصواب اور حسن وقبح میں بآسانی

تمیز کرسکتا ہے اور زندگی کی پُر پیچ راہوں میں اپنے کو سیدھے راستہ پر قائم رکھ سکتا ہے۔ اس کی زندگی ہلاکت وتباہی سے محفوظ ہوگی یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے دارالسلام یعنی خدا کی جنت کی طرف کوچ کرجائے گا جہاں ہر طرح کی عافیت اور امن وسلامتی ہے جہاں کوئی فتنہ نہیں۔ جہاں نہ اندیشہ ہائے فرداہے اور نہ غمِ روزگار۔

تفقُّہ اور بصیرت

(۱) وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَیُّ النَّاسِ اَکْرَمُ قَالَ: اَکْرَمُھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاھُمْ۔ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ ھٰذَا نَسْاَلُکَ قَالَ فَاَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰہِ ابْنُ نَبِیِّ اللّٰہِ ابْنِ نَبِیِّ اللّٰہِ ابْنِ خَلِیْلِ اللّٰہِ۔ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ ھٰذَا نَسْاَلُکَ۔ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْاَلُوْنِیْ۔ قَالُوْا۔ نَعَمْ فَخِیَارُکُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں میں کون سب سے بزرگ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ان میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ لوگوں نے کہا: ہم آپؐ سے یہ نہیں پوچھتے۔ فرمایا: تو پھر لوگوں میں سب سے بزرگ یوسفؑ ہیں کہ خود بھی اللہ کے نبی ہیں، اللہ کے نبی کے بیٹے اور اللہ کے نبی کے پوتے اور خلیل اللہ (حضرت ابراہیمؑ) کے پڑپوتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: ہم آپؐ سے یہ نہیں پوچھتے ہیں۔ فرمایا: تو پھر عرب کے خاندانوں کے بارے میں مجھ سے دریافت کرتے ہو۔ لوگوں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ''تم میں جو جاہلیت میں اچھے تھے وہی اسلام میں بھی تم میں سب سے اچھے ہیں جبکہ (دین میں) بصیرت رکھتے ہوں۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا اور اس کی ناراضی سے ڈرنے والا ہو۔ قرآن میں بھی ارشاد ہوا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ ''بلاشبہ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔''

اس حدیث سے اس حقیقت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ جو لوگ فطری طور پر جوہرِ قابل

رکھتے ہیں، جن کے اندر فیصلے کی قوت، صبر وثبات، تحمل و برداشت، شجاعت و ہمت پائی جاتی ہے، فیاضی وشائستگی، وسعتِ قلب ونظر، حزم واحتیاط جیسے فضائل جن کے اندر موجود ہوتے ہیں، جو غیرت وحیا، ہمدردی ودل سوزی وغیرہ صفات کے مالک ہوتے ہیں۔ دناءت، بزدلی، بے حیائی، بخل وخساست وغیرہ برے اوصاف سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوں گے نمایاں کردار و شخصیت کے مالک ثابت ہوں گے۔ انھی کے ذریعہ سے طاقت وراجتماعیت وجود میں آتی ہے۔ اسلام بنیادی انسانی اخلاقیات کے لیے صحیح مرکز ومحور مہیا کرتا ہے۔ اسلام کے ذریعہ سے انسانی اخلاق کو وسعت واستحکام حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے جو لوگ بہترین اخلاقی صفات کے حامل تھے وہ ایمان لانے کے بعد بھی نمایاں شخصیت کے مالک ثابت ہوئے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کفر نے ان کی انسانی خصوصیات کو محدود اور کمزور کر رکھا تھا۔ وہ جب ایمان لائے اور دین میں فہم وبصیرت حاصل کی تو ان کے اوصاف وکمالات اور زیادہ چمک اٹھے۔ ان کے اخلاق میں حددرجہ وسعت پیدا ہوگئی۔ ان کا اصلی جوہر اور زیادہ نکھر آیا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے زمین پر خدا کی مرضی پوری ہوتی ہے، جو مخلوق خدا کے لیے عذاب اور مصیبت ہونے کے بجائے سراپا رحمت ثابت ہوتے ہیں۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ یَقُوْلُ: خَیْرُکُمْ اِسْلَامًا اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا اِذَا فَقِهُوْا۔ (الادب المفرد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے سنا: ''تم میں سے اسلام میں بہتر وہ ہیں جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھے ہیں جبکہ وہ (دین کی) بصیرت رکھتے ہوں۔''

تشریح: ایک دوسری حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔ 'مسلم' ''انسانوں کی حیثیت سونے چاندی کی کان کی ہے۔ جو لوگ جاہلیت میں (سیرت و کردار اور اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے) اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں اگر ان کے اندر فہم وبصیرت ہو۔'' آدمی کا اخلاق اچھا ہو اور اسے دین میں تفقہ وبصیرت حاصل ہو تو پھر وہ ایک بہترین شخص ہے۔ اس کی شخصیت میں کوئی نقص نہیں ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے: اَلاَ لاَ خَیْرَ فِیْ عِبَادَةٍ لَیْسَ فِیْهَا تَفَقُّهٌ وَلاَ عِلْمٍ لَیْسَ فِیْهِ تَفَهُّمٌ وَلاَ قِرَاءَةٍ لَیْسَ فِیْهَا تَدَبُّرٌ۔

''سن لو! اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تفقُّہ نہیں اور نہ اس علم میں کوئی بھلائی ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں اور نہ اس قرآن خوانی میں کوئی بھلائی ہے جس میں تدبر نہیں۔'' آدمی کے لیے سب سے بڑی شرافت اور فضیلت کی بات یہ ہے کہ اسے دین میں فہم و بصیرت حاصل ہو۔ ایک ایسا عالم جسے دین میں فہم و بصیرت حاصل ہے وہ شیطان کی چالوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ وہ شیطان کے فریب میں نہیں آسکتا۔ اس کے علاوہ ایک عابد وزاہد شخص اپنی انفرادی زندگی میں بھلے ہی دین کے تقاضوں کو پورا کرلے لیکن اگر اس میں تفقُّہ اور بصیرت کی کمی ہے تو وہ اپنے ماحول کو بدلنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اسلام کو بحیثیت ایک نظامِ زندگی کے برپا کرنے اور شیطان کے اٹھائے ہوئے فتنوں کو دبانے کے لیے دین میں فہم و بصیرت درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان ان لوگوں سے زیادہ خائف اور مضطرب رہتا ہے جن کو دین میں فہم و بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَا عَبَدُ اللّٰہِ بِشَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ فِقْهٍ فِیْ دِیْنٍ وَ لَفَقِیْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ وَ لِکُلِّ شَیْءٍ عِمَادٌ وَ عِمَادُ ھٰذَا الدِّیْنِ الْفِقْهُ۔ (دار قطنی۔ بیہقی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بندے کے لیے دین میں سمجھ حاصل کرنے سے بڑھ کر فضیلت کی بات دوسری نہیں ہوسکتی، ایک (دین میں) سمجھ رکھنے والا شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے اور ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اس دین (اسلام) کی بنیاد تفقُّہ ہے۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام اصلاً احکام کی اندھی پیروی کا نام نہیں ہے بلکہ اس دین کی بنیاد ہی فہم و بصیرت پر رکھی گئی ہے اس لیے اسلام کا منکر وہ شخص کبھی نہیں ہوسکتا جو فہم و بصیرت سے کام لیتا اور حقیقتوں کو علی وجہِ البصیرت تسلیم کرتا اور ہر طرح کے تعصب اور جانب داری سے الگ ہو کر حق کا طالب ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ الْفِقْهُ وَ اَفْضَلُ الدِّیْنِ الْوَرَعُ۔ (طبرانی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تفقُّہ سب سے افضل عبادت ہے اور سب سے افضل دین پرہیزگاری ہے۔''

تشریح: تفقُّہ کو عبادت میں شامل فرمایا گیا ہے بلکہ اسے افضل عبادت قرار دیا ہے۔ تفقُّہ کے بغیر آدمی احکام اور عبادات کی روح اور منشا سے آشنا نہیں ہوسکتا اس لیے اسے دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ایک روایت میں ہے: اَفْضَلُ النَّاسِ اَفْضَلُھُمْ عَمَلاً اِذَا فَقِھُوْا دِیْنَھُمْ۔ "لوگوں میں سب سے افضل وہ ہیں جو عمل کے اعتبار سے افضل ہیں بشرطیکہ دین میں سمجھ رکھتے ہوں۔"

فرمایا کہ سب سے افضل دین پرہیزگاری ہے۔ پرہیزگاری کے لیے اصل میں 'ورع' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ 'ورع' اصل میں گناہوں سے دور رہنے اور معاصی اور شبہات سے بچنے کو کہتے ہیں۔ انتہا درجہ کی پرہیزگاری اور زہد کا نام 'ورع' ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ضَمَّنِی النَّبِیُّ ﷺ اِلٰی صَدْرِہٖ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْحِکْمَۃَ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: "خدایا! اس کو حکمت عطا فرما۔" ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "اس کو کتاب (قرآن) کا علم دے۔"

تشریح: ترمذی کی ایک روایت ہے کہ ابن عباس نے کہا: دَعَا لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ یُّؤْتِیَنِی اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ مَرَّتَیْنِ۔ "رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے دو مرتبہ دعا کی کہ خدا مجھے حکمت عطا فرمائے۔"

یہ جو فرمایا کہ اسے کتاب (قرآن) کا علم دے تو قرآن کا علم بھی بذاتِ خود سراپا حکمت ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْاَنْصَارِیِّؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَمْسَحُ مَنَاکِبَنَا فِی الصَّلٰوۃِ وَ یَقُوْلُ: اِسْتَوُوْا وَلاَ تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ۔ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُوا الْاَحْلاَمِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز (میں کھڑے ہونے) کے وقت ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے (تاکہ ہم صفیں درست کرلیں) اور فرماتے: "برابر ہوجاؤ اور اختلاف و انتشار نہ پیدا کرو ورنہ تمھارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ تم میں جو عقل و فہم والے ہیں وہ مجھ سے قریب رہیں۔ پھر جو ان سے قریب ہیں پھر جو ان سے قریب ہیں۔"

تشریح: اس حدیث سے عقل وفہم رکھنے والوں کی برتری کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انھیں نماز میں حضورؐ کے قریب جگہ مل رہی ہے۔ نماز کی صفوں میں انتشار اور بے ترتیبی دلوں کے انتشار کا سبب بن سکتی ہے۔ ظاہر کا اثر باطن پر بھی پڑتا ہے۔ اس لیے صفوں کو درست رکھنے کی تاکید فرمائی گئی۔

〈۷〉 وَ عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنُ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ حَتّٰى ذَكَرَ سِهَامَ الْخَيْرِ كُلَّهَا وَمَا يُجْزٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا بِقَدْرِ عَقْلِهٖ. (بیہقی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص نماز بھی پڑھتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے، زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے، حج اور عمرہ بھی کرتا ہے—— یہاں تک کہ آپؐ نے تمام نیکیوں کا ذکر فرمایا—— مگر قیامت کے دن اسے اس کی عقل کے مطابق ہی بدلہ دیا جائے گا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ عقل وفہم کو دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انسان جس قدر شعور اور عقل وفہم کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے گا اور نیک عمل میں سرگرم رہے گا اسی قدر وہ عبادت اور نیکی کے اصل مقصود سے باخبر ہوسکے گا اور خدا کے احکام کے منشاء کو پورا کرسکے گا اور اسی قدر وہ خدا کی قربت اور روحانی مسرتوں سے ہمکنار ہوگا۔ قرآن مجید میں بھی عقل وفہم سے کام لینے والوں کی جگہ جگہ تعریف فرمائی گئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: (رحمٰن کے مطلوب بندے وہ ہیں کہ) جب انھیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعہ سے یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو ان (آیتوں) پر وہ اندھے اور بہرے بن کر نہیں گرتے (بلکہ عقل وفہم سے کام لیتے ہیں)۔''
(الفرقان: ۷۳)

علم کی اشاعت

〈۱〉 وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ: اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ يَّتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا ثُمَّ يُعَلِّمُهٗ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''افضل صدقہ یہ ہے کہ ایک مسلم شخص علم سیکھ کر اپنے دوسرے مسلم بھائی کو اس کی تعلیم دے۔''

تشریح: یعنی انفاق اور صدقہ صرف مال ہی میں نہیں ہوتا بلکہ علم و حکمت میں بھی انفاق ہوتا ہے۔ افضل صدقہ علم و حکمت ہی کا ہے کہ آدمی خود علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا، ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ وَ اَجْوَدُهُمْ مِّنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمِیْرًا وَحْدَهٗ اَوْ قَالَ: اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ (بیہقی)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ سخاوت میں کون سب سے بڑھ کر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”جود و سخاوت میں سب سے بڑھ کر خدا ہے، پھر بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی میں ہوں اور میرے بعد جود و سخاوت میں سب سے بڑھ کر وہ ہے جس نے علم حاصل کیا اور اس کو پھیلایا۔ یہ شخص قیامت کے روز ایک امیر کی طرح سے آئے گا۔ یا آپؐ نے فرمایا کہ یہ ایک جماعت کی حیثیت سے آئے گا۔“

تشریح: علم حاصل کر کے اس کی اشاعت و ترویج میں کوشاں ہونا اگر سخاوت ہے تو اس کی اشاعت کی طرف سے غافل رہنا اور اس میں کوتاہی کرنا بدترین قسم کا بخل ہوگا۔ بخل ایک ایسا عیب ہے جس سے کوئی بھی اپنی سیرت و کردار کو داغدار کرنا پسند نہ کرے گا۔

علم دین کی اشاعت کرنے والے کا درجہ آخرت میں نہایت بلند ہوگا۔ اسے امامت اور سرداری کی شان و شوکت حاصل ہوگی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق کے اندر نہیں جمع ہو سکتیں: ایک خوش خلقی اور دوسرے دین کی بصیرت۔“

تشریح: نفاق ایسا روگ ہے کہ جسے لگ جاتا ہے وہ ان دو بڑی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ منافق نہ اخلاقِ حسنہ سے کبھی متصف ہو سکتا ہے اور نہ اسے دینی فہم و بصیرت حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ منافق کی رہنمائی نہیں فرماتا۔ منافق میں حدیث میں مذکور یہ دو خصلتیں یکجا نہیں ہوتیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَ عَالِمًا وَ مُتَعَلِّمًا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ بیہقی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”دنیا اور دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر اور اس چیز کے جس کا اس سے تعلق ہو۔ اور سوائے عالم اور طالب علم کے۔“

تشریح: یعنی دنیا میں اصلاً قدر کی حامل وہی چیزیں ہیں جن کا ذکرِ الٰہی اور علمِ دین سے تعلق ہو، جو چیزیں اس سے خالی ہیں وہ خیر و برکت سے خالی اور لائق ترک ہیں۔ یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جو کام بھی خدا کی خوشنودی کے لیے اس کے احکام کے مطابق کیا جائے وہ ذکر میں شامل ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهٗ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اس کو چھپالے تو قیامت کے دن اس کے (منہ میں) آگ کی لگام دی جائے گی۔“

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَ وَعٰهَا وَ اَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔

(ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اس بندے کو شاداب رکھے جس نے میری بات سنی، اسے یاد رکھا اور اسے (صحیح طور پر لوگوں تک) پہنچایا کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سمجھ اور فہم کی بات کا حامل ایسے شخص تک بات پہنچا دیتا ہے جو اس سے کہیں زیادہ فہیم ہوتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے حضورؐ کے ارشادات اور آپؐ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی

فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ سارے لوگ یکساں صلاحیتیں نہیں رکھتے۔ یہ عین ممکن ہے کہ علم و ہدایت کی بات کو نقل کرنے والے سے فہم و بصیرت میں وہ شخص بڑھا ہوا ہو جس تک بات پہنچائی جارہی ہو اور وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہو سکے۔

﴿٧﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً وَ حَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ وَلَا حَرَجَ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت (کے بقدر) ہو اور بنی اسرائیل سے (سنی ہوئی روایت) بیان کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور جو شخص قصداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے اسے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا چاہیے۔''

تشریح: یعنی جس طرح میں نے تم تک حق کا پیغام پہنچایا ہے اسی طرح تم اسے دوسروں تک پہنچاؤ تاکہ علم و ہدایت کی روشنی عام ہو سکے اور کوئی اس سے محروم نہ رہے۔ جس شخص کو جتنی بات بھی معلوم ہو وہ اسے دوسروں تک منتقل کرے۔ بنی اسرائیل سے جو روایات مثلاً پچھلے انبیاء کے قصے یا پچھلی قوموں کے عبرت انگیز واقعات وغیرہ پہنچیں ان کے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر ان سے حق اور تاریخی واقعات کی تائید و توضیح ہوتی ہو اور ان کی روایتیں قرآن کے بیان سے ٹکراتی نہ ہوں۔ توراۃ و انجیل کا مطالعہ اگر کوئی شخص ہدایت حاصل کرنے اور احکامِ دین معلوم کرنے کے لیے کرے تو یہ غلط ہوگا کیونکہ توراۃ و انجیل آج اپنی صحیح شکل میں موجود نہیں ہیں اور ہماری ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ نے قرآن جیسی کتاب اتار دی ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کے حالات اور ان کی تاریخ معلوم کرنے کے لیے ان کا مطالعہ کرنا قابلِ اعتراض نہیں۔ ان سے معلومات حاصل کر کے بیان کرنا بھی جائز ہے۔ ابتدا میں نبی ﷺ نے بنی اسرائیل کی کتابیں دیکھنے کو پسند نہیں فرمایا تھا کہ کہیں اس کا کوئی برا اثر مرتب نہ ہو۔ لیکن جب دلوں میں اسلام راسخ ہو گیا اور دینِ حق پر لوگوں کو یقینِ کامل حاصل ہو گیا تو بنی اسرائیل سے روایتوں کو نقل کرنے کی اجازت دے دی، اس لیے کہ اس طرح حق کی مزید تائید ہوگی۔

اس حدیث میں آپؐ نے اس شخص کو دوزخ کی دھمکی دی ہے جو آپ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرے۔ جھوٹ بولنا یوں بھی بڑا گناہ ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا عظیم گناہ ہے۔ اس حدیث کو ساٹھ سے زیادہ راویوں نے بیان کیا ہے۔ ان راویوں میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جنھیں رسول اللہؐ نے ان کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی ہے۔ صحابہؓ کے لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ آپؐ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرتے۔ تاریخ سے کوئی ایک مثال بھی نہیں پیش کی جاسکتی کہ کسی صحابی نے آپؐ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی ہو۔ حضورؐ کے آخری صحابیؓ کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ دوسری صدی ہجری میں حدیث کی کتابوں کی باقاعدہ تدوین شروع ہوگئی تھی۔ امام مالکؒ نے اسی صدی میں اپنی کتاب مؤطا کو مدون کیا۔

علم اور عمل

﴿۱﴾ وَ عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم شَيْئًا فَقَالَ: ذَالِکَ عِنْدَ اَوَانِ ذِهَابِ الْعِلْمِ، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَ نَحْنُ نَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَ نُقْرِئُهُ اَبْنَآءَ نَا وَ يُقْرِئُهُ اَبْنَائُنَا فَقَالَ ثَكِلَتْکَ اُمُّکَ زِيَادُ اِنْ كُنْتُ لَاَرَاکَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ اَوَلَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْئٍ مِمَّا فِيْهَا۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

ترجمہ: حضرت زیاد بن لبیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی (خوفناک) چیز کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ یہ (فتنہ وفساد) علم کے چلے جانے کے وقت ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! علم کیسے چلا جائے گا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اسے اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمھاری ماں تمھیں کھوئے زیاد! میں تو تمھیں مدینہ کا انتہائی فہیم اور سمجھ دار آدمی سمجھتا تھا۔ کیا یہ یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل نہیں پڑھتے (مگر اس کے باوجود) جو کچھ ان میں ہے اس پر کچھ بھی عمل نہیں کرتے۔''

﴿۲﴾ وَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: قَالَ اِنَّمَا اَنَا اَخَافُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ كُلَّ مُنَافِقٍ يَتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَ يَعْمَلُ بِالْجَوْرِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عمرؓ بن خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''میں

اس امت پر ہر منافق (کے شر) سے ڈرتا ہوں جو باتیں تو علم وحکمت کی کرے لیکن کام اس کا ظلم وجور کا ہو۔''

﴿۳﴾ وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: شداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دانا اور زیرک شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کیے ہوئے ہو اور مابعد موت کے لیے عمل کرے اور عاجز و درماندہ شخص وہ ہے جو اپنی خواہشاتِ نفس کا غلام ہو اور خدا سے (اجر و ثواب اور مغفرت کی) آرزو رکھتا ہو۔''

🙞🙜

دینِ فطرت

اسلام اس طرزِ زندگی کا نام ہے جس کا تقاضا خود انسان کی فطرت کرتی ہے۔ رسولوں کو بھیج کر خدا نے انسانوں کو جن چیزوں کی یاددہانی کرائی ہے وہ ان کی اپنی فطرت ہی کے تقاضے ہیں۔ اسلام فکروعمل کا ایسا نظام ہے جو عقل وبصیرت اور ہماری فطرت کے عین مطابق ہے۔ اسی لیے قرآن نے اسلام کو ''صراط مستقیم'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اسلامی احکام کی خلاف ورزی درحقیقت اپنی فطرت کی مخالفت اور خدا کی تخلیق میں بگاڑ پیدا کرنے کے مرادف ہے۔ اسلام نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے فطری طور پر انھی کے ذریعہ سے فرد کی تکمیل ہوتی ہے۔ انھی سے انسان کی شخصیت نکھرتی اور سنورتی ہے اور جن باتوں سے اسلام نے روکا ہے وہ وہی ہیں جو انسان کی شخصیت کو مسخ کرتی ہیں۔ فرد کی تکمیل اور تزکیۂ نفس ہی شریعت کا اصل مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں تزکیۂ نفس کو آخری ہدف قرار دیا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (الشمس:۹-۱۰)

''کامیاب ہوا جس نے اس کو (نفس کو) نکھارا اور نا کام ہوا جس نے اسے خراب کیا۔''

ایک دوسری جگہ فرمایا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ (البقرہ:۱۲۹)

''ہمارے رب! ان کے اندر انھی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے آگے تیری آیات پڑھے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول لوگوں کو قرآن سناتا اور انھیں شریعت اور حکمت وبصیرت

کی تعلیم دیتا ہے اور نتیجہ کے لحاظ سے ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ لفظ 'تزکیہ' خود اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے انسان سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا ہے جو اس کی فطرت کے خلاف ہو[1]۔ انسان سے مطالبہ صرف اس بات کا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی شخصیت کو نشو ونما دے اور ان محاسن و اخلاق کو تکمیل تک پہنچائے جو اس کی فطرت میں ودیعت کیے گئے ہیں۔ اسلام میں فرد کی تکمیل ہی اصل چیز ہے۔ قیامت میں ہر شخص کو اصلاً جس چیز کا حساب دینا ہے وہ یہی کہ دنیا میں خدا نے اسے جو قوتیں اور صلاحیتیں دی تھیں ان سے کام لے کر وہ کیا بن سکا ہے۔ وہ اپنی کیا شخصیت بنا کر خدا کے سامنے حاضر ہوا ہے۔ اسلام میں اجتماعی نظام کی اہمیت اسی لیے ہے کہ وہ فرد کی تکمیل میں مددگار ہوتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں فرد ایک طرف خود اپنے کمال کو پہنچتا ہے دوسری طرف وہ دوسرے لوگوں کو کمال تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اسلام نے نہ فرد کو ایسی آزادی دی ہے جس سے اجتماعیت کے مفاد کو نقصان پہنچے اور نہ اسلام میں اجتماعیت کو ایسے اختیارات دیئے گئے ہیں جو فرد سے اس کی وہ آزادی سلب کر لیں جو اس کی شخصیت کی نشو ونما کے لیے زندگی کے مختلف میدانوں میں درکار ہے۔ اسلام نے فرد اور اجتماعیت میں انتہا درجہ کا توازن قائم کیا ہے۔ اسلام ہر پہلو سے انسان کی فطرت اور اس کے شخصی اور اجتماعی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہوگا جو ایک دین اور نظامِ زندگی کی حیثیت سے اسلام کا مطالعہ کرے گا۔

اسلام کی رو سے انسانی ذات کی صحیح تربیت ممکن ہی نہیں جب تک کہ انسان اپنی ذات اور اپنی سعی وجہد کا مقصد خدا کی رضا کو نہ قرار دے۔ خدا کی طلب اور اس کی محبت ہی ہمارے دین و ایمان کی انتہا ہے۔ خدا کی اطاعت اور بندگی ہی وہ حقیقی زندگی ہے جس کی انسان کی فطرت جویا ہوتی ہے۔ خدا کے دیئے ہوئے احکام کی پیروی کسی مستبدّ قانون کی محکومیت اختیار کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ ایسے قانون کی پیروی ہے جو خود ہماری فطرت کا قانون ہے[2]۔ خدا کی اطاعت درحقیقت ایک ایسے حکمراں کی اطاعت ہے جس کا تختِ حکومت خود ہمارا اعمقِ قلب ہے۔ خدا کے

---

(۱) اسلام درحقیقت انھی حقائق کو جو فطرتِ انسانی میں موجود ہیں آشکار کر کے انسانوں کو ان سے باخبر کرتا ہے۔ وہ ایمان وعمل کی طرف عقل و بصیرت ہی کی راہ سے دعوت دیتا ہے، وہ انسان کو اس کی حقیقی فطرت اور اس کے تقاضوں سے باخبر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے آپ کو ذکر و تبصرہ کے نام سے پیش کیا ہے۔

(۲) یہی وجہ ہے کہ وحیِ الٰہی کو جس کے ذریعہ سے ہم خدا کے احکام وقوانین سے واقف ہوتے ہیں، قرآن نے ''حیات'' ''رزقِ حسن''، اور ''نور'' وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ان تعبیرات کے شواہد سابقہ صحیفوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

انکار کے بعد نہ صرف یہ کہ دنیا اپنی محبوبیتوں سے یکسر خالی ہوجاتی ہے بلکہ انسانی زندگی سے اطمینان وسکون ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتے ہیں۔ زندگی، زندگی کی اعلیٰ قدروں سے محروم ہوجاتی ہے۔ کھانے پینے اور عیش کرنے کے سوا زندگی کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ خدا کی دکھائی ہوئی راہ اور اس کی اطاعت اور بندگی میں ہی انسان کے لیے حقیقی زندگی ہے۔ اس کی کامیابی کی راہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ وہ اپنی زندگی میں وہ طرزِ عمل اختیار کرے جس کی تعلیم خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے دی ہے:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰىؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ
وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُؕ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۝

(الانعام: ۷۱-۷۲)

”کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم رب العالمین کے آگے سرفگندہ ہوں اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے۔“

انبیاء علیہم السلام جو ہدایت لے کر آئے اس سے حقیقی زندگی کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ سابقہ صحیفوں میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ انجیل میں ہے:

”لکھا ہوا ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس حکم سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔“ (متی ۴:۴)

مطلب یہ ہے کہ خدا کے امر اور اس کے حکم سے انسان کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی پابندی میں ہی اس کی اصل زندگی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي
النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَاؕ

(الانعام: ۱۲۲)

”کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اسے روشنی دی جسے لے کر وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہو اس شخص کی طرح ہوگا جو تاریکیوں کے اندر ہو اور ان سے نکلنے والا نہ ہو۔“

قرآن کی اس آیت میں ایمان کو زندگی اور اتباع شریعت کو روشنی لے کر چلنے سے تعبیر

فرمایا گیا۔ جس شخص کو ایمان کی دولت نہ مل سکی اور جسے حقیقت کا شعور نہ ہوسکا وہ بے جان پتھر کی طرح ہے اسے حقیقی زندگی حاصل نہیں۔ جس کو زندگی کی سیدھی اور فطری راہ نہیں ملی اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریکیوں میں ادھر ادھر بھٹک رہا ہو اور اس کے پاس کوئی روشنی نہ ہو جس سے وہ اس راہ پر لگ سکے جو اسے اس کی منزل تک پہنچاتی ہے۔

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم : مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتِجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَاءَ۔ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْ هُرَیْرَةَ وَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذَالِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔

(بخاری، مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہ ہوتا ہو، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ جانور کے پیٹ سے صحیح وسالم جانور پیدا ہوتا ہے۔ کیا ان میں سے کسی کو تم ناک، کان کٹا پاتے ہو؟ (ان کے کان تو بعد میں لوگ اپنے جاہلانہ رسوم کی وجہ سے کاٹتے ہیں) پھر ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو (اس کی تصدیق کے لیے قرآن کی آیت) پڑھ لو: یہ اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے! اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی ٹھیک دین ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں فطرت سے مراد اسلام ہے۔ اس لیے یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کو اس کے بالمقابل بیان کیا گیا۔ اس حدیث کی بعض روایتوں میں علی الفطرة کے بجائے عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ اور عَلٰی هٰذِهِ الْمِلَّةِ کے الفاظ بھی آئے ہیں جن سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اس حدیث میں اسلام ہی کو فطرت کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا۔

اس حدیث میں ایک اہم حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ وہ یہ کہ انسان دنیا میں خالص فطرت لے کر آتا ہے جس کا نام اسلام ہے۔ اس کی فطرت صرف اللہ کو اپنا رب اور الٰہ جانتی اور اسی کے بتائے ہوئے طریقِ زندگی کے فطری اصولوں سے مانوس ہوتی ہے۔ شرک، کفر والحاد اور جاہلانہ افکار و اعمال سے اس کی فطرت کو کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ انسان تو اپنے رب کی معرفت کی طلب اور اس کی عبادت کا جذبہ لے کر آتا ہے۔ ہر بچہ فطرت وحنیفیت پر پیدا ہوتا ہے۔

وہ اس صحیح فطرت پر ہوتا ہے جو کفر و معصیت سے بالکل پاک ہوتی ہے اور اگر آدمی اپنی پیدائشی فطرت پر قائم رہے تو اسلام کی تعلیمات کو قبول کرنے میں اسے ذرا بھی تامل نہ ہو۔ وہ اسے اس طرح قبول کرے گا جیسے کوئی اپنی جانی پہچانی چیز کو قبول کرتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ بگڑا ہوا ماحول اور اس کے گمراہ والدین اس کی فطرت کو مسخ کر کے اسے مشرکانہ افکار و اعمال کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل اس جانور کی سی ہوتی ہے جسے اس کی ماں نے صحیح و سالم جنا ہو لیکن کسی نے اس کی ناک اور اس کے کان کاٹ کر اس کی صورت بگاڑ دی ہو۔ انسان کفر و شرک، دہریت اور وہ چیزیں جو اس کی فطرت کے خلاف ہیں لے کر نہیں آتا، لیکن گمراہی میں مبتلا ہو کر وہ ساری چیزیں اختیار کر لیتا ہے جو اس کی فطرت اور اس کی تخلیق کے منشاء کے خلاف ہیں۔ کوئی بھی شخص یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کے کان، ناک کٹے ہوئے ہوں یا وہ پیر کا لنگڑا اور آنکھوں کا اندھا ہو۔ لیکن اس کی انتہائی بدبختی ہے کہ وہ صرف اپنی فطرت کو بگڑی ہوئی حالت میں دیکھنا پسند ہی نہیں کرتا بلکہ اسے اس پر اصرار بھی ہوتا ہے کہ اس کی فطرت کو بگڑی ہوئی اور مسخ حالت میں رہنے دیا جائے۔

اس حدیث میں قرآن کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۂ روم کی آیت ۳۰ سے لیا گیا ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ انسان کا فطری مذہب یہ ہے کہ وہ ایک خدا کا بندہ، مطیع اور پرستار ہو جائے۔ اسی کا نام اسلام ہے۔ اسلام ہماری فطرت کو صدمہ نہیں پہنچاتا۔ اسے نکھارتا اور سنوارتا ہے۔ اس دین کا علم درحقیقت انسان کی اپنی فطرت اور اپنی زندگی کی غرض و غایت کا علم ہے۔ زندگی میں اس کے خلاف رویہ اختیار کر کے انسان اپنی فطرت اور اپنے وجود کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارِ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ فِيْ خُطْبَةٍ: اَلَا اِنَّ رَبِّيْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُعَلِّمَكُمْ مَّا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِيْ يَوْمِيْ هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَ اِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَ اِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ وَ حَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَ اَمَرَتْهُمْ اَنْ يُّشْرِكُوْا بِيْ مَالَمْ اُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا۔ (مسلم)

ترجمہ: عیاض بن حمار المجاشعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے خطبہ

میں فرمایا: ''سن لو میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آج اس نے مجھے بتایا ہے میں تمھیں بتادوں جسے تم نہیں جانتے (اس نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے کسی بندے کو دیا وہ اس کے لیے حلال ہے اور میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف پیدا کیا بعد میں ان کے پاس شیطان آئے اور انھیں ان کے دین سے ہٹالے گئے، انھوں نے ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جن کو میں نے ان کے لیے حلال ٹھہرا تھا اور انھیں اس بات کا حکم دیا کہ وہ ان چیزوں کو میرا شریک ٹھہرائیں جن کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری گئی۔''

تشریح: اس حدیث کا مضمون پہلی حدیث سے ملتا جلتا ہے۔ اس حدیث میں بھی اس حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو فطرت وحنیفیت ہی پر پیدا کیا ہے۔ لوگ شیطانوں اور گمراہ لوگوں کے بہکانے سے شرک اختیار کر لیتے ہیں اور اللہ نے جن چیزوں کو ان کے لیے جائز اور حلال ٹھہرایا ہے انھیں اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ اس طرح عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے وہ اپنے فطری مذہب سے دور ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث کی بعض روایات میں حنفاء کی بجائے ''حنفاء مسلمین'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو مسلم حنیف پیدا کیا تھا۔ اسلام ہی ان کا پیدائشی اور فطری دین تھا۔ شرک کی تصدیق نہ آسمانی کتاب سے ہوتی ہے اور نہ اس کے لیے کائنات سے کوئی دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: یُقَالُ لِلرَّجُلِ مِنْ اَھْلِ النَّارِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَرَاَیْتَ لَوْکَانَ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ شَیْئٍ اَکُنْتَ مُفْتَدِیًا بِهٖ؟ قَالَ: فَیَقُوْلُ نَعَمْ۔ قَالَ فَیَقُوْلُ قَدْ اَرَدْتُ مِنْکَ اَھْوَنَ مِنْ ذَالِکَ قَدْ اَخَذْتُ عَلَیْکَ فِیْ ظَھْرِ اٰدَمَ اَنْ لَّا تُشْرِکَ بِیْ شَیْئًا فَاَبَیْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِکَ بِیْ۔

(بخاری۔ مسلم۔ احمد)

ترجمہ: انس بن مالکؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک جہنمی شخص سے کہا جائے گا کہ بتا اگر (تیرے پاس) زمین کی تمام چیزیں ہوتیں تو کیا تو وہ سب اس (عذاب) کے فدیہ میں دے ڈالتا؟ فرمایا: وہ کہے گا: ہاں۔ (اللہ) فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے

بہت ہلکا مطالبہ کیا تھا، جب تو آدم کی پشت میں تھا تو میں نے تجھ سے عہد لیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا مگر تو نہ مانا، میرے ساتھ (دوسروں کو) شریک کرکے رہا۔''

تشریح: اس حدیث سے بھی اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ توحید ہی انسان کا فطری دین ہے۔ کفر وشرک کو اس کی فطرت سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ انسانی فطرت میں یہ چیز سموئی گئی ہے کہ وہ ایک خدا کے سوا کسی کو اپنا معبود، حاجت روا اور اپنی آرزوؤں کا مرکز نہ بنائے۔ خدا کی بندگی اختیار کرنے اور شرک کی گندگی سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کا عہد، فطری طور سے ہر شخص سے لیا جا چکا ہے۔ قرآن میں بھی اس عہد کا ذکر خاص انداز سے فرمایا گیا ہے (دیکھیے سورۃ الاعراف: ۱۷۲-۱۷۳) انسان کی فطرت، توحید اور خدا کی ربوبیت کے اقرار کے سانچے میں ڈھالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی بعید نہیں کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کے پیدا کیے جانے کے بعد تمام انسانوں کو جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے ایک ساتھ کسی شکل میں اپنے سامنے حاضر کیا ہو اور انھیں یہ علم عطا فرمایا ہو کہ ان کا رب صرف ایک اللہ ہے، اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار بھی کرایا ہو۔ اگرچہ یہ اقرار آج ہمارے ذہنوں میں محفوظ نہیں رہا پھر بھی اس اقرار کا گہرا نقش ہماری روح اور ہمارے ضمیر کے اندر موجود ہے۔ توحید کا اقرار انسان کی فطرت اور اس کے ضمیر کی آواز ہے۔ خدا کے نبی اس اقرار کی یاددہانی کراتے ہیں۔ وہ کوئی نئی چیز لے کر انسانوں کے پاس نہیں آتے آج اگر ہمارے ذہنوں میں اللہ کے سامنے کیے ہوئے اقرار کی یاد کو باقی نہیں رکھا گیا تو صرف اسی لیے کہ دنیا میں ہمارا امتحان لیا جا سکے۔

(۴) وَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَىُّ الْاَدْيَانِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ: اَلْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ۔ (احمد، ادب المفرد، طبرانی)

ترجمہ: ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا: تمام دینوں میں اللہ کو سب سے زیادہ پیارا دین کون سا ہے۔ فرمایا: ''حنیفیت جو نہایت سہل اور آسان ہے۔''

تشریح: یعنی اللہ کا پسندیدہ دین جو اس نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے یہ ہے کہ بندہ خدا کے لیے سب طرف سے یکسو ہو جائے۔ وہ ایک اللہ کی اطاعت اور بندگی اختیار کرے اور زندگی کا وہی طریقہ اختیار کرے جو اس کی اپنی فطرت کے عین مطابق ہے، جس کی تعلیم اس کے خدا نے دی ہے، جس میں کسی قسم کی سختی نہیں ہے، جو بے حد نرم اور آسان ہے، جس میں نہ انسان

کی فطرت کے خلاف ترکِ دنیا کی تعلیم دی گئی ہے کہ آدمی بستی اور گھر بار کو چھوڑ کر جنگل و بیابان کی راہ لے اور نہ جس میں انسان کی روحانی ارتقاء کی راہ میں جسم کو حارج اور مانع سمجھا گیا ہے کہ جسم کو تعذیب کے ذریعہ سے مغلوب کیا جائے تا کہ روحانی ارتقاء کے لیے راستہ ہموار ہو سکے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے روح اور جسم میں تضاد نہیں ہے۔ جسم روحانی ارتقاء کی راہ میں درحقیقت معاون و مددگار ہے بشرطیکہ آدمی خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر رہ کر زندگی گزارے۔

〈۵〉 عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلدِّيْنُ يُسْرٌ۔ (احمد، ادب المفرد، بخاری)

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دین بہت آسان ہے۔“

تشریح: مسند احمد کی ایک روایت میں ہے: خیر دینکم ایسرہ ”تمھارے سب دینوں میں بہتر وہ ہے جو سب میں آسان ہو۔“ انجیل میں ہے: ”میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو۔ تمھاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا ہے۔ (متی ۱۱:۲۹-۳۰)

〈۶〉 وَ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِىْ مُعْنِتًا وَّلَا مُتَعَنِّتًا وَّ لٰكِنْ بَعَثَنِىْ مُعَلِّمًا مُّيَسِّرًا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ایک خاص موقع پر ارشاد فرمائی تھی۔ ایک موقع پر قرآن میں آپؐ کی ازواجِ مطہرات کو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کے لیے کہا گیا تھا کہ یا تو وہ خدا اور رسول کو اختیار کریں یا دنیوی فراوانی کو۔ اگر وہ دنیا کی طلب گار ہوتی ہیں تو انھیں رسول سے علیٰحدگی اختیار کرنی پڑے گی اور اگر وہ خدا اور رسول کو چاہتی ہیں تو ان کے لیے آخرت میں بڑا اجر و ثواب ہے (الاحزاب: ۲۸-۲۹) آپؐ نے جب اپنی ازواج کو خدا کے اس حکم سے باخبر کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تمھارے سامنے ایک خاص بات رکھتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک اپنے والدین سے مشورہ نہ لے لو۔ آپؐ کو اندیشہ تھا کہ کہیں جلد بازی میں وہ کوئی غلط فیصلہ نہ کر لیں۔ والدین سے مشورہ کریں گی تو وہ انھیں صحیح مشورہ ہی دیں گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! وہ کیا بات ہے؟ آپؐ نے جب انھیں خدا کا حکم سنایا تو وہ بے اختیار بول اٹھیں: یارسول اللہ! کیا آپؐ کی رفاقت کا

معاملہ بھی ایسا ہے جس میں اپنے والدین سے مشورہ کروں۔ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ البتہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آپ میرے اس جواب کی اطلاع اپنی بیویوں میں سے کسی کو نہ دیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ان میں سے جو بھی دریافت کرے گی میں اسے تمھارے جواب سے مطلع کروں گا۔ اللہ نے مجھے مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' آپؐ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی حیثیت ایک شفیق معلم کی ہے۔ آپؐ لوگوں کو اسی بات کی تعلیم دیتے ہیں جس میں ان کی بھلائی اور فلاح ہے۔ آپؐ کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ سیدھے راستے پر چلنے لگ جائیں۔ اس کے لیے آپؐ ہر وہ تدبیر اختیار کرتے ہیں جو آپؐ کے اختیار میں ہوتی ہے۔

‹۷› وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ: کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْھَرُوْنَ بِالتَّکْبِیْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا وَ ھُوَ مَعَکُمْ وَالَّذِیْ تَدْعُوْنَہٗ اَقْرَبُ اِلٰٓی اَحَدِکُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِہٖ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگ زور زور سے تکبیریں کہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! اپنی جانوں پر ترس کھاؤ۔ تم اسے نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو۔ تم تو اسے پکار رہے ہو جو سننے والا اور دیکھنے والا ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔ جسے تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمھارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جس دین کی تعلیم کے لیے بھیجے گئے تھے، فطرت اور عقل دونوں سے اس کی تصدیق و تائید ہوتی ہے، وہ نہ فطرت کے خلاف ہے اور نہ اسے غیر عقلی دین کہا جا سکتا ہے۔

خدا کا تصوّر

اسلام کے پورے فکری وعملی نظام میں جس چیز کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ ایمان باللہ ہے۔ دوسرے عقائد اور احکام درحقیقت اسی ایک اصل کی فرع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جتنے بھی اعتقادات اور احکام ہیں ان میں استحکام ایمان باللہ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس ایک مرکز سے صرفِ نظر کرلیا جائے تو کسی چیز میں کوئی معنویت باقی نہ رہے اور اسلام کے فکروعمل کا سارا نظام درہم برہم ہوکر رہ جائے۔

اسلام میں ایمان باللہ کا مطلب اسی قدر نہیں ہے کہ خدا موجود ہے، بلکہ یہ عقیدہ اپنے اندر خدا کی ذات اور اس کی صفات کا ایک صحیح اور مکمل تصور رکھتا ہے۔ یہ عقیدہ ہمیں خدا کی ذات و صفات کا جو تصوّر دیتا ہے اس کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام، ایمان باللہ کے ذریعہ سے نہ صرف یہ کہ نفوس کے تزکیہ اور اصلاحِ اخلاق کا کام لیتا ہے، بلکہ اسی کو اس نے زندگی کی تمام سرگرمیوں اور انسانی تہذیب وتمدن کی اصل بنا قرار دیا ہے۔

اسلام نے الوہیت اور خدائی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کی رو سے الٰہ اور خدا وہی ہوسکتا ہے جو بے نیاز اور قادرِ مطلق ہو، جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے، جسے ہر چیز کا علم ہو، جو حکیم و دانا ہو، جس کی قدرت سب پر غالب ہو اور جس کی رحمت حد درجہ وسیع ہو، جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت، نفع اور ضرر سب کچھ ہو، جس کی بخشش اور نگہبانی کے سب محتاج ہوں، جس کی طرف سب کی واپسی ہو، جو سب کا حساب لینے والا ہو، جو جزا و سزا کا کامل اختیار رکھتا ہو۔ الوہیت نہ قابلِ تجزیہ و تقسیم ہے اور نہ اسے تجسیم وتناسل سے آلودہ کرنا صحیح ہے۔ خدائی کی تمام صفات صرف ایک ہی ذات میں جمع ہوسکتی ہیں اور وہ خدا کی ذات ہے۔ خدا کی ذات سب سے بالاتر ہے،

کائنات کی تمام چیزیں اس کی محتاج اور محکوم ہیں، وہی اس عظیم کائنات کا نظم سنبھالے ہوئے ہے، وہی لازوال خزانوں کا مالک ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس کی عظمت کو پہچانے، وہ اس کے آگے جھکے، اسی سے ڈرے، اسی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھے، اسی پر اس کا بھروسہ ہو، مانگے تو اسی سے مانگے، مصیبت میں پکارے تو اسی کو پکارے، اسی کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہے، وہی ہمارے اعمال کا حساب لینے والا ہے، وہی ہے جس کے فیصلے پر انسان کے اچھے برے انجام کا انحصار ہے۔ توحید کا یہی عقیدہ ہے جس کی تعلیم پچھلے تمام نبیوں نے دی ہے۔ اس عقیدہ کا انسان کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ ایمان باللہ انسان کو خدا کے احکام اور اس کے مقرر کیے ہوئے ضابطہ کا پابند بناتا ہے اور اس کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے والا شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کا خدا ہر حال میں اسے دیکھتا ہے، وہ اس کی گرفت اور محاسبے سے بچ نہیں سکتا۔ اس لیے وہ تنہا ہو یا لوگوں کے ساتھ ہر حال میں خدا سے ڈرتا اور اس کے دیے ہوئے ضابطہ کا احترام کرتا ہے۔ پھر ایمان باللہ اسے اخلاق کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچاتا ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے والا کبھی تنگ نظر نہیں ہوسکتا اور نہ اسے کبر و نخوت کی بیماری لگ سکتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ساری کائنات خدا کی ہے۔ اس کی دوستی اور دشمنی اپنے لیے نہیں، خدا کے لیے ہوتی ہے۔ اس طرح اس کی ہمدردی، محبت اور خدمت کا دائرہ بے انتہا وسیع ہوجاتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اسے جو کچھ حاصل ہے وہ خدا ہی کا عطیہ ہے، پھر وہ غرور اور تکبر کیسے کرسکتا ہے۔ ایمان باللہ کے نتیجے میں اس کے اندر انکسار ہی پیدا ہوسکتا ہے نہ کہ کبر و نخوت۔ ایمان باللہ کے نتیجے میں آدمی کو عزتِ نفس اور خودداری کا بلند مقام حاصل ہوتا ہے، وہ خدا ہی کو ساری طاقتوں کا مالک سمجھتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ خدا ہی کے ہاتھ میں نفع و نقصان، موت و حیات سب کچھ ہے۔ اس لیے خدا کے سوا اسے کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ خدا کے سوا کسی کے آگے اس کی گردن نہیں جھکتی۔ وہ خدا کے سوا ساری طاقتوں سے بے خوف ہوکر اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگ جاتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اس کا خدا بے نیاز، عادل اور منصف ہے۔ اس کا قانون بے لاگ ہے۔ کسی کو اس کی خدائی میں دخل حاصل نہیں ہے کہ اس کی گرفت سے نجات دلا سکے۔ اس کے یہاں نفس کی پاکیزگی اور نیک عملی کے سوا کوئی دوسری چیز کام آنے والی نہیں ہے۔ اس لیے وہ بے جا قسم کی خوش گمانیوں میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ کسی سے غلط قسم کی توقعات وابستہ کرتا ہے۔ اس کا خدا لازوال خزانوں اور قوتوں کا مالک ہے

اس لیے وہ مایوس اور شکستہ دل نہیں ہوتا۔ اس میں صبر و استقامت اور شجاعت و پامردی کی وہ طاقت ہوتی ہے کہ بڑی سے بڑی مخالف طاقتیں بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ حرص و ہوس سے اس کا دل پاک ہوتا ہے۔ اسے کمال درجہ کا استغناء حاصل ہوتا ہے۔ وہ خدا کے فضل کا طالب ہوتا ہے لیکن اس کے لیے کبھی ذلیل قسم کی حرکتیں نہیں کرسکتا۔ وہ جانتا ہے کہ خدا اپنی حکمت کے تحت جس کو جو کچھ چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔ وہ خدا کے فیصلہ پر راضی ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اپنے فرائض کو انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ پر ایمان

﴿۱﴾ عَنْ اِبْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

تشریح: یہی اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن پر دین کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ صرف اللہ کو الٰہ ماننے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ تسلیم کرے کہ اللہ ہی ہمارا معبود، آقا اور حاکم ہے۔ سب اسی کے محتاج اور دست نگر ہیں۔ وہی ہے جس کی طلب، اشتیاق اور جستجو کا جذبہ ہماری فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی ہماری سعی و جہد کا مرکز نہیں بن سکتا۔ اس کے سوا کوئی ہستی نہیں جس کی مرضی ہماری زندگی کا مقصد قرار پاسکے۔

خدا کے بارے میں صحیح علم اس کے رسول کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ رسول ہی بتاتے ہیں کہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی کس طرح بسر کی جائے۔ اس لیے توحید اور اللہ کی الوہیت کے اقرار کے ساتھ رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ رسولوں میں سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ صحیح طریقِ زندگی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپؐ کی رسالت کو

تسلیم کیا جائے اور آپؐ کی رہنمائی قبول کی جائے۔ خدا کے آخری نمائندہ ہونے کی حیثیت صرف آپؐ کو حاصل ہے۔

نماز ایک طرف خدا کی یاد اور اس کی پرستش ہے۔ دوسری طرف وہ ہماری اپنی عبدیت کا اقرار و اظہار ہے۔ نماز ہر روز کئی بار خدا کی یاد اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین تازہ کرتی اور ہمارے دل میں اس کی محبت پیدا کرتی ہے۔ نماز ہمیں یاد دلاتی رہتی ہے کہ ایک دن ہمیں خدا کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ خدا کی عدالت میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی خدا کی اطاعت میں بسر کرے۔

روزہ کے ذریعہ سے ہمیں خواہشاتِ نفس پر قابو حاصل ہوتا ہے۔ پھر ہم خدا کی خوشنودی کے مقابلہ میں کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتے ہیں۔ خدا کے لیے ہم ہر چیز سے رُخ پھیر سکتے ہیں۔ اس کی خوشی کے لیے ہر لذت اور ہر آرام کو قربان کر سکتے ہیں۔ ہم میں فرض کا وہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے۔

زکوٰۃ ہمیں خدا کے بندوں کے حقوق یاد دلاتی ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعہ سے دل سے مال کی محبت نکل جاتی ہے۔ ہمارا اخلاق بلند ہوتا ہے۔ ہمیں نفس کی پاکیزگی، کشادہ دلی اور اعلیٰ ظرفی کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ آدمی کی روح صندوق اور تجوریوں میں بند ہو کر رہ جائے، اس سے بڑھ کر قید کی زندگی کیا ہو سکتی ہے۔ جس طرح چراغ اپنے کو اور اپنے ماحول کو روشن رکھنے کے لیے فیاضی کے ساتھ اپنا تیل خرچ کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح زکوٰۃ و انفاق کے ذریعہ سے ایک طرف آدمی بندگانِ خدا اور سماج کے کام آتا ہے دوسری طرف وہ اپنی روح کو بالیدگی بخشتا اور اسے حقیقی آزادی اور مسرت سے ہمکنار کرتا ہے۔

حج ہمارے دل میں خدا کی عظمت اور اس کی محبت کا نقش بٹھاتا ہے۔ وہ ہمارے دل میں اسلام کی ایسی محبت پیدا کرتا ہے جو دائمی طور پر دل میں قائم رہنے والی ہے۔ حج ہمیں اس کے لیے تیار کرتا ہے کہ ہم اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنی ساری دوڑ دھوپ صرف کر دیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: نُهِينَا اَنْ نَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَّجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْئَلُهُ وَ نَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَّةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! اَتَانَا رَسُوْلُکَ فَزَعَمَ لَنَا اَنَّکَ

تَزْعُمُ اَنَّ اللّٰہَ اَرْسَلَکَ قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ؟ قَالَ: اَللّٰہُ۔ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ قَالَ: اَللّٰہُ۔ قَالَ فَمَنْ نَصَبَ ھٰذِہِ الْجِبَالَ وَ جَعَلَ فِیْھَا مَا جَعَلَ؟ قَالَ اَللّٰہُ۔ قَالَ: فَبِالَّذِیْ خَلَقَ السَّمَآءَ وَ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ نَصَبَ ھٰذِہِ الْجِبَالَ آللّٰہُ اَرْسَلَکَ؟ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ: وَ زَعَمَ رَسُوْلُکَ اَنَّ عَلَیْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ یَوْمِنَا وَ لَیْلَتِنَا۔ قَالَ: صَدَقَ۔ قَالَ: فَبِالَّذِیْ اَرْسَلَکَ آللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ: وَ زَعَمَ رَسُوْلُکَ اَنَّ عَلَیْنَا زَکٰوۃً فِیْٓ اَمْوَالِنَا۔ قَالَ: صَدَقَ۔ قَالَ: بِالَّذِیْٓ اَرْسَلَکَ آللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ: وَ زَعَمَ رَسُوْلُکَ اَنَّ عَلَیْنَا صَوْمَ شَھْرِ رَمَضَانَ فِیْ سَنَتِنَا۔ قَالَ صَدَقَ۔ قَالَ: فَبِالَّذِیْ اَرْسَلَکَ آللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: وَ زَعَمَ رَسُوْلُکَ اَنَّ عَلَیْنَا حَجَّ الْبَیْتَ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً۔ قَالَ: صَدَقَ قَالَ: ثُمَّ وَلّٰی وَ قَالَ: وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لاَ اَزِیْدُ عَلَیْھِنَّ وَلاَ اَنْقُصُ مِنْھُنَّ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَئِنْ صَدَقَ لَیَدْخُلَنَّ الْجَنَّۃَ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم (لوگوں) کوممانعت کردی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے (بلا خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں، تو ہمیں اس بات سے خوشی ہوتی تھی کہ کوئی سمجھ دار بدوی آئے اور آپؐ سے کچھ پوچھے اور ہم سنیں۔ چنانچہ اہل بادیہ میں سے ایک شخص آیا۔ اس نے کہا: اے محمد! آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور ہم سے بیان کیا کہ آپ کا کہنا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ پھر اس شخص نے کہا: آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے۔ اس نے کہا: زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے۔ پھر اس نے کہا: یہ پہاڑ کس نے کھڑے کیے ہیں اور ان میں جو کچھ بنایا ہے وہ کس نے بنایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے۔ اس نے کہا: پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور پہاڑ کھڑے کیے، کیا اللہ نے آپؐ کو بھیجا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: آپؐ کے قاصد نے بیان کیا کہ ہمارے دن اور رات میں ہم

پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا: قسم ہے اس کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: اور آپؐ کے قاصد نے بیان کیا کہ ہم پر ہمارے مالوں میں زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: آپ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ سال میں ماہ رمضان کے روزے بھی ہم پر فرض ہیں۔ فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: آپؐ کے قاصد نے یہ بھی بیان کیا کہ ہم میں سے اُس پر بیت اللہ (کعبہ) کا حج فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ فرمایا: اس نے سچ کہا۔ (راوی) بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ شخص یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں ان میں (اپنی طرف سے) نہ کچھ بڑھاؤں گا اور نہ ان میں کوئی کمی کروں گا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ سچا ہے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔''

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَلِیٍّؓ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ یَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنِّیْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَ یُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَ یُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ یُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا ہے جب تک وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ میں 'محمد' خدا کا رسول ہوں۔ مجھے اس نے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور موت پر ایمان لائے (کہ وہ آنے والی ہے) اور موت کے بعد (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھائے جانے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔''

﴿۴﴾ وَ عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الثَّقَفِیِّؓ قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْ لِّیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلاً لَّآ اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَکَ، قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔

(مسلم)

ترجمہ: سفیان بن عبداللہ الثقفیؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتا دیجیے کہ آپؐ کے بعد پھر میں کسی سے اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''کہو امنت باللّٰہ (میں اللہ پر ایمان لایا) پھر (اُسی پر) جمے رہو۔''

تشریح: اس حدیث میں مختصر لفظوں میں پورے دین کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ اللہ پر ایمان لانا درحقیقت دین کی اصل بنیاد ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی خدا کے وجود کا قائل ہو جائے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خدا کو اس کی تمام صفات کے ساتھ مانے اور اس کے تمام حقوق کو تسلیم کرے۔ وہی شخص کامیاب ہے جو اللہ پر ایمان لایا اور اس کے خالق، رب، آقا اور حاکم ہونے کا اقرار کیا اور اس پر قائم رہا۔ کسی طاقت کے خوف اور لالچ سے وہ اپنے ایمان سے برگشتہ نہ ہو سکا۔ اللہ کو ماننے اور اس سے بندگی کا عہد کرنے کے بعد اس عہد و پیمان پر قائم رہنا زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے تو انھیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ جنت (میں داخل ہونے) والے لوگ ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بدلہ ہوگا اس کا جو وہ کرتے تھے''۔ (الاحقاف: ۱۳-۱۴) قرآن میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے: جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ڈرو نہیں اور غم نہ کرو، بلکہ اس جنت کی بشارت لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی (تمھارے ساتھی ہیں)۔ (حٰمٓ السجدہ: ۳۰-۳۱)

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: یَاْتِی الشَّیْطَانُ اَحَدَکُمْ فَیَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ کَذَا؟ مَنْ خَلَقَ کَذَا؟ حَتّٰی یَقُوْلَ مَنْ خَلَقَ رَبَّکَ فَاِذَا بَلَغَہٗ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ وَلْیَنْتَہِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کے

پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ کہتا ہے کہ تمھارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بات یہاں تک پہنچ جائے تو چاہیے کہ وہ اللہ سے پناہ مانگے اور رک جائے۔''

تشریح: یعنی شیطان لوگوں کے دلوں میں اس طرح کے وسوسے ڈالتا ہے کہ جب تمام چیزوں اور ساری خلقت کا پیدا کرنے والا خدا ہے تو (نعوذ باللہ) خدا کا بھی کوئی خالق ہونا چاہیے، جب اس طرح کے خیالات ذہن میں پیدا ہونے لگیں تو انھیں شیطانی وساوس خیال کر کے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے اور اپنے ذہن کو ان سے ہٹا لینا چاہیے۔ قرآن میں بھی شیطانی وساوس سے محفوظ رہنے کے لیے اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ایسی حالت میں اللہ کی پناہ چاہی جائے۔
(حٰمٓ السجدہ:۳۶۔النحل:۹۸-۹۹،العلق۔الناس)

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ ھٰذَا خَلَقَ اللّٰہُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہَ؟ فَمَنْ وَّجَدَ مِنْ ذَالِکَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ ایک دوسرے سے سوالات کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ سب خلق کو تو اللہ نے پیدا کیا۔ اچھا اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ تو جب کوئی شخص اس طرح کی کوئی بات پائے تو اسے چاہیے کہ کہے: اللہ اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔''

تشریح: یہ تعلیم ان لوگوں کو دی جارہی ہے جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ جب مومن کے سامنے اس طرح کی غیر مومنانہ باتیں آئیں تو ایسی باتوں کو یہ کہہ کر رد کر دینا چاہیے کہ میرا تو اللہ اور رسول پر ایمان ہے۔ میں ایسی کج بحثیوں میں نہیں پڑ سکتا۔ وہ خدا ہی کیا ہوا جس کے بارے میں باپ کا سوال پیدا ہوتا ہو۔ اس طرح کی باتیں وہی کر سکتا ہے جس کا دل ایمان سے خالی ہو یا جو عقل کا دشمن ہو۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ ھٰذَا خَلَقَ اللّٰہُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہَ۔ فَاِذَا قَالُوْا ذَالِکَ فَقُوْلُوْا اَللّٰہُ

اَحَدٌ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ ثُمَّ لِیَتْفُلْ عَنْ یَّسَارِہٖ ثَلٰثًا وَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ ہمیشہ باہم سوالات کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ خلقت کو تو اللہ نے پیدا کیا۔ اچھا اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جب لوگ اس طرح کی باتیں کریں تو کہو: اللہ یکتا ہے، اللہ بے نیاز و مرجعِ کل ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہم سر ہو۔ پھر تین بار اپنی بائیں طرف تھوکو اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہو۔''

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب بہکی ہوئی باتیں کہی جانے لگیں اور لوگ اس طرح کے لغو سوالات میں الجھنے لگیں کہ سب کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے۔ آخر اللہ کا خالق کون ہے؟ تو تمھیں سورۂ اخلاص پڑھنی چاہیے، جس میں خدا کی بنیادی صفات کا ذکر کیا گیا ہے جس میں خدا کی توحید پورے طور پر جلوہ گر ہے۔ سورۂ اخلاص میں خدا کی پہلی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ 'احد' ہے۔ یکتا ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ پھر اس کو مخلوق پر قیاس کر کے یہ سوال اٹھانا کہ اس کا خالق کون ہے، ظلم ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ وہ ''صمد'' یعنی بے نیاز ہے اور سب کا مرجع ہے۔ وہ کامل مطلق ہے۔ اس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں سکتا اس لیے اس کی ذات کے بارے میں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ اس کا خالق کون ہے۔ اگر اس کا خالق تسلیم کیا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے وجود میں کسی دوسرے کا محتاج ہے۔ جب وہ کسی اور کا محتاج ٹھہرا تو پھر اس کی ہستی کامل کیوں کر ہوگی۔ خدا تو وہی ہو سکتا ہے جو اپنے وجود و بقا میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ وہ ہمیشہ سے ہو۔ اگر وہ ہمیشہ سے ہے تو پھر اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ بقا کے لیے کمال کی ضرورت ہے اور کمال کے لیے یکتائی شرط ہے۔ کئی خدا تسلیم کرنے کی صورت میں طاقت و اقتدار مختلف خداؤں میں تقسیم ہو جائے گا، پھر ہم کسی خدا کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ لامحدود طاقت و اقتدار کا مالک ہے۔ جب طاقت و اقتدار کی تحدید ہوگئی تو پھر کوئی خدا بھی عظیم اور کمال کا مالک نہیں رہتا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ خدا یکتا ہے، وہ بے نیاز اور مرجعِ کل ہے۔ پھر جو یکتا اور بے نیاز ہے وہ ہمیشہ سے ہوگا اور جو ہمیشہ سے ہوگا اس کے لیے کسی خالق کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خدا کی احدیت اور اس کی صمدیت کے بعد فرمایا گیا: ’’اس کے کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہم سر ہو۔‘‘ ظاہر ہے جو یکتا اور لاثانی ہوگا وہ کسی کا باپ یا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے اور کوئی اس کا ہم سر کیسے ہوگا۔ اگر اس کی اولاد اور نسل تسلیم کرلی جائے تو پھر اس کی یکتائی کہاں باقی رہتی ہے۔

یہ جو فرمایا کہ سورہ اخلاص پڑھ کر تین بار اپنی بائیں طرف تھوکو تو دراصل یہ وساوس کا نفسیاتی علاج بھی ہے اور شیطان اور برے خیالات سے اپنی بیزاری کا اظہار بھی ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ مَّاتَ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص اس حالت میں مرا کہ وہ (یقین کے ساتھ) جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔‘‘

تشریح: توحید پر یقین رکھنے والے شخص کا آخری ٹھکانا جنت ہی ہے۔ جس شخص کو توحید اور خدا کے واحد الٰہ ہونے کا علم و شعور ہوگا اس کی پوری زندگی توحید کے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ خدا کا ایسا بندہ خدا کے سب سے بڑے انعام (جنت) کا مستحق ہوگا۔ توحید پر یقین رکھنے والا شخص اگر توحید کے عملی تقاضوں سے غافل ہے تو جنت میں داخلے سے پہلے اسے اپنی غفلت کی سزا بھی مل سکتی ہے اور خدا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اسے معاف کردے۔ اس حدیث سے کسی شخص کو یہ دھوکا نہ ہونا چاہیے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے صرف توحید پر ایمان لانا کافی ہے، رسالت پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ رسول کی رہنمائی کے بغیر نہ تو آدمی کو توحید کا پورا علم ہوسکتا ہے اور نہ وہ توحید کے عملی تقاضوں سے واقف ہوسکتا ہے اور یہ خود توحید کا بھی تقاضا ہے کہ آدمی رسالت کو تسلیم کرے کہ خدا ہمیں رہنمائی کے بغیر کیسے چھوڑ سکتا ہے اور رہنمائی کے لیے رسالت ضروری ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: اَتَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ ثَوْبٌ اَبْيَضُ وَ هُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ وَ قَدِ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِکَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ؟ قَالَ وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ، قُلْتُ: وَ اِنْ

زَنٰی وَ اِنْ سَرِقَ۔ قَالَ: وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرِقَ۔ قُلْتُ وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرِقَ؟ قَالَ: وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرِقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِی ذَرٍّ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپؐ اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے۔ پھر میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: جو کوئی بندہ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں) کہے اور پھر اسی پر اسے موت آجائے تو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا: (ہاں) اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے (پھر) عرض کیا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ میں نے پھر عرض کیا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ فرمایا: ''اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور اگر چہ اس نے چوری کی ہو۔ ابوذر کے علی الرغم۔''

تشریح: اس حدیث میں بھی وہی مضمون بیان ہوا ہے جو پچھلی حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔ عقیدۂ توحید پر جس کی موت آئی اس کا آخری ٹھکانا جنت ہے۔ اس حدیث سے مزید اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ بشری کمزوری ہر ایک کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ مومن اور موحد شخص سے بھی بشری کمزوری کی بنا پر قصور سرزد ہو سکتا ہے لیکن مومن کی فطرت کبھی گندی نہیں ہو سکتی۔ غلطی ہو جانے کے بعد وہ فوراً نادم ہوتا اور اپنے قصور کی تلافی کی کوشش کرتا ہے۔ اسے گناہ پر کبھی اصرار نہیں ہوتا۔ خدا اسے توبہ کی توفیق بخشتا اور اسے ظاہری و باطنی پاکیزگی عطا فرماتا ہے۔ عقیدۂ توحید کے ساتھ یہ ناممکن ہے کہ آدمی گناہ اور بدکاری پر جما رہے۔

اس طرح کی حدیثوں سے کسی کو یہ دھوکا ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ توحید کے سوا اسلام کے دوسرے بنیادی عقائد و حقوق اور فرائض کو غیر اہم اور غیر ضروری سمجھنے لگے۔ اس طرح کی حدیثوں کا اصل مفہوم و منشا یہ ہے کہ اسلام میں اصل اور بنیادی چیز توحید کا عقیدہ ہے۔ انبیاء کی بعثت کا اصلی مقصد یہی ہے کہ انسان کو ہر ایک کی بندگی سے نکال کر صرف خدا کا بندہ بنائیں۔ جس شخص نے اس حقیقت کو پالیا کہ خدائے واحد کے سوا دنیا کی کسی چیز کو بھی قطعاً کسی قسم کی الوہیت حاصل نہیں ہے، ایک خدا ہی کی ذات ایسی ہے جس کی اطاعت، غلامی اور پرستش کرنی چاہیے، وہ یقیناً

اپنی زندگی کو سیدھے راستے پر ڈالے گا، وہ صداقت کو قبول کرے گا، وہ ان تمام حقوق کو ادا کرے گا جو خدا کے ٹھہرائے ہوئے ہیں اور وہ ان فرائض کو بجالائے گا جن کو خدا نے فرض قرار دیا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ابوذرؓ کے علی الرغم تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موحد چور اور زانی کا جنت میں جانا خواہ ابوذر کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس طرح کی تعلیم حضور ﷺ نے کاملین کو دی تھی جو یہ جانتے اور سمجھتے تھے کہ اسلام کیا ہے اور اس میں کن چیزوں کو ماننا ضروری ہے۔ کن عبادات کی پابندی اور کن فرائض کی بجا آوری ضروری ہے۔ عام لوگوں کے سامنے اس کو بیان کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے کہ کہیں وہ کسی غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں۔

تنزیہہ و تقدیس

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: کَذَّبَنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذَالِکَ وَ شَتَمَنِیْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذَالِکَ فَاَمَّا تَکْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ کَمَا بَدَأَنِیْ وَ لَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَ اَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَ اَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لِّیْ کُفُوًا اَحَدٌ۔ (احمد بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ یہ بات اسے نہ چاہیے تھی اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ یہ بات اسے نہ چاہیے تھی۔ اس کا مجھے جھوٹا قرار دینا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ جس طرح (اللہ نے) مجھے پہلی بار پیدا کیا ہے وہ (مرنے کے بعد) دوبارہ مجھے ہرگز نہیں زندہ کرے گا۔ حالانکہ میرے لیے پہلی بار پیدا کرنا اس کے دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت آسان تر تو نہ تھا اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ حالانکہ میں یکتا بے نیاز و مرجعِ کل ہوں۔ نہ میں کسی کا باپ ہوں اور نہ بیٹا اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔“

تشریح: یہ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا، پھر ان کے کارنامۂ حیات کا جائزہ لیا جائے گا۔ لیکن کچھ لوگ حیات بعدالموت کا انکار کر کے مجھے جھوٹا قرار دیتے ہیں اور میری اس عظیم حکمت کو باطل کرنا چاہتے ہیں جس

کے تحت یہ کائنات وجود میں لائی گئی ہے حالانکہ اگر وہ سوچتے تو یہ بات ان کی سمجھ میں آسانی سے آسکتی تھی کہ جس خدا نے انھیں پہلی بار زندگی بخشی ہے وہ انھیں دوبارہ زندگی عطا کرنے سے عاجز کیسے ہوجائے گا۔

خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا حقیقت میں خدا کی عظمت کا انکار ہے۔ اگر اس کے لیے اولاد تسلیم کرلیں تو اس سے اس کی یکتائی اور اس کے حی و قیوم ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَّسْمَعُہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدْعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَ یَرْزُقُھُمْ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ سے زیادہ اذیت رساں بات سن کر برداشت کرنے والا کوئی نہیں۔ لوگ خدا کے لیے بیٹا قرار دیتے ہیں پھر وہ انھیں عافیت سے رکھتا اور انھیں رزق دیتا ہے۔‘‘

تشریح: خدا چاہے تو آدمی کی بداعمالی کے سبب اسے عین ارتکابِ جرم کے موقع پر ہی ہلاک کردے۔ اس پر ایسی بجلی گرا دے کہ اس کی چیخ بھی نہ نکل سکے۔ لیکن یہ اس کا حلم ہے کہ وہ ظالموں کو مہلت پر مہلت دیے جاتا ہے اور ان کے رزق کا انتظام فرماتا ہے۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: یُؤْذِیْنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّھْرَ وَ اَنَا الدَّھْرُ بِیَدِی الْاَمْرُ اُقَلِّبُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ۔

(بخاری، مسلم، احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ’’زمانہ کو برا کہہ کر ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ میرے ہی ہاتھ میں سر رشتۂ کار ہے، میں ہی رات اور دن میں الٹ پھیر کرتا ہوں۔‘‘

تشریح: زمانہ کا درحقیقت کوئی وجود نہیں ہے۔ زمانہ محض اضافی چیز ہے۔ شب و روز کی گردش اور سارے تصرفات اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ آدمی اگر مصائب سے پریشان ہوکر زمانہ کو برا کہتا ہے تو اس کے برا کہنے کی زد حقیقت میں خدا پر پڑتی ہے اس لیے کہ صاحبِ تصرف خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اقتدار اسی کا ہے۔

〈۴〉 وَ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُھَنِیِّؓ قَالَ صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ

بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى اَثَرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ وَ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ رَحْمَتِهٖ فَذَالِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ وَ اَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءٍ كَذَا وَ كَذَا فَذَالِكَ كَافِرٌ بِيْ وَ مُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: زید بن خالد جہنیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں بارش کے بعد جو رات سے ہو رہی تھی ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ جب آپؐ نماز سے لوٹے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ بولے: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا: ''اس نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے کچھ لوگوں نے مجھے مانا اور کچھ کافر ہو گئے۔ جس نے کہا کہ ہم پر خدا کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی اس نے مجھے مانا اور ستاروں کا انکار کیا اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں نچھتروں سے ہم پر بارش ہوئی ہے وہ میرا منکر اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ انسان کی قسمت اور نفع نقصان یا بارش وغیرہ کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی کارساز نہیں ہے۔ سب تصرفات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے اس کے حکم سے ہوتا ہے، وہ ہی مسبب الاسباب ہے۔ بارش کے موقع پر اس کے فضل وکرم کو بھول جانا اور اسے ستاروں اور نچھتروں کی کرشمہ سازی سمجھنا درحقیقت خدا کی شان میں سخت گستاخی کی بات ہے۔ عالمِ اسباب میں ستاروں اور نچھتروں کی جو واقعتہً حیثیت ہے اس سے انکار نہیں لیکن فوق الفطری طریقہ پر حکمراں ذات صرف خدائے بزرگ و برتر کی ہے۔ اسی کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اس لیے بھروسہ اور توکل اسی کی ذات پر ہونا چاہیے اور ساری امیدیں اسی سے وابستہ رکھنی چاہئیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَغْفِرُ لِعَبْدِيْ مَالَمْ يَقَعِ الْحِجَابُ. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْحِجَابُ؟ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ النَّفْسُ وَ هِيَ مُشْرِكَةٌ. (احمد، بیہقی)

ترجمہ: ''ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت

فرماتا ہے جب تک کہ حجاب حائل نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! حجاب کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ کہ کوئی اس حال میں مرے کہ مشرک ہو۔''

تشریح: بندے نے جب خدا کے علاوہ کسی اور کو بھی اپنا خدا سمجھ لیا۔ اسے خدائی میں شریک کرنے لگا اور اس سے اس طرح کی امیدیں وابستہ کرلیں جو صرف خدا ہی سے کی جاتی ہیں تو اس نے اپنے اور اپنے حقیقی خدا کے درمیان ایسی دوری پیدا کرلی کہ وہ خدا کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہیں رہتا۔ اگر وہ اپنے رویہ میں تبدیلی پیدا کر کے ایک خدا کا پرستار بن جائے تو خدا اس کے قصور کو معاف کرسکتا ہے۔ لیکن اگر شرک ہی کی حالت میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا تو پھر وہ عمل کہاں سے آئے گا جو اس دیوار کو ڈھا سکے جو اس نے اپنے اور خدا کے درمیان کھڑی کی ہے۔

رحمت و مغفرت

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِیْ كِتَابِهٖ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ نے خلق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھ دیا، جو عرش پر اس کے پاس موجود ہے: میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔''

تشریح: ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ۔ ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔'' مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت غالب ہے۔ یہ اس کی رحمت ہی ہے کہ اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا، ان کی ہدایت کے لیے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ اس کی رحمت ہی ہے کہ وہ مفسدوں اور ظالموں کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ انھیں سنبھلنے اور ظلم و زیادتی سے باز آنے کا پورا موقع دیتا ہے۔ وہ اس کا انکار کرتے ہیں پھر بھی وہ ان کے لیے رزق فراہم کرتا ہے۔ وہ اس کی ہدایت سے منھ موڑتے اور اس کے رسولوں کو ستاتے ہیں، پھر بھی وہ ان پر فوراً عذاب نہیں بھیجتا بلکہ انھیں سوچنے سمجھنے کا پورا موقع دیتا ہے۔ آخرت میں اس کی رحمت کامل طور پر ظاہر ہوگی۔ اس دن وہ انصاف فرمائے گا۔ قرآن مجید میں بھی اعلان فرمایا گیا ہے: وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف: ۱۵۶) ''میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔'' اللہ کے یہاں

بنیادی حیثیت اس کے غضب کو نہیں اس کی رحمت کو حاصل ہے۔ یہ کائنات کا نظم اس کی رحمت اور عدل پر قائم ہے۔ اس کا غضب تو بس انھی لوگوں پر اترتا ہے جو سرکشی اور ظلم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ لِلّٰهِ مِاةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَّاحِدَةً بَیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَهَآئِمِ وَالْهَوَآمِّ فَبِهَا یَتَعَاطَفُوْنَ وَ بِهَا یَتَرَاحَمُوْنَ وَ بِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰی وَلَدِهَا وَ اَخَّرَهَا اللّٰهُ تِسْعًا وَّ تِسْعِیْنَ رَحْمَةً یَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ کی سَو رحمتیں ہیں جن میں سے اس نے صرف ایک حصہ جن و انس، چوپایوں اور حشرات الارض میں اتارا جس کی وجہ سے وہ باہم شفقت کرتے اور ایک دوسرے پر رحم کھاتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچے کی طرف مائل ہوتا ہے اور ننانوے رحمتوں کو اس نے رکھ چھوڑا ہے۔ ان سے وہ قیامت کے روز اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔‘‘

تشریح: دنیا میں جہاں کہیں جس شکل میں رحمت اور محبت ظاہر ہوتی ہے وہ حقیقت میں خدا کی اس رحمت کا اثر ہے جو اس نے دنیا میں اتاری ہے۔ خدا کی رحمت کا کامل ظہور آخرت میں ہوگا۔ جو لوگ آخرت سے غافل ہیں وہ خدا کی بے پایاں رحمت سے اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ اَنَّهٗ قَالَ: قَدِمَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ سَبْیٌ فَاِذَا امْرَاَةٌ مِنَ السَّبْیِ قَدْ تَحَلَّبَ ثَدْیُهَا تَسْعٰی فَاِذَا وَجَدَتْ صَبِیًّا فِی السَّبْیِ اَخَذَتْهُ فَاَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَاَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِیُّ ﷺ اَتَرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِی النَّارِ؟ فَقُلْنَا لَا وَهِیَ تَقْدِرُ عَلٰی اَنْ لَّا تَطْرَحَهٗ فَقَالَ اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرؓ بن الخطاب فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے۔ ان قیدیوں میں ایک عورت پر نظر پڑی جس کی چھاتیوں سے دودھ بہہ رہا تھا وہ (اپنا بچہ) تلاش کرتی پھرتی تھی۔ جب اسے قیدیوں میں بچہ مل جاتا اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیتی اور اسے دودھ پلانے لگتی۔

نبی ﷺ نے ہم سے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے، کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں جب کہ اسے یہ قدرت حاصل ہو کہ اسے (آگ میں) نہ ڈالے۔ اس پر (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: ''اللہ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے جتنا یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہے۔''

تشریح: اللہ اپنے بندوں پر حد درجہ مہربان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے اور ان پر اپنی کتابیں اتاریں، پھر بھی جو لوگ ہلاکت ہی کی طرف بڑھتے ہیں اور کفر اور انکارِ حق سے باز نہیں آتے انھیں وہ فوراً نہیں پکڑتا بلکہ انھیں مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے کہ شاید وہ اپنی سرکشی سے باز آجائیں۔ اس کے باوجود جو لوگ اس کی رحمت سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں وہ ان کے ساتھ زبردستی بھی نہیں کرتا، کہ وہ نفرت کیے جائیں اور وہ انھیں بجبر راہِ راست پر لے آئے۔ اللہ تعالیٰ جہاں رحیم و مہربان ہے وہیں وہ غیور بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے: ولا یھلک علی اللّٰہ الا ھالک ''اللہ کے یہاں کوئی تباہ نہ ہوگا اس شخص کے علاوہ جو تباہ ہی ہونے والا ہے۔'' خدا ہلاکت اور تباہی کا سرچشمہ نہیں ہے۔ وہ تو خیر و برکت کا خزانہ ہے۔ وہ ایک ایسی پناہ گاہ کے مانند ہے جس پر پورا بھروسہ کیا جاسکے۔ اس صورت میں اگر کوئی تباہ ہوتا ہے تو یہ تباہی اور ہلاکت اس کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ جو شخص فوز و فلاح کے مقابلہ میں اپنے لیے خود ہلاکت کو ترجیح دیتا ہے تو آخر خدا کو کیا پڑی ہے کہ وہ اسے اس کے انجامِ بد سے نجات دے۔ خدا اپنی رحمت کے ہاتھوں ایسا مجبور تو نہیں ہے کہ وہ حق و حکمت اور غیرت کو یکسر نظر انداز کردے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرِّ الْغِفَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَ اَزِیْدُ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَجَزَاءُ سَیِّئَۃٍ مِثْلُھَا اَوْ اَغْفِرُ وَ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ ذِرَاعًا وَّ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ بَاعًا وَّ مَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً وَّ مَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِیْئَۃً لاَ یُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَقِیْتُہٗ بِمِثْلِھَا مَغْفِرَۃً۔ (مسلم۔ترمذی)

ترجمہ: ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: ''جو

شخص ایک نیکی کرے گا اس کا دس گنا بدلہ ملے گا اور میں مزید اسے عطا کروں گا اور جو برائی کرے گا اسے صرف ایک برائی کا بدلہ ملے گا یا میں معاف کردوں۔ اور جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوا میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوں گا اور جو میری طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف لپکتا ہوا آؤں گا اور جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ کر کے ملے گا میں اس سے اسی جیسی مغفرت لے کر ملوں گا بشرطیکہ اس نے کسی کو میرا شریک نہ قرار دیا ہو۔"

تشریح: یہ حدیث قدسی ہے۔ یہ حدیث بھی بتاتی ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے اللہ کی رحمت ان بندوں کی طرف بڑھنے کو بیتاب ہے جو خدا کی عنایت کے امیدوار ہو کر اس کی جانب بڑھتے اور اس کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْمَا یَحْکِیْ عَنْ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: اَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْبًا۔ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اَذْنَبَ عَبْدِیْ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ یَاْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ فَقَالَ اَیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی عَبْدِیْ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ یَاْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ فَقَالَ اَیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اَذْنَبَ عَبْدِیْ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ یَاْخُذُ بِالذَّنْبِ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: "ایک بندہ نے گناہ کیا اور کہا: اے اللہ میرا گناہ معاف کردے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میرے بندہ نے گناہ کیا اور یہ سمجھا کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا اور گناہ پر مؤاخذہ کرتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد اس نے پھر گناہ کیا اور کہا: اے میرے رب میرا گناہ معاف کردے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میرے بندہ نے گناہ کیا اور یہ سمجھا اس کا کوئی رب ہے جو گناہ کو بخشتا اور گناہ پر مؤاخذہ فرماتا ہے کچھ مدت کے بعد اس نے پھر گناہ کیا اور کہا: اے میرے رب! میرا گناہ بخش دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا اور یہ سمجھا کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ کو بخشش اور گناہ پر مواخذہ فرماتا ہے: (اگر تیرے رجوع الی اللہ کا یہی حال ہے) تو اب جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا۔"

تشریح: اس حدیث قدسی سے معلوم ہوا کہ جب بندہ سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے۔ وہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ اس بندہ کا مجھ پر یہ حق ہوتا ہے کہ میں اس کی خطاؤں کو بخش دوں اور اسے اپنی رحمت سے مایوس نہ کروں۔

اس حدیث میں گناہ پر بخشش طلب کرنا اور توبہ کرنا رسمی توبہ نہیں، حقیقی توبہ مراد ہے۔ ایک بندۂ مومن سے گناہ ہوجاتا ہے۔ پھر اسے خدا کی ربوبیت اور اس کا عذاب یاد آتا ہے۔ وہ سچے دل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اور اللہ اس کی غلطی کو معاف کردیتا ہے۔ بشری کمزوری اور قوتِ ارادی کے ضعف کے تحت اس سے پھر گناہ ہوجاتا ہے، وہ پھر کانپ اٹھتا ہے اور اللہ کے حضور پھر توبہ کرتا ہے۔ وہ اللہ ہی کے راستے پر چلنا چاہتا ہے مگر بار بار اس کا قدم ڈگمگاتا ہے مگر ہر بار گر کر وہ سنبھلتا ہے اور سنبھل کر اللہ کی رضا کے راستے پر گامزن ہوجاتا ہے۔ ایسے شخص سے خواہ کتنی ہی بار گناہوں کا صدور ہو، اس کی توبہ اسے اللہ کی مغفرت کا مستحق بنائے گی۔

〈۶〉 وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ "يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا" الْاٰيَة. فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَ مَنْ اَشْرَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (احمد)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر اس آیت کے بدلے میں مجھے پوری دنیا مل جائے تو بھی مجھے پسند نہیں: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے آس نہ توڑو۔ اس پر ایک شخص نے کہا: اچھا کیا وہ شخص بھی جس نے شرک کیا ہے؟ نبی ﷺ خاموش رہے۔ پھر فرمایا: "سن لو، جس نے شرک کیا وہ بھی۔" تین بار فرمایا۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے خدا کی نافرمانی کرکے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے انھیں اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے۔ شرک جیسے بڑے گناہ کو بھی اللہ معاف کرسکتا ہے بشرطیکہ بندہ توبہ کرکے شرک سے باز آجائے اور اپنے کو اللہ واحد کی بندگی میں دے دے۔

اس حدیث میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور جو آپؐ کی نگاہ میں ساری دنیا سے بڑھ کر قدر و قیمت کی حامل ہے وہ آیت یہ ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۳۹:۵۳)

کہہ دو: ''اے میرے بندو، جنھوں نے اپنے جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، یقیناً اللہ سارے ہی گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ صَلٰوةٍ وَّ قُمْنَا مَعَهٗ فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ وَ هُوَ فِی الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّدًا وَلاَ تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِلْاَعْرَابِیْ لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا۔ (بخاری)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے، ہم بھی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ایک دیہقانی نے نماز میں ہی کہا: اے اللہ! میرے اوپر اور محمدؐ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی دوسرے پر رحم مت کر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو اس دیہقانی سے فرمایا: ''تو نے نہایت وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔''

تشریح: یعنی اللہ کی رحمت تو نہایت وسیع تھی، اسے تو نے کیوں صرف دو آدمیوں تک محدود رکھا۔

〈۸〉 وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لاَ یُدْخِلُ اَحَدًا مِّنْکُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلاَ یُجِیْرُهٗ مِنَ النَّارِ وَلاَ اَنَا اِلاَّ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہ کرے گا اور نہ (دوزخ کی) آگ سے بچائے گا اور مجھے بھی نہیں مگر اللہ کی رحمت سے۔''

تشریح: آدمی اللہ کی اطاعت و بندگی میں کوشش کیوں نہ کرے۔ خدا کا حق کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ آدمی سے کوئی نہ کوئی کوتاہی اور قصور ہو ہی جاتا ہے، اللہ کی رحمت ہی ہے جس کے سہارے آخرت میں آدمی کی مغفرت ہو سکے گی۔

〈۹〉 وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِیْنَ یَتُوْبُ اِلَیْهِ مِنْ اَحَدِکُمْ کَانَتْ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضٍ فَلاَةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَ عَلَیْهَا طَعَامُهٗ وَ شَرَابُهٗ فَاَیِسَ مِنْهَا فَاَتٰی شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّهَا قَدْ اَیِسَ مِنْ رَّاحِلَتِهٖ فَبَیْنَمَا هُوَ کَذَالِکَ اِذْ هُوَ بِهَا قَآئِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَ اَنَا رَبُّکَ اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی بندہ خدا کے

حضور توبہ کرتا ہے تو وہ اپنے بندہ کی توبہ سے تم میں سے اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانا پانی کے کسی چٹیل میدان میں کھو جائے اور وہ تلاش و جستجو کے بعد ایک درخت کے پاس آ کر اس کے سایہ میں مایوس ہو کر پڑ رہے، پس اسی حالتِ یاس میں وہ پڑا رہے، اسی اثنا میں اس کی سواری اس کے پاس آ کھڑی ہو اور وہ اس کی رسّی پکڑ لے اور خوشی و مسرت کی شدت میں بول اٹھے: اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ مارے خوشی کے غلط کہنے لگے۔''

تشریح: یعنی خوشی کی شدت کے سبب غلط کلمات اس کی زبان پر آ جائیں۔ اس حدیث میں خدا کی بے پایاں رحمت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ انجیل میں بھی خدا کی رحمت و مغفرت کی بعض دل نشیں تمثیلیں ملتی ہیں۔ ایک جگہ آیا ہے: ''تم کیا سمجھتے ہو؟ اگر کسی آدمی کی سو بھیڑیں ہوں اور ان میں سے ایک بھٹک جائے تو کیا وہ ننانوے کو چھوڑ کر اور پہاڑ میں جا کر اس بھٹکی ہوئی کو نہ ڈھونڈے گا؟ اور اگر ایسا ہو کہ اسے پائے تو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ ان ننانوے کی نسبت جو بھٹکی نہیں اس بھیڑ کی زیادہ خوشی کرے گا۔ اس طرح تمھارا آسمانی باپ یہ نہیں چاہتا کہ ان چھوٹے ہوؤں میں سے ایک بھی ہلاک ہو۔'' (متی ۱۸: ۱۲-۱۴)

ایک دوسری جگہ کھوئی ہوئی بھیڑ کی مثال دے کر کہا گیا ہے: ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گنہ گار کے باعث آسمانوں پر زیادہ خوشی ہوگی۔'' (لوقا ۱۵: ۷) اسی طرح ایک دل نشیں مثال اس بیٹے کی دی گئی ہے جو نہایت نالائق تھا۔ جس نے اپنی ساری متاع بد چلنی میں لٹا دی تھی۔ جب وہ پریشانی میں مبتلا ہوا تو کہا: ''اب میں اٹھ کر اپنے باپ کے پاس جاؤں گا اور اس سے کہوں گا اے باپ: میں آسمان کا اور تیری نظر میں گناہ گار ہوا۔ اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں۔ مجھے اپنے مزدوروں جیسا کر لے۔'' پس وہ اٹھ کر اپنے باپ کے پاس چلا۔ وہ ابھی دور ہی تھا کہ اسے دیکھ کر اس کے باپ کو ترس آیا اور دوڑ کر اس کو گلے لگا لیا اور چوما۔ بیٹے نے اس سے کہا: ''اے باپ! میں آسمان کا اور تیری نظر میں گناہ گار ہوا۔ اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں۔'' باپ نے اپنے نوکروں سے کہا: ''اچھے سے اچھا لباس جلد نکال کر اسے پہناؤ اور اس کے ہاتھ میں انگوٹھی اور پاؤں میں جوتی پہناؤ اور پلے ہوئے بچھڑے کو لا کر ذبح کرو تا کہ ہم کھا کر خوشی منائیں کیونکہ میرا یہ بیٹا مردہ تھا۔ اب زندہ ہوا، کھو گیا تھا اب ملا ہے۔'' (دیکھیے لوقا: باب ۱۵)

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ يُدْنِی الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَشَفَهٗ وَ يَسْتُرُهٗ فَيَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُوْلُ: نَعَمْ اَیْ رَبِّ حَتّٰی قَرَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَ رَاٰی فِیْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ قَالَ: سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِی الدُّنْيَا وَ اَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطٰی كِتَابُ حَسَنَاتِهٖ وَ اَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَيُنَادٰی بِهِمْ عَلٰی رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ هٰٓؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت کے دن) اللہ مومن کو اپنے قریب کر لے گا اور اپنی حفاظت کی چادر ڈال کر اسے ڈھک دے گا۔ پھر خدا فرمائے گا: کیا تم اس گناہ کو جانتے ہو؟ کیا تم اس گناہ سے واقف ہو؟ بندۂ مومن کہے گا: ہاں، اے رب (میں واقف ہوں) یہاں تک کہ خدا اس سے اس کے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور وہ اپنے جی میں سمجھے گا کہ وہ (اپنے گناہوں کی پاداش میں) اب ہلاک ہوا۔ خدا فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے ان عیوب پر پردہ ڈالا اور آج میں تیرے ان گناہوں کو بخش دوں گا۔ اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ رہے کافر اور منافق لوگ انھیں مخلوقات کے سامنے طلب کیا جائے گا اور پکار کر کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں جان لو اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر!

تشریح: معلوم ہوا کہ اللہ مومن بندے کو اپنی حفاظت میں لے لے گا اور اسے ہر طرح کی رسوائی سے بچائے گا۔ مومن اگر واقعی مومن ہے، ظالم، خدا کا نافرمان اور باغی نہیں ہے تو اس پر قیامت کے دن خدا کی خاص عنایت ہوگی۔ بشری تقاضے کے تحت اس سے جو کوتاہی اور گناہ کے جو کام بھی ہوئے ہوں گے خدا ان کو معاف کر دے گا اور قیامت کے دن کی رسوائی اور ذلت سے اسے بچا لے گا۔ اس کے برخلاف کفار اور منافقین کے لیے قیامت کا دن ذلت و رسوائی کا دن ہوگا۔ وہ اپنے کرتوتوں کی سزا اس دن پا کر رہیں گے۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ وَّ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُعْطِیْ عَلَی الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِیْ عَلَی الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِیْ عَلٰی مَا سِوَاهُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خدا مہربان ہے اور نرمی و مہربانی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ چیز عطا فرماتا ہے جو درشتی اور سختی پر نہیں عطا فرماتا اور نہ کسی اور ہی چیز پر عطا فرماتا ہے۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ نرم خوئی اور مہربانی کا رویّہ ہی اللہ کو پسند ہے۔ اس کی تائید اور تعاون، نرمی اور مہربانی کے ساتھ وابستہ ہے۔ وہ خود بھی مہربان خدا ہے۔ اس کا غضب اور قہر اگر ٹوٹتا ہے تو صرف ان ظالموں پر جو ہلاکت ہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ ظالموں کو بھی اللہ سنبھلنے اور صحیح راہ پر آنے کا پورا موقع دیتا ہے۔ لیکن جب ان کی سرکشی حد سے آگے بڑھ جاتی ہے تو پھر وہ غضبِ خداوندی کا شکار ہو کر رہتے ہیں۔ خدا مہربان اور رحمت والا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ عادل، منصف اور غیرت والا بھی ہے۔ اس کی غیرت اور عدل کو چیلنج کر کے کوئی کہاں پناہ پا سکتا ہے۔ رحمت کے ساتھ جب تک عظمت کی صفات سے بھی خدا کو متصف نہ مانا جائے، الوہیت کا تصور ناقص رہتا ہے۔

خدا کی عظمت

(۱) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِاَرْبَعٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَ یَرْفَعُہٗ یُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ بِالنَّھَارِ وَ عَمَلُ النَّھَارِ بِاللَّیْلِ۔ (احمد، مسلم، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر چار باتیں بیان فرمائیں: ”اللہ عزوجل سوتا نہیں اور نہ یہ اس کے شایانِ شان ہے کہ وہ سوئے، میزانِ عدل کو جھکاتا اور اسے اونچا کرتا ہے۔ رات کے عمل دن میں اور دن کے عمل رات میں اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔“

تشریح: اللہ غافل نہیں ہوتا۔ اسے اونگھ یا نیند نہیں ستاتی لا تاخذہ سنۃ ولا نوم۔ (البقرہ:۲۵۵) ”اسے نہ اونگھ لگتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔“ اس طرح کی جملہ کمزوریوں سے وہ پاک ہے۔ پھر سارے اختیارات اسی کے قبضے میں ہیں، جسے چاہتا ہے پست کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بلندی بخشتا ہے۔ کسی کو روزی میں کشادگی عطا کرتا ہے، کسی کو نپی تلی روزی دیتا ہے اور اس کے فیصلے حق و

انصاف اور حکمت کی میزان میں پورے اترتے ہیں۔ اس کا کوئی فیصلہ عدل و انصاف سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی کام حکمت اور مصلحت سے خالی ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے آدمی اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ خدا کی عظمت اور حاکمیت کا یہ حال ہے کہ سارے ہی اعمال اور کارگزاریاں اس کے حضور میں پیش ہوتی ہیں۔ وہ کسی کام سے بھی بے خبر نہیں ہے۔ وہ براہ راست ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ فرشتے بھی اپنی کارگزاری اور انسانوں کے اعمال کو اس کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَّنَامَ وَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَ یَرْفَعُهٗ، حِجَابُهُ النَّارُ لَوْ كَشَفَهَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ شَیْءٍ اَدْرَكَهٗ بَصَرُهٗ ثُمَّ قَرَءَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ: فَلَمَّا جَآءَ هَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(مسلم، احمد، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سوتا نہیں اور نہ یہ اس کے شایانِ شان ہے کہ وہ سوئے۔ میزانِ عدالت کو پست کرتا اور اسے اونچا کرتا ہے (مخلوق اور اس کے درمیان اس کے رُخ کی) تابش اس کا حجاب ہے۔ اگر وہ اسے اٹھادے تو اس کے رخ کا جلال جہاں تک نظر جائے سب کو جلا کر رکھ دے۔'' اس کے بعد ابوعبیدہؓ نے (قرآن کی اس آیت کو) پڑھا۔ ''جب وہ (یعنی موسیٰ) اس کے پاس پہنچا، تو اسے آواز دی گئی کہ برکت دی گئی اسے جو اس آتش میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے! اور باعظمت ہے اللہ سارے جہان کا رب۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نگاہِ خلق اگر خدا کو دیکھنے سے عاجز ہے تو اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ درمیان میں کوئی حجاب اور تاریکی حائل ہے بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ خدا کی عظمت اور جلال کے انوار ہی اس کا حجاب بن رہے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح آفتاب کی روشنی اور اس کی چمک آفتاب کے لیے حجاب ثابت ہوتی ہے۔ ہماری بینائیوں میں یہ طاقت نہیں کہ وہ خدا کے دیدار کی تاب لاسکیں۔ حضرت موسیٰؑ نے دیدار کی خواہش ظاہر کی تھی مگر وہ اس کی تاب نہ لاسکے اور بیہوش ہوکر گر پڑے اور پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے۔ (الاعراف: ۱۴۳)

حضرت ابوعبیدہؓ نے جس آیت کی تلاوت کی وہ سورہ النمل کی آیت ۸ ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنِّیْ اَرٰی مَالاَ تَرَوْنَ وَ اَسْمَعُ مَالاَ تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَآءُ وَ حَقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِيْهَا مَوْضَعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ لَوْ عَلِمْتُمْ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلاً وَّ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّلاَ تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَآءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ وَ لَخَرَجْتُمْ عَلٰى اَعْلَى الصُّعُدَاتِ تَجْاءَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ وَاللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ شَجَرَةٌ تُعْضَدُ۔ (ترمذی، ابن ماجہ، احمد)

ترجمہ: ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چر چرآواز کر رہا ہے اور اسے چر چر کرنا ہی چاہیے۔ اس میں چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی سجدہ کرنے والا فرشتہ موجود نہ ہو۔ اگر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو ہنستے کم اور روتے زیادہ اور اپنے بستروں پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز نہ ہوتے اور خدا کی طرف چیخ و پکار کرتے ہوئے وادیوں میں نکل جاتے۔‘‘ ابوذرؓ فرماتے ہیں: ’’کاش میں ایک درخت ہوتا (جو جڑ سے) کاٹ دیا جاتا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں خدا کے جاہ و جلال اور اس کی عظمت و کبریائی کا اظہار جس انداز میں فرمایا گیا ہے وہ انتہائی مؤثر ہے۔ کسی معنوی حقیقت کے اظہار کا مؤثر ترین انداز یہی ہے کہ براہ راست اس پر گفتگو کرنے کے بجائے خارجی ماحول پر اس کے جو اثرات پڑ رہے ہوں انھیں اس کے اظہار کا ذریعہ بنایا جائے۔ یہ رسول ہی کا ظرف اور اس کی قوتِ برداشت ہے کہ وہ غیبی حقائق سے براہ راست واقف ہونے کے باوجود اپنے ہوش و حواس کو باقی رکھتا ہے۔ دوسرا کوئی اس کا تحمل نہیں کرسکتا۔ دوسرا کوئی اگر ان باتوں سے واقف ہو جائے جن سے رسول باخبر ہوتا ہے تو اس کا وہی حال ہو جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اس کے لیے دنیا میں دلچسپی کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ آسمان میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ خدا کی عظمت کے آگے سربسجود نہ ہو اور آسمان کا عالم یہ ہے کہ وہ چر چرا رہا ہے لیکن انسانوں کا حال یہ ہے کہ انھیں اس کا کچھ بھی شعور نہیں کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ يَطْوِی السَّمَآءَ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ۔

(بخاری، مسلم، احمد)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ زمین کو اپنے قبضہ میں لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

تشریح: اس حدیث میں وہی بات فرمائی گئی ہے جو قرآن میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﺻﻠﮯ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ o (الزمر: ٦٧) ''اللہ جیسا کچھ ہے یہ لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکے۔ اس کا حال تو یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ زمین پوری کی پوری اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ باعظمت ہے وہ اور بلند ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔'' اس حدیث اور قرآن کی اس آیت میں اللہ کی قدرت، اس کی طاقت، اقتدار اور اس کی عظمت و کبریائی کا اچھوتا بیان ہے۔ قیامت کے دن یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہ رہے گی کہ زمین و آسمان سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ آج زمین پر جو لوگ حکمراں اور فرماں روا بنے ہوئے ہیں ان کی جھوٹی حکمرانی اور فرماں روائی اس دن ختم ہو چکی ہوگی۔ ان پر اپنی حقیقت پورے طور پر واضح ہو چکی ہوگی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ قُلُوْبَ بَنِيْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ يَصْرِفُهٗ كَيْفَ يَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ۔ (مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی آدم کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ وہ جیسا چاہتا ہے انھیں پھیرتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔''

تشریح: انسان کا ظاہر ہی نہیں، باطن بھی خدا کے قبضے میں ہے۔ وہ ہمارے دلوں کو جس طرف چاہے پھیر دے۔ خدا سے اسی بات کی درخواست کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمارے دل کو اپنی طاعت و بندگی ہی کی طرف جھکائے رکھے۔ انسان کے اندر جس چیز کی طلب ہوتی ہے خدا اس کے دل کو بھی اسی طرف جھکا دیتا ہے۔ یہ انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا میں کس چیز کا طالب بنتا ہے۔

﴿٦﴾ وَ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ قَالَ: اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَعْرَابِیٌّ وَ قَالَ جُھِدَتِ الْاَنْفُسُ وَ جَاعَ الْعِیَالُ وَ نُہِکَتِ الْاَمْوَالُ وَ ھَلَکَتِ الْاَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللّٰہَ لَنَا فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِکَ عَلَی اللّٰہِ وَ نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰہِ عَلَیْکَ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: سُبْحَانَ اللّٰہِ! سُبْحَانَ اللّٰہِ! فَمَا زَالَ یُسَبِّحُ حَتّٰی عُرِفَ ذَالِکَ فِیْ وُجُوْہِ اَصْحَابِہٖ ثُمَّ قَالَ: وَیْحَکَ اِنَّہٗ لاَ یُسْتَشْفَعُ بِاللّٰہِ عَلٰی اَحَدٍ شَانُ اللّٰہِ اَعْظَمُ مِنْ ذَالِکَ وَیْحَکَ اَتَدْرِیْ مَا اللّٰہُ اِنَّ عَرْشَہٗ عَلٰی سَمٰوٰاتِہٖ ھٰکَذَا وَ قَالَ بِاِصْبَعِہٖ مِثْلَ الْقُبَّۃِ عَلَیْہِ وَ اِنَّہٗ لَیَءَطُّ بِہٖ اَطِیْطَ الرَّحْلِ بِالرَّاکِبِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے پاس ایک دیہاتی آیا، اس نے کہا: لوگوں کی جانیں مشقت میں پڑ گئیں۔ بچے بھوکے ہوئے، مال تباہ ہوگئے، چوپائے ہلاک ہوگئے۔ اس لیے اللہ سے ہمارے لیے بارش کی دعا کیجیے۔ ہم خدا کے سامنے آپؐ کی سفارش چاہتے ہیں اور آپؐ کے سامنے خدا کی سفارش چاہتے ہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے اور یہاں تک تسبیح فرماتے رہے کہ آپؐ کے رفقاء کے چہروں پر بھی اس کا اثر ہونے لگا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''ارے (نادان) خدا کی سفارش کسی کے سامنے نہیں پیش کی جاتی۔ اللہ کی شان اس سے بہت بلند و برتر ہے۔ تو جانتا بھی ہے کہ اللہ کی شان کیا ہے؟ اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح قائم ہے۔ آپؐ نے اپنی انگلیوں سے قبہ کی شکل بنا کر دکھایا، فرمایا: وہ اس کی عظمت سے اس طرح چرچر کر رہا ہے جیسے کجاوہ سوار کے بوجھ سے چرچر کرتا ہے۔''

﴿٧﴾ وَ عَنْ اُمِّ الْعَلاَءِ الْاَنْصَارِیَّۃِؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: وَاللّٰہِ لاَ اَدْرِیْ وَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلاَ بِکُمْ۔ (بخاری)

ترجمہ: ام العلاء انصاریہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم میں نہیں جانتا بخدا میں نہیں جانتا اگرچہ میں خدا کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا۔''

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول برحق ہیں۔ آپؐ نے خدا کی طرف سے لوگوں کو زندگی کے حقائق سے باخبر کیا۔ انھیں زندگی کی صحیح ترین راہ دکھائی اور یہ بتایا کہ ایک دن خدا کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آپؐ کو خدا کی عظمت کا اس درجہ احساس ہے

کہ فرما رہے ہیں کہ اس اہم دن جو فیصلہ کا دن ہوگا، جس دن خدا اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ ظاہر ہوگا میں نہیں کہہ سکتا کہ دنیا کس صورتِ حال سے دوچار ہوگی۔ اس کا صحیح اندازہ مجھے نہیں ہے۔ میں اس ہیبت ناک منظر کی پوری تصویر کھینچنے سے اپنے کو قاصر پاتا ہوں۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ رَبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ اَنَّہٗ قَالَ: یَا عِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَ جَعَلْتُہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا یَا عِبَادِیْ. کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُہٗ فَاسْتَھْدُوْنِیْ اَھْدِکُمْ۔ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُہٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْکُمْ۔ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُہٗ فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ۔ یَا عِبَادِیْ اِنَّکُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَ اَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْ لَکُمْ۔ یَا عِبَادِیْ اِنَّکُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ۔ یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا زَادَ ذَالِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا۔ یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا نَقَصَ ذَالِکَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا۔ یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ وَّ سَاَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَہٗ مَا نَقَصَ ذَالِکَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا دَخَلَ فِی الْبَحْرِ۔ یَا عِبَادِیْ اِنَّمَا ھِیَ اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْھَا لَکُمْ ثُمَّ اُوَفِّیْکُمْ اِیَّاھَا فَمَنْ وَّجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ مَنْ وَّجَدَ غَیْرَ ذَالِکَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَہٗ۔ (مسلم، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ عزوجل سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام کیا ہے، تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اے میرے بندو! تم سب راہ سے بھٹکے ہوئے ہو، اس کے سوا جسے میں نے راہ دکھائی، تو مجھ سے ہدایت مانگو، میں تمھیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو اس کے سوا جسے میں نے کھلایا، تو مجھ سے

کھانا مانگو، میں تمھیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو اس کے سوا جسے میں نے لباس پہنایا، تو مجھ سے لباس مانگو، میں تمھیں پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن خطائیں کیا کرتے ہو۔ میں سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں، تو مجھ سے معافی مانگو، میں تمھیں معاف کردوں گا۔ اے میرے بندو! تم ہرگز مجھے نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں نہیں ہو سکتے کہ مجھے نقصان پہنچاؤ۔ اور تم ہرگز مجھے فائدہ پہنچانے کی پوزیشن میں نہیں ہو سکتے کہ مجھے فائدہ پہنچاؤ۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور تمھارے پچھلے، تمھارے انس اور تمھارے جن تم میں سب سے بڑھ کر (اللہ کا) ڈر رکھنے والے شخص کی طرح ہو جائیں، تو یہ چیز میری بادشاہی میں کچھ بڑھا نہیں سکتی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور تمھارے پچھلے، تمھارے انس اور تمھارے جن تم میں سب سے بڑھ کر فاجر شخص کی طرح ہو جائیں تو یہ چیز میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں پیدا کرسکتی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور تمھارے پچھلے، تمھارے انس اور تمھارے جن سب ایک میدان میں کھڑے ہوں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر شخص کی مانگ پوری کروں۔ تو اس سے اس میں کچھ بھی کمی نہیں آسکتی جو میرے پاس ہے۔ اس کے سوا جیسی کمی سوئی پیدا کرتی ہے جب وہ سمندر میں داخل ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہی ہیں جنھیں میں تمھارے لیے شمار کر کے رکھتا ہوں۔ پھر میں تمھیں ان کو پورا پورا دے دوں گا۔ پھر جو شخص اچھا بدلہ پائے تو اسے اللہ کی حمد کرنی چاہیے اور جو اس سے مختلف (یعنی برا بدلہ) پائے اسے اپنے آپ ہی کو ملامت کرنی چاہیے۔''

تشریح: اس حدیث سے کئی اہم باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ خدا بے نیاز اور عظیم ہستی ہے۔ اسے نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ سب اس کے محتاج اور دست نگر ہیں اور وہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے۔ جس طرح سمندر میں سوئی ڈال کر نکال لینے سے سمندر کا پانی گھٹ نہیں جاتا اسی طرح بندوں کو دینے سے اللہ کے ہاں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ سمندر کی مثال تو محض سمجھانے کے لیے پیش کی گئی ہے ورنہ سمندر تو اس کی عظمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ کے تعلق سے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اللہ کو ظلم پسند نہیں۔ ہم بھی کسی پر ظلم نہ ہونے دیں۔ آدمی اپنا ذمہ دار خود ہے، جیسے اس کے اعمال ہوں گے اس کے مطابق اللہ اسے بدلہ دے گا۔

اگر کسی کو اچھا بدلہ ملتا ہے تو اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے اعمال کو ضائع نہیں کیا۔ اسے اپنے رب کی حمد کرنی چاہیے کہ جو کام بھی ہوسکا اس کے رب کی عنایت اور رحمت ہی سے ہوسکا۔ اگر کسی کو اللہ کے یہاں سے برا بدلہ ملتا ہے اور وہ سزا کا مستحق قرار پاتا ہے تو اسے اپنے ہی کو ملامت کرنی چاہیے کسی اور کو نہیں۔ اللہ کے یہاں انصاف ہوتا ہے ظلم ہرگز نہیں ہوتا۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَیْتُ فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْلَکُمْ وَ مَنْ عَلِمَ اَنِّیْ اَقْدِرُ عَلَی الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفَرَ لِیْ بِقُدْرَتِیْ غَفَرْتُ لَهٗ وَلاَ اُبَالِیْ، وَ کُلُّکُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُ فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِکُمْ وَ کُلُّکُمْ فَقِیْرٌ اِلَّا مَنْ اَغْنَیْتُ فَاسْاَلُوْنِیْ اُغْنِکُمْ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ وَ حَیَّکُمْ وَ مَیِّتَکُمْ وَ رَطْبَکُمْ وَ یَابِسَکُمْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰی اَشْقٰی قَلْبٍ مِّنْ قُلُوْبِ عِبَادِیْ مَا نَقَصَ فِیْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ مَا زَادَ فِیْ مُلْکِیْ مِنْ جَنَاحِ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ وَ حَیَّکُمْ وَ مَیِّتَکُمْ وَ رَطْبَکُمْ وَ یَابِسَکُمْ اِجْتَمَعُوْا فَسَاَلَنِیْ کُلُّ سَائِلٍ مِّنْهُمْ مَا بَلَغَتْ اُمْنِیَّتُهٗ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ سَائِلٍ مِّنْهُمْ مَا سَاَلَ مَا نَقَصَنِیْ کَمَا لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ مَرَّ بِشَفَةِ الْبَحْرِ فَغَمَسَ فِیْهَا اِبْرَةً ثُمَّ انْتَزَعَهَا کَذَالِکَ لاَ یَنْقُصُ مِنْ مُلْکِیْ، ذَالِکَ بِاَنِّیْ جَوَادٌ مَاجِدٌ صَمَدٌ عَطَائِیْ کَلاَمٌ وَ عَذَابِیْ کَلاَمٌ اِذَا اَرَدْتُّ شَیْئًا فَاِنَّمَا اَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (احمد، مسلم، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”اے میرے بندو! تم سب گنہ گار ہو، اس کے سوا جسے میں بچالوں، تو مجھ سے عفو و درگزر کے طالب ہو میں تمھیں معاف کردوں گا۔ جو شخص یہ جانتا ہے کہ مجھے بخش دینے کی قدرت ہے، پھر مجھ سے میری قدرت کے بل پر بخشش طلب کرتا ہے اسے میں بخش دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اے میرے بندو! تم سب راہ سے بھٹکے ہوئے ہو، اس کے سوا جسے میں راہ دکھاؤں، تو مجھ سے ہدایت کے طالب ہو، میں تمھیں ہدایت دوں گا اور تم سب محتاج ہو اس کے سوا جسے میں بے نیاز کردوں، تو مجھ سے مانگو، میں تمھیں بے نیاز کردوں گا۔ اگر تمھارے اگلے اور پچھلے زندہ، مردہ،

تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سب سے زیادہ شقی القلب بندہ کی طرح ہو جائیں، تو میری بادشاہی میں مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی کمی نہیں آسکتی اور اگر سب مل کر میرے بندوں میں سب سے بڑھ کر (اللہ کا) ڈر رکھنے والے شخص کی طرح ہو جائیں تو میری بادشاہی میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، زندہ اور مردہ، تر اور خشک سب اکٹھے ہوں اور ان میں سے ہر ایک مانگنے والا مجھ سے مانگے جو اس کی انتہائی آرزو ہو پھر ان میں سے ہر سائل کو دے دوں جو کچھ وہ مانگے تو اس سے میرے یہاں کوئی کمی نہ آئے گی جیسے کہ تم میں سے کوئی سمندر کے کنارے سے گزرے اور اس میں سوئی ڈبو کر نکال لے (تو اس سے سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں آتی) اسی طرح میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ یہ اس لیے کہ میں بڑا فیاض ہوں۔ بزرگی والا ہوں، بے نیاز، مرجعِ کل ہوں، بات میری عطا اور بات میرا عذاب ہے (مجھے کچھ کرنا نہیں پڑتا) جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں، تو بس اس کے لیے یہ کہہ دیتا ہوں کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں توحید کی کامل تصویر پیش کی گئی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کا حقیقی محافظ اور مددگار صرف اللہ ہے۔ آدمی کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور مدد کے لیے اسی کو پکارنا چاہیے۔ جس شخص نے خدا کو اپنا ولی و کارساز بنالیا وہی کامیابی کے ساتھ زندگی کے سیدھے راستے پر چل سکتا ہے، اس کی نظرِ عنایت ہے جو آدمی کو گناہوں سے محفوظ رکھتی اور اسے پاکیزگی عطا کرتی ہے، جب تک کہ خدا کی عنایت نہ ہو کوئی بھی شخص ہدایت نہیں پا سکتا۔ اسے نہ حقیقت کا علم ہو سکتا ہے اور نہ وہ حقیقت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال ہی سکتا ہے۔ آدمی کو ہدایت کے لیے خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اسی کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنے کو اپنا اولین فرض سمجھنا چاہیے۔

آدمی کو جو کچھ حاصل ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ آدمی کو اسی کے آگے ہاتھ پھیلانا چاہیے۔ اس کے سوا کسی اور کو اپنا داتا اور مشکل کشا سمجھنا ظلم ہے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ عظیم اور زبردست قدرت کا مالک ہے۔ کسی کی سرکشی اور نافرمانی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ جود و کرم سے اس کے یہاں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ بزرگی اور عظمت والا ہے۔ اس کی عظمت اور بزرگی کا انحصار کسی کے ماننے یا نہ ماننے پر نہیں ہے۔

بے نیاز اور مرجعِ کل کے لیے متن میں صمد لفظ استعمال ہوا ہے۔ صمد کے بنیادی معنی چٹان کے ہیں۔ دشمن کے حملہ کے موقع پر چٹان کی پناہ لی جاتی تھی۔ زبور وغیرہ کتابوں میں بھی خدا کو ''چٹان'' اور ''مدد کی چٹان'' کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے زبور ۱۸: ۲؛ ۶۲: ۲، ۶؛ ۷۱: ۳؛ ۹۴: ۲۲۔ اس سردار کو بھی صمد کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی اور سردار نہ ہو، اپنی ضرورتوں کو لے کر جس کی طرف سب دَوڑتے ہوں اور وہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کہیں نہ جاتا ہو۔ اللہ کو صمد کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بے نیاز ہے۔ دوسرے سب اس کے محتاج ہیں۔ اسے کسی مددگار اور معاون کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ خود سب کا حامی اور مددگار اور پناہ گاہ ہے۔ انسان کی نگاہ اٹھنی چاہیے تو اسی کی طرف اٹھنی چاہیے۔ پکارنا چاہیے تو اسے ہی اور دوڑنا چاہیے تو اسی کی طرف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کو کچھ کرنے کے لیے سامان واسباب کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کوئی بھی کام اس کے لیے مشکل نہیں۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ جو بات بھی کہہ دے وہ ہوجاتی ہے (قرآن ۲: ۱۱۶، ۱۱۷؛ ۳: ۶)۔ سلسلۂ اسباب وعلل کو اس کے حکم کا انتظار ہوتا ہے۔ اسے کسی کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ ہر چیز کا انتہائی سبب خود اس کی ذاتِ پاک ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَجِلُّوا اللّٰہَ یَغْفِرْ لَکُمْ۔

(احمد، طبرانی)

ترجمہ: ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی تعظیم واحترام کروہ تمھیں بخش دے گا۔''

تشریح: یعنی اس کی عظمت و بزرگی کا ہر وقت خیال کرو۔ تمھاری پیشانی اس کے آگے جھکی ہوئی ہو۔ اپنی زندگی میں ہمیشہ اس کے احکام وہدایات کا خیال رکھو۔ وہ بھی تمھاری خطاؤں کو بخش دے گا اور تم پر اس کی نظرِ عنایت ہوگی۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍؓ اَنَّ خَطِیْبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَ مَنْ یَّعْصِھِمَا فَقَالَ: قُمْ، اَوْ قَالَ اِذْھَبْ فَبِئْسَ الْخَطِیْبُ اَنْتَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ ایک خطیب نے نبی ﷺ کے سامنے خطبہ دیا۔ اس نے (خطبہ کے دوران میں) کہا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ راہ راست پر رہا

اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی...... اس پر آپؐ نے فرمایا: ''کھڑا ہو جا یا فرمایا: چلا جا۔ تو بہت برا خطیب ہے۔''

تشریح: ان دونوں کی نافرمانی کی، یعنی خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ خطیب نے خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جوڑ دیا۔ اس میں ایک طرح کی مساوات کی بو آتی ہے۔ حضورؐ اس کے روادار نہ ہوئے کہ خدا کی عظمت کے سلسلے میں معمولی فروگزاشت بھی ہو۔ آپؐ نے خطیب کو سختی کے ساتھ ٹوکا کہ خدا کی عظمت کا پورے طور پر لحاظ رکھے۔ مسلم کی ایک روایت ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا: بِئْسَ الْخَطِيْبُ اَنْتَ قُلْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ''تو برا خطیب ہے۔ تجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے۔'' یعنی تجھے خدا اور رسولؐ کا الگ الگ ذکر کرنا چاہیے تھا۔ توحید کا نقش اور خدا کی عظمت اگر دل میں قائم ہو جائے تو ضمیر کی اس طرح کی شرکت قابلِ اغماض ہو سکتی ہے لیکن کبھی قائل اور مخاطبین کے حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ ذرا سی فروگزاشت کو بھی گوارا نہ کیا جائے۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِىْ وَ اَمَتِىْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَ كُلُّ نِسَآءِ كُمْ اِمَآءُ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِىْ وَ جَارِيَتِىْ وَ فَتَاىَ وَ فَتَاتِىْ وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّىْ وَ لٰكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِىْ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی (اپنے غلام اور لونڈی کو) میرا غلام اور لونڈی نہ کہے۔ تم سب خدا کے بندے اور ساری عورتیں خدا کی لونڈیاں ہیں، بلکہ یوں کہے کہ میرا خادم اور میری خادمہ اور میرا لڑکا اور میری لڑکی۔ اور نہ کوئی غلام (اپنے آقا کو) رَبِّىْ (میرے رب!) کہے بلکہ سَيِّدِىْ (میرے سردار) کہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آدمی کو ہر حالت میں اپنی عبدیت اور خدا کی ربوبیت اور بزرگی کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ کوئی ایسی بات زبان پر نہیں آنی چاہیے جو بندے کو زیب نہ دیتی ہو یا جو خدا کی عظمت اور آقائی کے احساس سے خالی ہو۔

〈۱۳〉 وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِىْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِىْ فَمَنْ نَّازَعَنِىْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ وَ فِىْ رِوَايَةٍ قَذَفْتُهٗ فِى النَّارِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بزرگی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے۔ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک میں مجھ سے جھگڑے گا میں اسے (دوزخ کی) آگ میں داخل کر دوں گا۔'' ایک روایت میں ہے: ''میں اسے (دوزخ کی) آگ میں پھینک دوں گا۔''

تشریح: ایک روایت میں ''اَلْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ'' کے بجائے ''اَلْعِزُّ اِزَارِیْ'' کے الفاظ آئے ہیں یعنی عزت میرا تہ بند ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح چادر اور تہ بند آدمی کے لباس ہوتے ہیں۔ یہ کوئی پسند نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص اس کے لباس کو اس سے چھین لے اسی طرح بڑائی اور کبریائی اور عظمت و عزت خدا کے لیے ذاتی لباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں اپنی کبریائی اور عظمت و عزت کا دعویدار بنتا ہے وہ درحقیقت اپنی اصل حقیقت کو بھول کر اپنے کو خدائی کا حق دار سمجھتا ہے۔ وہ شاید اس بات کو نہیں جانتا کہ عظمت اور بڑائی صرف خدا کی ذات کے لیے ہے۔ بندے کو جو چیز زیب دیتی ہے وہ عبودیت، خاکساری اور تواضع ہے۔ کبر و نخوت اور اپنے بڑے ہونے کا زعم آدمی کے لیے ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ اٰدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ وَّاحِدٍ یُّصَرِّفُہٗ کَیْفَ یَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ۔
(مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم کے تمام قلوب خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے انھیں پھیرتا رہتا ہے۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''خدایا دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔''

تشریح: آدمی کے ظاہر ہی پر نہیں اس کے باطن اور اس کی قلبی حرکات اور کیفیات پر بھی خدا کا مکمل قبضہ ہے۔ وہ جس طرف چاہتا ہے آدمی کے دل کو پھیر دیتا ہے۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جن کے دل گناہ اور ظلم و سرکشی کی طرف جھکے ہوئے ہوں اور جن کے دل میں بھلائی اور نیکی کے لیے

کوئی جگہ نہ ہو اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے دل خدا کی اطاعت اور بندگی کی طرف راغب ہوں۔ خدا ان ہی لوگوں کو اپنی اطاعت و بندگی اور محبت کی توفیق بخشتا ہے جو اپنے اندر اس کی طلب رکھتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جنھیں حق و ناحق، حسن و قبح اور بھلائی و برائی کی کوئی پرواہ نہیں، خدا بھی ایسے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ ایسے لوگوں کو ہلاکت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ دعا کہ خدایا! میرے دل کو اپنی اطاعت اور بندگی کی طرف پھیر، اس بات کا ثبوت ہے کہ جو بندہ طاعت و بندگی کی راہ پر چلنا چاہتا ہے، ایسے شخص کو خدا لازماً اپنی رضا و خوش نودی کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

غیرتِ حق

﴿۱﴾ عَنِ الْمُغِیْرَةِ قَالَ: قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَاَیْتُ رَجُلاً مَعَ امْرَاَتِیْ لَضَرَبْتُهٗ بِالسَّیْفِ غَیْرَ مُصْفِحٍ فَبَلَغَ ذَالِکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَیْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ اَنَا اَغْیَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْیَرُ مِنِّیْ وَ مِنْ اَجْلِ غَیْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلاَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَ مِنْ اَجْلِ ذَالِکَ بَعَثَ الْمُنْذِرِیْنَ وَالْمُبَشِّرِیْنَ وَلاَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَ مِنْ اَجْلِ ذَالِکَ وَعَدَ الْجَنَّةَ۔ (بخاری)

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اگر میں کسی مرد کو اپنی عورت کے ساتھ (ناروا حالت میں) دیکھ لوں تو تلوار سے اس کے ٹکڑے کر ڈالوں، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: ”کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ بخدا میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بڑھ کر غیرت والا ہے، اسی لیے اس نے تمام بے حیائی اور بے غیرتی کی باتوں کو خواہ کھلی ہوں یا چھپی حرام کر دیا۔ اسی طرح اللہ سے زیادہ یہ بات کسی کو پسند نہیں کہ اتمامِ حجت ہو اسی لیے اس نے (عذابِ جہنم سے) ڈرانے والے اور (جنت کی) خوش خبری دینے والے (انبیاء) بھیجے اور اللہ سے بڑھ کر حمد و ثنا بھی کسی کو پسند نہیں ہے اسی لیے اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔“

تشریح: جس طرح انسان کی غیرت اس کو برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی شخص اس کی بیوی پر

دست درازی کرے اور اس کی بیوی میں اس کا شریک ہو۔ اسی طرح اللہ کی غیرت کو بھی یہ گوارا نہیں کہ اس کے بندے ان کاموں میں مبتلا ہوں جو بے غیرتی اور بے حیائی کے کام ہیں۔ اسی لیے اللہ نے چھپے کھلے تمام برائی اور بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا ہے۔ زنا اور بدکاری کی طرح اللہ کو یہ بات بھی مبغوض ہے کہ کوئی اس کی بندگی اور عبادت میں کسی اور کو شریک ٹھہرائے۔ خدا انتہائی غیور ہے شرک کو وہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتا۔

اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ اس کے بندے لاعلمی میں اس کے غضب کے شکار ہوں اسی لیے اس نے نبیوں کو بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو باخبر کر دیں کہ انھیں کیا چیز اختیار کرنی ہے اور کس چیز سے انھیں بچنا ہے۔

اللہ کو یہ بات بے حد محبوب ہے کہ اس کے بندے اس کی حمد و ثنا میں لگے ہوں۔ اس کی تحمید و تسبیح ہی زندگی کا حاصل ہے اور اسی پر جنت کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ یَّزْنِیَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِیَ اَمَتُهٗ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اے امت محمد! بخدا اللہ سے زیادہ کوئی اس بات کی غیرت نہیں رکھتا کہ اس کا غلام یا اس کی لونڈی زنا کرے۔‘‘

تشریح: یعنی زنا اور حرام چیزوں کا ارتکاب خدا کی غیرت کو کسی طرح بھی پسند نہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَآءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ فِیْهِ مَعِیَ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ وَ شِرْکَهٗ وَ فِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْٓءٌ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’میں تمام شرکاء میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں۔ جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کر لیتا ہے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں ایسے عمل سے بے زار ہوں، وہ عمل اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے کیا ہے۔‘‘

تشریح: یعنی غیرتِ الٰہی اس کو کبھی پسند نہیں کرسکتی کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے جب کہ کوئی اس کا ہم سر اور ہم پلّہ نہیں ہے۔ جو بھی ہے اس کا بندہ اور اس کی مخلوق ہے۔ پھر کسی بھی حیثیت سے کوئی اس کا شریک کیسے قرار پا سکتا ہے۔ خدا کو بندوں سے خالص اور بے آمیز طاعت و بندگی مطلوب ہے۔ جس عبادت میں شرک کی آمیزش ہو یا جس عمل میں غیر خدا کی رضا اور خوش نودی بھی پیشِ نظر ہو، وہ خدا کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرسکتا۔ قرآن میں (سورۃ النور: ۳) شرک کرنے والے مردوں اور عورتوں اور زنا کرنے والے مردوں اور عورتوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ توریت اور انجیل میں شرک کو واضح الفاظ میں متعدد جگہوں پر زنا اور بدکاری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے: خروج ۲۰: ۳۔ ۷؛ ۳۴: ۱۴۔ ۱۸؛ احبار ۲۰: ۵-۸؛ استثنا ۵: ۸۔ ۱۰، یسعیاہ ۵۷: ۳۔ ۹، یرمیاہ ۲: ۵۔ ۲۸؛ ۳: ۱۔ ۹۔ شرک اور زنا میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ شرک بھی زنا ہی کی طرح نہایت گھناؤنی حرکت ہے۔ اسی لیے قرآن میں شرک کو ''رِجس'' یعنی ناپاکی اور مشرک کو ''نجس'' (ناپاک) کہا گیا ہے۔ شرک کا ارتکاب کرنے والا اس بلندی اور عزت کے مقام سے جو اللہ نے اسے عطا کیا تھا، گر جاتا ہے۔ اس کی عبرت ناک حالت قرآن کے الفاظ میں یہ ہوتی ہے: وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُہُ الطَّیْرُ اَوْ تَھْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍo (الحج: ۳۱) ''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر خواہ اسے چڑیاں اچک لے جائیں یا ہوا اسے دور دراز مقام پر لے جا کر پھینک دے۔''

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ لَہٗ خَالِصًا، وَابْتُغِیَ بِہٖ وَجْھُہٗ۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ عزوجل صرف اس عمل کو شرفِ قبولیت عطا کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو اور جس کے ذریعہ اس کی خوش نودی چاہی گئی ہو۔''

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَطَآءِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِ ھِمْ مَسَاجِدَ۔

(رواہ مالک مرسلاً)

ترجمہ: عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خدایا میری قبر کو بت نہ

بننے دینا کہ اس کی عبادت کی جانے لگے۔ خدا کا غصہ ان لوگوں پر بھڑک اٹھا ہے جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بناڈالا۔''

تشریح: آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آپؐ کے بعد لوگ کہیں آپؐ کی قبر کی پرستش میں لگ جائیں۔

عبادت اور پرستش خدا کے سوا کسی کی بھی جائز نہیں ہے۔ یہ خدا ہی کا حق ہے کہ اسے اپنا معبود اور الٰہ بنایا جائے اور اس کی عبادت اور پرستش کی جائے۔ جو شخص غیر خدا کی پرستش اور عبادت کرتا ہے وہ درحقیقت خدا کی غیرت کو چیلنج کرتا ہے ایسا شخص خدا کے غضب سے کیسے بچ سکتا ہے۔ پچھلی قومیں جب شرک کے مرض میں مبتلا ہوئیں اور انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے نبیوں کو اپنا معبود بنالیا اور ان کے مزاروں کو سجدہ گاہ قرار دے لیا تو وہ خدا کے غضب سے نہیں بچ سکیں۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يَقُوْلُ: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ''جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

تشریح: قسم اس کی کھائی جاتی ہے جس کی دل میں غیر معمولی عظمت ہو۔ غیر اللہ کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے عمل سے اسے خدا کے برابر مقام دینا چاہتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوسکتا ہے۔ قسم کھانے کی عادت کو دین میں پسند نہیں کیا گیا ہے۔ بار بار اور بلا خاص ضرورت کے قسم کھا کر آدمی قسم اور جس کی قسم کھاتا ہے اس کی وقعت گھٹاتا ہے۔ اگر کسی مجبوری سے قسم کھانی ہی پڑے تو آدمی کو صرف خدا کی ذات وصفات کی قسم کھانی چاہیے، کسی اور کی قسم ہرگز نہیں کھانی چاہیے۔ مکہ کے لوگوں، خاص طور پر اہل قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ دادا کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت سے منع فرمایا۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَّ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالاَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِىْ وَالْعِزُّ اِزَارِىْ فَمَنْ نَازَعَنِىْ شَيْئًا مِنْهُمَا عَذَّبْتُهٗ۔

(مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ: ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے: ''کبریائی میری چادر ہے اور عزت میرا ازار ہے۔ جو شخص ان میں سے کچھ چھیننا چاہے گا میں اسے عذاب دوں گا۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عزت، بڑائی اور بزرگی درحقیقت اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ بندہ کو جو چیز زیب دیتی ہے وہ بندگی اور عجز و نیاز ہے نہ کہ اپنی بڑائی اور کبریائی کا دعویٰ۔ ایسے شخص کے لیے خدا کے یہاں ذلت آمیز سزا مقرر ہے تاکہ وہ اپنے کبر و نخوت کا مزہ چکھ لے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ مِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاَمَّا الَّتِیْ يُحِبُّ اللّٰهُ تَعَالٰى فَالْغَيْرَةُ فِی الرِّيْبَةِ وَ اَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِیْ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِیْ غَيْرِ رِيْبَةٍ وَ اِنَّ مِنَ الْخُيَلَآءِ مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ وَ مِنْهَا مَا يُحِبُّ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاَمَّا الَّتِیْ يُحِبُّهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِخْتِيَالُ الرَّجُلِ بِنَفْسِهٖ عِنْدَ الْقِتَالِ وَاِخْتِيَالُهٗ عِنْدَ الصَّدَقَةِ وَ اَمَّا الَّتِیْ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِخْتِيَالُهٗ فِی الْبَغْيِ وَالْفَخْرِ۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: جابر بن عتیکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض غیرت اللہ کو پسند ہے اور بعض پسند نہیں ہے۔ جس غیرت کو اللہ پسند کرتا ہے وہ شک کے موقع کی غیرت ہے۔ اور جو غیرت اللہ کو پسند نہیں وہ غیر شک کے موقع کی غیرت ہے۔ اور کچھ اترانا اللہ کو پسند نہیں اور کچھ اللہ کو پسند ہے۔ جو اترانا اللہ کو پسند ہے وہ آدمی کا جنگ کے موقع پر اور صدقہ کرنے کے وقت کا اترانا ہے اور جو اترانا اللہ کو پسند نہیں وہ اس کا ظلم و سرکشی اور فخر میں اترانا ہے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ جہاں بدکاری کا شبہ ہوتا ہو وہاں آدمی کو غیرت اور اپنی عزت کا خیال ہونا چاہیے۔ ایسی غیرت اللہ کو بے حد محبوب ہے۔

جہاں بدکاری یا بے حیائی کے ارتکاب کا شبہ نہ ہو وہاں اپنے غیرت دار ہونے کا مظاہرہ کرنا بدنمائی اور معاشرتی اصول کے منافی ہے۔ اس لیے اسے اللہ کبھی پسند نہیں کرسکتا۔

اسلامی جنگ کے موقع پر اترانا اور فخر کرنا درحقیقت اللہ ہی کے لیے ہوتا ہے، اس سے مجاہدین کا حوصلہ بڑھتا ہے اور دشمن پر ان کا رعب طاری ہوتا ہے۔ صدقہ کے وقت کا فخر آدمی کے ظرف کو کشادہ کرتا ہے اور اسے تنگ دلی سے نجات دیتا ہے، اس سے دوسروں میں بھی صدقہ

کرنے کا جوش ابھرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اترانے کی چیز اگر ہے تو وہ دشمن کے مقابلہ میں شجاعت اور پامردی دکھانا اور خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا یا اسی طرح کے دوسرے نیک کام۔ ایسے کام جن کے پیچھے خودغرضی اور خود پسندی کے سوا اور کوئی جذبہ کام نہ کر رہا ہو قابل فخر ہونے کے بجائے باعثِ عار ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بدذوقی اور جہالت کے سبب آدمی اس کو محسوس نہ کر سکے۔

خدا کے حقوق

﴿۱﴾ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ کُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ ﷺ لَیْسَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ اِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ یَا مَعَاذَ بْنِ جَبَلٍ! فَقُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَعْدَیْکَ! ثُمَّ سَارَ سَاعَةً۔ ثُمَّ قَالَ، یَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَعْدَیْکَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ یَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ! قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَعْدَیْکَ۔ قَالَ هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَی الْعِبَادِ؟ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْهُ وَلاَ یُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا۔ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً۔ ثُمَّ قَالَ یَا مَعَاذَ بْنِ جَبَلٍ! قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَعْدَیْکَ! قَالَ هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ اِذَا فَعَلُوْا ذَالِکَ؟ قُلْتُ اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ اَنْ لَّا یُعَذِّبَهُمْ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پیچھے ایک سواری پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپؐ کے درمیان کجاوہ کا صرف پچھلا حصہ تھا، آپؐ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ وسعدیک۔ پھر کچھ دیر چلے۔ پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ وسعدیک۔ پھر کچھ دیر چلے۔ پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ وسعدیک۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ عزوجل کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ پھر کچھ دیر چلے۔ پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ وسعدیک،

فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جبکہ وہ ایسا کر دیں؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ علم رکھتے ہیں۔ فرمایا، یہ کہ وہ انھیں عذاب نہ دے۔

تشریح: حضرت معاذؓ کو حضورؐ نے تین بار اس لیے پکارا تا کہ وہ پوری طرح متوجہ ہو جائیں۔ آپؐ نے جو باتیں فرمائی ہیں ان کا تقاضا بھی ہے کہ انھیں توجہ سے سنا جائے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے اسی کی بندگی اختیار کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، صرف ایک خدا کے ہو کر رہیں۔ جب وہ اللہ ہی کے بندے اور غلام ہیں تو پھر انھیں اپنی پوری زندگی اللہ ہی کی بندگی میں گزارنی چاہیے۔ نہ انھیں اپنی خواہشات کی بندگی کرنی چاہیے اور نہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی آقائی تسلیم کرنی چاہیے اور نہ کسی دیوی دیوتا کے آستانے پر سر نیاز خم کرنا چاہیے۔ وہ ایک خدا کے بندے ہیں۔ انھیں ایک ہی کی بندگی کرنی چاہیے۔ اللہ کی طاعت و بندگی درحقیقت ہماری فطرت کا عین تقاضا ہے۔ فطری تقاضوں کی تکمیل ہی سے حقیقی لطف و راحت کا حصول بھی ممکن ہے۔ اس طرح خدا کی بندگی کوئی بے لطف مصروفیت نہیں رہتی بلکہ وہ سرمایۂ سکون و راحت قرار پاتی ہے۔

بندہ اگر اللہ کے حق کو نہیں بھولتا تو اس کا خدا بھی اسے ضائع نہیں ہونے دے گا۔ وہ اسے دائمی ہلاکت اور عذابِ جہنم سے یقیناً بچا لے گا، جو ان لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو خدا کے سرکش اور نافرمان بندے ہیں۔ لیکن اگر وہ اللہ کے حق کو بھولتا اور شرک یا کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اسے اس کے انجام بد سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ حدیث میں ہے: مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ (مسلم) ''جس کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرتا ہو وہ دوزخ میں گیا۔'' (مسلم رواہ ابن مسعودؓ)

روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذؓ نے حضورؐ سے پوچھا تھا کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت دیدوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، ان کو بشارت نہ دو۔ کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔'' (مسلم) یعنی عام لوگ عمل کی طرف سے غافل ہو جائیں گے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ لِاَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ اَنَّ لَكَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ كُنْتَ تَفْتَدِيْ بِهٖ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ۔ فَيَقُوْلُ: اَرَدْتُّ

مِنکَ اَھْوَنَ مِنْ ھٰذَا وَ اَنْتَ فِیْ صُلْبِ اٰدَمَ اَنْ لَّا تُشْرِکَ بِیْ شَیْئًا فَاَبَیْتَ اِلَّآ اَنْ تُشْرِکَ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) اس دوزخی شخص سے جو کم سے کم عذاب میں مبتلا ہوگا دریافت فرمائے گا: کیا اس عذاب سے بچنے کے لیے اگر تیرے ہاتھ میں زمین کی تمام چیزیں ہوتیں تو دے دیتا؟ وہ کہے گا: ہاں (میرے پاس جو کچھ بھی ہوتا نجات حاصل کرنے کے لیے دے ڈالتا)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہلکی چیز چاہی تھی جبکہ تو آدم کی پشت میں تھا، وہ یہ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا لیکن تو نہ مانا اور (میرے ساتھ) شرک کیا۔''

تشریح: یعنی میں نے تجھ سے ایک ایسی چیز طلب کی تھی جو بالکل فطری اور آسان تھی۔ میں نے تجھ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ تو صرف مجھے اپنا معبود اور الٰہ سمجھنا۔ اپنی زندگی میں کسی کو وہ مقام نہ دینا جو مقام تنہا میرا ہے۔ لیکن تو نے اس مطالبہ کو نظر انداز کر کے بدترین خیانت کی۔ میرے ساتھ تو نے غیروں کی بھی پرستش شروع کر دی اور خدائی اور الوہیت کو قابلِ تقسیم چیز قرار دے کر ظلم عظیم کا ارتکاب کیا۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنِّیْ وَالْجِنَّ وَالْاِنْسَ فِیْ نَبَاٍ عَظِیْمٍ اَخْلُقُ وَ یَعْبُدُ غَیْرِیْ وَ اَرْزُقُ وَ یَشْکُرُ غَیْرِیْ۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میرا اور گروہِ جن وانس کا معاملہ ایک بھاری بات بن چکا ہے۔ پیدا میں کرتا ہوں اور وہ عبادت میرے سوا دوسرے کی کرتا ہے۔ رزق میں دیتا ہوں اور شکر میرے سوا دوسرے کا ادا کرتا ہے۔''

تشریح: یعنی یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لوگوں کو وجود بخشنے والا تو کوئی ہو اور وہ عبادت کسی اور کی کرنے لگیں، روزی تو انھیں کوئی دے رہا ہو اور وہ شکر گزار دوسروں کے ہوں۔ آخر اس سے بڑھ کر وحشت ناک حادثہ کیا ہوسکتا ہے۔

〈۴〉 وَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: یَا

ابْنَ اٰدَمَ ثَلٰثَةٌ وَّاحِدَةٌ لِیْ وَ وَاحِدَةٌ لَکَ وَ وَاحِدَةٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ فَاَمَّا الَّتِیْ لِیْ فَتَعْبُدَنِیْ وَلَا تُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا وَ اَمَّا الَّتِیْ لَکَ فَمَا عَمِلْتَ مِنْ عَمَلٍ جَزَیْتُکَ بِهٖ فَاِنْ اَغْفِرُ فَاَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَ اَمَّا الَّتِیْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ فَعَلَیْکَ الدُّعَاءُ وَالْمَسْئَلَةُ وَ عَلَیَّ الْاِجَابَةُ وَالْعَطَاءُ۔ (طبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے ابن آدم! تین باتیں ایسی ہیں جن میں سے ایک کا تعلق تو صرف میرے ساتھ ہے اور ایک کا تعلق تیرے ساتھ ہے اور ایک بات ایسی ہے جو میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے۔ جس بات کا تعلق میرے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ میری عبادت کر اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، جس بات کا تعلق تیرے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ تو جو عمل کرے اس کا میں تجھے بدلہ دوں اور اگر میں بخش دوں تو میں مغفرت کرنے والا اور مہربان ہوں۔ اور جو چیز میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے وہ یہ ہے کہ تیرا کام دعا کرنا اور مانگنا ہے اور میرا کام دعا کو قبول کرنا اور سوال کا پورا کر دینا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان جو رشتہ اور تعلق ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندے صرف اس کی عبادت اور پرستش کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں وہ خدا ہی کو پکاریں، اسی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں اور خدا کا کام یہ ہے کہ وہ ان کی پکار کو سنے۔ ان کی نیازمندیوں کو قبول فرمائے اور ان کی درخواستوں کو شرف قبولیت بخشے۔ یہ لوگوں کی بدترین گمراہی اور خیانت ہے کہ وہ خدا کے حقوق کو نہیں پہچانتے اور اپنی ساری نیازمندیاں اور عقیدتیں ان شخصیتوں پر نثار کرتے ہیں جو فی الواقع اس کی مستحق نہیں ہوتیں۔ وہ اپنی امیدیں ان جھوٹے معبودوں سے وابستہ رکھتے ہیں جو خود ان کے اپنے گھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن کے ہاتھ میں نہ لوگوں کا نفع ہوتا ہے اور نہ نقصان۔ جو خدا کے سامنے عاجز اور محتاج محض ہوتے ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اعمال میں

اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کی راہ میں ہو اور وہ بغض وعداوت ہے جو اللہ کی راہ میں ہو۔‘‘

تشریح: یعنی اللہ کا بندے پر ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی محبت اور بغض وعداوت صرف خدا کے لیے ہو۔ وہ جس سے محبت کرے خدا ہی کے لیے کرے اور اگر کسی سے اسے نفرت اور بغض ہو تو اس کی وجہ کوئی ذاتی رقابت اور پرخاش نہ ہو بلکہ اس کی نفرت بھی خدا ہی کے لیے ہو۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِّلّٰہِ اِلَّا اَکْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ۔ (احمد)

ترجمہ: ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب بھی کسی بندے نے اللہ کے لیے کسی بندے سے محبت کی اس نے اپنے رب عزوجل کی توقیر وتعظیم کی۔‘‘

تشریح: یعنی خدا کی عظمت اور بزرگی کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی کو اللہ کے نیک بندوں سے محبت و الفت ہو۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ: اَیْنَ الْمُتَحَآبُّوْنَ بِجَلَالِیْ۔ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میری عظمت کی وجہ سے آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں، آج میں ان پر اپنا سایہ کروں گا۔ آج میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں۔‘‘

تشریح: یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے دنیا میں میرے حق کو پہچانا، آج کے دن انھیں ان کی وفاداری کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ آج انھیں میرا سایہ حاصل ہوگا۔ میرے سایۂ رحمت کے سوا آج کوئی سایہ نہیں ہے۔ میرے سوا آج کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ آج ان پر میری نوازشوں کی بارش ہوگی۔ دنیا میں جن کی دوستیوں کی بنیاد میری عظمت اور محبت کے سوا کچھ نہ تھی۔ وہ نہ خود پرستی کے مرض میں مبتلا تھے اور نہ کسی اور چیز کے پرستار تھے۔ وہ صرف میرے پرستار تھے۔ انھیں جس چیز نے باہم جوڑا تھا وہ میری عظمت اور بزرگی کا احساس تھا۔ بےلوث اور سچی محبت وہی ہے جو خدا کے لیے ہو۔ خدا پاکیزگی کی انتہا ہے۔ جس دوستی میں خدا کی مرضی اور اس کی عظمت اور بزرگی کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو حقیقت کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت اور قدر و قیمت نہیں ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے محبت کی خدا کے لیے، بغض رکھا خدا کے لیے، دیا خدا کے لیے اور روکا خدا کے لیے اس نے ایمان کو کامل کرلیا۔‘‘

تشریح: یعنی یہ آدمی کے ایمان ویقین کا تقاضا ہے کہ اس کا سب کچھ خدا کے لیے ہوجائے اور اس کے سارے ہی معاملات مرضیاتِ الٰہی کے تابع ہوجائیں۔ وہ کسی سے دوستی کرے تو خدا کے لیے کرے۔ کسی سے اس کی دشمنی ہو تو اس کے پیچھے بھی خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ کام کررہا ہو، کسی کو کچھ دے تو خدا کے لیے دے اور نہ دے تو یہ نہ دینا اور ہاتھ روک لینا بھی خدا کے لیے ہو۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہوجائے نہ آدمی کا ایمان کامل ہوتا ہے اور نہ وہ حق وانصاف پر قائم رہ سکتا ہے۔ آدمی کا سب کچھ اگر خدا کی مرضی کے تابع ہوجائے تو وہ نہ تو کسی پر ظلم وزیادتی کرسکتا ہے اور نہ کسی کے ساتھ ناانصافی کا رویہ اختیار کرسکتا ہے اور نہ کسی حق وانصاف کے مطالبات کو وہ کبھی نظرانداز کرسکتا ہے۔ ترمذی میں یہ حدیث معاذ بن انسؓ سے مروی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: فقد استکمل ایمانہ ’’اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔‘‘

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَتَدْرُوْنَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی؟ قَالَ قَائِلٌ: اَلصَّلٰوۃُ وَالزَّکٰوۃُ وَ قَالَ قَائِلٌ: اَلْجِهَادُ۔ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔ (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ’’کیا تم جانتے ہو کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑھ کر محبوب ہے؟‘‘ کہنے والے نے کہا: نماز اور زکوٰۃ، اور کہنے والے نے کہا: جہاد! نبی ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب تر عمل ہے خدا کے لیے محبت کرنا اور خدا کے لیے بغض رکھنا۔‘‘

تشریح: ابوداؤد میں صرف آخر کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ: اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: قَالَ اللّٰہُ

تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی: وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَآبِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ، وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ، وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ۔ (موطا امام مالک)

ترجمہ: حضرت معاذؓ بن جبل کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میرے لیے آپس میں محبت کرنے والوں اور میرے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے والوں اور میرے لیے ایک دوسرے کی ملاقات کرنے والوں اور میرے لیے ایک دوسرے پر فیاضانہ خرچ کرنے والوں کے لیے میری محبت واجب ہوگئی۔''

تشریح: یعنی جو لوگ میری ہی خوشنودی اور رضا کے لیے باہم ملتے جلتے اور ایک دوسرے پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں، میں ان سے لازمی طور پر محبت کرتا ہوں۔ میرے یہ بندے میری عنایات سے محروم نہیں رہیں گے۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ۔ ''ھُوَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَ اَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ'' قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ رَبُّکُمْ: اَنَا اَھْلُ اَنْ اُتَّقٰی فَلَا یُشْرَکُ بِیْ غَیْرِیْ وَ اَنَا اَھْلُ لِمَنِ اتَّقٰی اَنْ یُّشْرِکَ بِیْ اَنْ اَغْفِرَ لَہٗ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت: ھُوَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَ اَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ (وہ اس لائق ہے کہ اس کا ڈر رکھا جائے اور اس لائق ہے کہ مغفرت فرمائے) کے بارے میں فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے رب کا ارشاد ہے: میں اس لائق ہوں کہ میرا ڈر رکھا جائے اور میرے ساتھ میرے غیر کو شریک نہ کیا جائے اور میں اس لائق ہوں کہ جو شخص اس سے بچا کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے میں اس کی مغفرت کر دوں۔''

تشریح: یعنی جس شخص نے میرے حق کو پہچانا مجھ سے ڈرتا رہا اور کفر وشرک کی آلودگی سے اپنے دامن کو بچایا میں اسے نجات بخشوں گا اور جہنم کے عذاب سے اسے محفوظ رکھوں گا۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: اَمَرْتُکُمْ فَضَیَّعْتُمْ مَّا عَھِدْتُّ اِلَیْکُمْ فِیْہِ وَ رَفَعْتُمْ اَنْسَابَکُمْ فَالْیَوْمَ اَرْفَعُ لِنَسَبِیْ وَ اُضَیِّعُ اَنْسَابَکُمْ اَیْنَ الْمُتَّقُوْنَ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ارشاد فرمائے گا: میں نے تمھیں حکم دیا تھا تو تم نے ان احکام کو ضائع کر دیا جو میں نے تمھیں دیے تھے اور اپنے انساب کو اوپر اٹھایا، آج میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمھارے انساب کو ضائع کردوں گا۔ کہاں ہیں متقی لوگ؟ بلاشبہ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔“

تشریح: یعنی آج میں تمھارے سارے نسلی وقومی غرور کو خاک میں ملادوں گا جس کی بنا پر تم زمین میں اکڑتے پھرتے تھے اور دوسروں کو ذلیل سمجھتے اور ان پر ظلم کرتے تھے۔ آج تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ بڑائی اور بزرگی کس کے لیے ہے اور آج تم یہ بھی جان لوگے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم و باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا کے حق کو پہچانتا اور اپنے دل میں اس کا خوف رکھتا ہو۔

〈۱۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامُ ذِی الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرَ الْغَالِیْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِیْ عَنْهُ وَ اِكْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔ (ابوداؤد، بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بوڑھے مسلمان کی عزت واکرام، اس حاملِ قرآن کا اکرام جو قرآن (کے الفاظ و معانی) میں غلو اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اور منصف سلطان کا اکرام وتوقیر خدا کی تعظیم میں سے ہے۔“

تشریح: معلوم ہوا جو شخص بھی عزت واحترام کا مستحق ہے اس کی عزت کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ جس کے دل میں ان لوگوں کی عزت نہیں جو فی الواقع عزت واحترام کے مستحق ہیں وہ زندگی کی بنیادی قدروں سے ناآشنا ہے۔ اس کی زندگی ابھی اس احساس وبصیرت سے محروم ہے جس کے سبب آدمی خدا کی تعظیم کرتا اور اس کے جلال و جبروت کے سامنے اپنے کو پست کرتا ہے۔ خدا کی عظمت کے احساس سے اپنے دل کو خالی نہ ہونے دینا اور قابلِ احترام لوگوں کا احترام کرنا حقیقت کی نگاہ میں دو کردار نہیں ہیں بلکہ یہ ایک ہی کردار ہے۔ اخلاق وکردار کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس میں کسی موقع پر بھی کوئی نقص ظاہر نہ ہو۔

〈۱۴〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِیٌّ

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنِ الشَّقِيُّ؟ قَالَ: مَنْ لَّمْ يَعْمَلْ لِّلّٰهِ بِطَاعَةٍ وَلَمْ يَتْرُكْ لَهُ بِمَعْصِيَةٍ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دوزخ میں بدبخت کے سوا اور کوئی نہ جائے گا۔“ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! بدبخت کون شخص ہوگا؟ فرمایا: ”جو اللہ کے لیے کوئی طاعت وفرماں برداری کا کام نہ کرے اور اس کے لیے کوئی معصیت ونافرمانی کا کام نہ چھوڑے۔“

خدا کی محبت

(۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلٰثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ: اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَ اَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَ اَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوں اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ اسے جس شخص سے محبت ہو، اللہ ہی کے لیے محبت ہو۔ اور کفر کی طرف پلٹنا اسے اتنا ہی ناگوار ہو، جتنی ناگوارا سے یہ بات ہے کہ اس کو آگ میں ڈال دیا جائے۔“

تشریح: ایک روایت کے الفاظ ہیں: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ وَ طَعْمَهٗ: اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَ اَنْ يُّحِبَّ فِي اللّٰهِ وَ يُبْغَضَ فِي اللّٰهِ وَ اَنْ تُوْقَدَ نَارٌ عَظِيْمَةٌ فَيَقَعَ فِيْهَا اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا۔ (بخاری ومسلم)
”تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں اسے ایمان کی حلاوت اور مزہ حاصل ہوگا: یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے تمام ماسوا سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ وہ کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لیے اور بغض رکھے تو اللہ کے لیے اور یہ کہ بڑی آگ بھڑکائی جائے اور وہ اس میں گرادیا جائے تو یہ اسے اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے زیادہ پسند ہو۔“

اللہ کی محبت درحقیقت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (البقرہ:۱۶۵) ”اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۠ (التوبہ: ۲۴) ”(اے نبیؐ) کہہ دو: اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے گھرانے کے لوگ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور کاروبار جس کے ماند پڑ جانے کا تمھیں ڈر ہے اور گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔“

اللہ کے وجود کو ماننا اور اسے ساری دنیا کا خالق و مالک، حاکمِ مطاع، فرماں روا اور معبود تسلیم کرنا زندگی کی کسی تلخ حقیقت کا اعتراف نہیں ہے، بلکہ یہ اقرار صحیح معنوں میں ہماری زندگی کو بامعنی بناتا اور اسے کیف و لذت اور زندگی کی حقیقی لطافتوں اور رعنائیوں سے آشنا کرتا ہے۔ اہلِ ایمان سے مطالبہ کہ وہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب رکھیں کوئی قاہرانہ مطالبہ ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا عظیم محبوبیت کا مالک اور جذبۂ شوق و محبت کی اصل جائے پناہ ہے۔ اس لیے دنیا کی دوسری تمام محبتیں اس کی محبت کی تابع ہونی چاہئیں نہ کہ اس سے آزاد۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّاَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ ﷺ: مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی هٰذَا؟ قَالُوْا: حُبُّ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ- فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اَوْ یُحِبَّهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَاءُ تُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ۔ (بیہقی)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ نے وضو کیا۔ آپؐ کے اصحابؓ آپؐ کے وضو کے پانی کو اپنے جسم پر ملنے لگے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت کے سبب۔ آپؐ نے فرمایا: ”جس کو یہ پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھے یا اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھیں، اسے چاہیے

کہ وہ گفتگو کرے تو سچ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو امانت کو ادا کرے اور جو کوئی اس کا ہمسایہ ہو اس کے ساتھ بہترین ہمسائگی کا سلوک کرے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ آدمی کی زندگی سے اس اخلاق و کردار کا مظاہرہ ہو جو خدا اور خدا کے رسول کو پسند ہو، وہ سچا اور امانت دار ہو اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ وہ نہ خدا کے احسانات کو فراموش کرے اور نہ اس کے بندوں کے حقوق کو نظر انداز کرے۔

انجیل میں بھی آیا ہے: ''خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کے مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا دارومدار ہے۔'' (متی:۲۲: ۳۷-۴۰)

ایک دوسری جگہ آیا ہے ''تم خداوند اپنے خدا سے محبت رکھو اور اس کی سب راہوں پر چلو اور اس کے حکموں کو مانو اور اس سے لپٹے رہو۔'' (استثنا ۱۱: ۲۲) ''اپنے سارے دل اور اپنی جان سے اس کی بندگی کرو۔'' (استثنا ۱۱: ۱۳)

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَبِیْ ذَرٍّ۔ یَا اَبَا ذَرٍّ! اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ؟ قَالَ: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ: اَلْمُوَالَاةُ فِی اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا: اے ابوذر! ایمان کی کون سی شاخ سب سے مضبوط ہے؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اللہ کے لیے آپس میں دوستی رکھنا، اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے بغض رکھنا۔''

تشریح: یوں تو ایمان کے مظاہر اور اس کے تقاضے بہت سے ہیں لیکن اس سلسلہ کی سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ آدمی کی دوستی ہو یا دشمنی جو کچھ بھی ہو خدا کے لیے ہو۔ اس کی ساری دل چسپیاں اور سرگرمیاں خدا ہی کے لیے وقف ہوں۔ اس کی پوری زندگی سے خدا طلبی اور محبت الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہو۔ خدا کی مرضی اور اس کی خوش نودی کو نظر انداز کر کے کوئی کام کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہو۔ جو کام خدا کے لیے ہوگا وہ لازماً مبنی بر انصاف ہوگا۔ جو دوستی خدا کے لیے ہوگی وہ لازماً انھی لوگوں سے ہوگی جو فی الواقع دوستی کے مستحق ہوں گے۔ جو نیک اور خدا ترس ہوں گے۔ اسی طرح خدا

کے لیے دشمنی اور مخالفت بھی انھی لوگوں سے ہوگی جو خدا سے پھرے ہوئے سرکش اور ظالم ہوں گے۔ جو زمین میں فتنہ وفساد پھیلاتے اور بندگانِ خدا کو راہ راست سے بھٹکاتے ہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَجُلاً کَانَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ: فَمَرَّ رَجُلٌ۔ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاُحِبُّ ھٰذَا فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ ﷺ: اَ اَعْلَمْتَہٗ؟ قَالَ لَا۔ قَالَ اَعْلِمْہُ فَلَحِقَہٗ فَقَالَ: اِنِّیْ اُحِبُّکَ فِی اللّٰہِ۔ فَقَالَ اَحَبَّکَ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَہٗ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک دوسرا شخص آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے اس سے محبت ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے اسے بتایا بھی؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: بتادو۔ اس نے اس شخص سے مل کر کہا: میں تم سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں، اس نے کہا: ''جس کے لیے تم مجھ سے محبت کرتے ہو وہ بھی تم سے محبت کرے۔''

تشریح: اُس انس و محبت سے جو آدمی کسی کے لیے اپنے اندر پاتا ہو اس کو مطلع کرنے سے دوستی و محبت زیادہ پائیدار اور مضبوط ہو جاتی ہے اور طرفین میں نہایت خوش گوار تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ لوگوں میں باہم اچھے تعلقات ہوں، دین میں یہ حد درجہ پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ دین کے دوسرے مقاصد کے حصول میں بھی یہ چیز نہایت معاون ہوتی ہے۔ ایک پائدار اور مثالی سماج اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جبکہ اس کے افراد میں باہم یگانگت پائی جاتی ہو اور وہ ایک دوسرے سے الفت و محبت رکھتے ہوں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِیْلَ فَقَالَ: اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ، ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ فَیَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْہُ فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ، وَ اِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِیْلَ فَیَقُوْلُ: اِنِّیْ اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْہُ فَیَبْغِضُہٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِیْ اَھْلِ السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوْہُ ثُمَّ تُوْضَعُ لَہُ الْبَغْضَآءُ فِی الْاَرْضِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے

محبت کرو۔ پھر جبریلؑ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کے لیے زمین (والوں کے دلوں) میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ اور جب اللہ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں تم بھی اس سے بغض رکھو۔ پس وہ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔ پھر اس کے لیے زمین (والوں کے دلوں) میں بغض رکھ دیا جاتا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ جس بندے کو محبوب رکھتا ہے اسے آسمان و زمین سب میں محبوب بنا دیتا ہے۔ حضرت جبریلؑ جیسے بزرگ فرشتے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ عالمِ بالا میں اس کی محبوبیت کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ زمین پر بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ زمین میں اس کا وجود ایک روشن ستارے کی مانند ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ اس کے بڑے سے بڑے دشمن بھی اس کی محبوبیت کو چھین نہیں سکتے۔ جو لوگ اس کی دشمنی پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ان کی مخالفت اور دشمنی کے پیچھے کوئی صحیح جذبہ نہیں کام کر رہا ہوتا ہے۔ وہ محض اپنی پستیِ کردار کے سبب اور محض اپنی دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ دل میں اس کی عظمت کے وہ بھی معترف ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف جس شخص سے اللہ کو اس کی سرکشی اور اس کے برے کردار و اعمال کے سبب سے نفرت ہوتی ہے وہ عالم میں سبھی کے نزدیک قابلِ نفرت بن جاتا ہے۔ نہ جبریلؑ کو اس سے محبت ہو سکتی ہے اور نہ دوسرے فرشتوں کو اس سے کوئی لگاؤ ہو سکتا ہے۔ زمین والوں کی نگاہ میں بھی وہ مبغوض ہوتا ہے۔ اسے لوگوں کی الفت و محبت ہرگز حاصل نہیں ہوتی۔ جو لوگ اس سے ربط و لگاؤ رکھتے ہیں ان کا لگاؤ محض ظاہری ہوتا ہے، وہ اپنے کسی مفاد اور غرض کے پیشِ نظر اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں فی الواقع اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ رَجُلاً عَلٰی سَرِیَّةٍ فَكَانَ یَقْرَءُ لِاَصْحَابِهٖ فِیْ صَلٰوتِهِمْ فَیَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذَالِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: سَلُوْهُ لِاَیِّ شَیْیٍٔ یَصْنَعُ ذَالِکَ؟ فَسَاَلُوْهُ

فَقَالَ: لِاَنَّهُمَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَءَ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُحِبُّهٗ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب کو رسول اللہ ﷺ نے کسی 'سریہ' پر بھیجا۔ جب وہ اپنے ساتھ والوں کو نماز پڑھاتے تو اسے قل ھو اللّٰہ احد پر ختم کرتے۔ جب وہ لوگ (سریہ) سے واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ اسے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کس لیے کرتے تھے؟ جب ان سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ اس میں رحمٰن کا وصف (بیان ہوا) ہے۔ اس کا پڑھنا مجھے محبوب ہے۔ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انھیں مطلع کردو کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت ہے۔"

تشریح: دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ سورۂ قل ھو اللّٰہ (سورۂ اخلاص) میں چونکہ خدائے رحمٰن و رحیم کی صفات و کمالات کا ذکر ہے اس لیے یہ سورۃ مجھے بے حد محبوب ہے۔ اسی لیے نماز کو میں اسی سورۃ پر ختم کرتا رہا۔

اس پر آپؐ نے فرمایا کہ چونکہ انھیں اللہ سے محبت ہے جس کے سبب سورۂ اخلاص سے انھیں خاص شغف ہے تو انھیں اس کی اطلاع دے دو کہ خدا بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ کسی بندہ کے لیے اس سے بڑھ کر شرف کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ، وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَ یَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَ اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَ لَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَهُ الْمَوْتَ وَ اَنَا اَکْرَهُ مَسَاءَ تَهٗ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ میرے عائد کردہ فرض سے

بڑھ کر محبوب چیز میرے نزدیک دوسری نہیں ہوسکتی جس کے ذریعہ سے بندہ میرا قرب حاصل کرے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا اور حملہ کرتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور جس کام کو میں کرنے والا ہوتا ہوں اس میں مجھے تردد نہیں ہوتا۔ مجھے تردد و تامل اس مومن کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے جسے موت ناگوار ہوتی ہے۔ مجھے اس کو ایذا پہنچانا پسند نہیں لیکن اس سے کسی حال میں مفر نہیں۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ خدا کے فرماں بردار اور محبوب بندے سے کسی کی دشمنی درحقیقت خدا سے دشمنی اور بغاوت ہے، ایسا شخص درحقیقت خدا سے جنگ مول لے رہا ہے، خدا کی غیرت اسے کبھی بھی گوارا نہیں کرسکتی، ایسا شخص انجام کار منھ کی کھائے گا۔ قرآن میں اس طرح کے غضب کا اظہار ان لوگوں پر بھی کیا گیا ہے جو سودخوری سے باز نہ آئیں۔ فرمایا گیا ہے: يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ''اے ایمان والو! اللہ کا ڈر رکھو اور جو سود (لوگوں پر) باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمھارے خلاف جنگ (کا اعلان) ہے۔'' (البقرہ:۲۷۸-۲۷۹)

یہ حدیث بتاتی ہے کہ سب سے پسندیدہ اعمال وہ ہیں جن کو خدا نے اپنے بندوں کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ ان کے ذریعہ سے بندوں کو خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو فرائض خدا نے اپنے بندوں پر عائد کیے ہیں ان کی اصل غرض و غایت خدا کا قرب ہے۔ بندے کی زندگی میں اس قرب کا اظہار مختلف انداز اور مختلف اسالیب میں ہوتا ہے۔ خدا کے مقرب بندوں کو جہاں ایک طرف سیرت کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی حاصل ہوتی ہے وہیں ان کے دل کو وہ سوز و گداز، درد و کیف اور انابت و سکینت کی دولت حاصل ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی

دولتیں ہیچ محض ہیں، انھیں وہ حیات حاصل ہوتی ہے جس کا وعدہ قرآن کے ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ (النحل: ۹۷) ''جس کسی نے اچھا عمل کیا، مرد ہو یا عورت اگر وہ ایمان پر ہے تو ہم اسے ضرور اچھی زندگی عطا کریں گے۔'' اس کی شخصیت کو وہ نور وحیات حاصل ہوتی ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ (الانعام: ۱۲۲) ''کیا وہ شخص جو مردہ تھا ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی کردی جس کو لیے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہوا ہو، ان سے نکلنے والا ہی نہ ہو۔'' اسی حیات ونور کا اظہار ایمان واتباعِ شریعت کی شکل میں بھی ہوتا ہے، یہی حیات ونور ہے جس سے اس کی شخصیت جگمگا اٹھتی ہے۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ (التحریم: ۸) ''ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑتا ہوگا اور ان کے داہنے ہاتھ میں ہوگا۔'' ایمان کی صداقت اور سیرت وکردار کی پاکیزگی سے صرف دنیا ہی میں مومن کی زندگی نہیں جگمگا اٹھتی بلکہ آخرت میں بھی اس کے وجود کی روشنی اپنے ماحول کو روشن رکھے گی اور میدان حشر سے جنت کی طرف اس کی رہنمائی کرے گی۔

خدا کا مقرب بندہ فرائض اور واجبات سے بھی آگے بڑھ کر خدا کی راہ میں جدوجہد کرتا اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال میں سرگرم رہتا ہے۔ وہ فرائض کے علاوہ نوافل کا بھی اہتمام کرتا اور زیادہ سے زیادہ خدا کی اطاعت وبندگی اور اس کی عبادت میں منہمک رہتا ہے۔ ایسا شخص خدا کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ خدا کی مدد ونصرت اسے حاصل ہوتی ہے، پھر اس کی پوری زندگی مرضیاتِ الٰہی کی پابند ہوجاتی ہے۔ اس کا کوئی بھی کام خدا کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ اس کا چلنا پھرنا، دیکھنا، سننا، میدانِ عمل میں آگے بڑھنا وغیرہ سب کچھ خدا کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ زبور کی زبان میں وہ خدا کا ''ممسوح'' ہوتا ہے اور اپنے خداوند کے ''چہرے کے نور'' میں چلتا ہے۔ (زبور ۸۴:۹؛ ۸۹:۱۵)

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال: ۱۷) ''(اے ایمان والو!) تم نے ان (مخالفینِ حق)

کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا اور (اے نبیؐ) تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔"
اس آیت میں اللہ نے مومنوں اور اپنے نبی کے عمل کو اپنا عمل قرار دیا کیونکہ یہ عمل خدا ہی کے لیے اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور اس کے ساتھ خدا کی نصرت و مدد بھی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان سے اللہ کو گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اسے یہ پسند نہیں کہ اہل ایمان کو کوئی ایذا پہنچے لیکن بعض چیزوں کو وہ اپنی حکمت اور عظیم مقاصد کے پیش نظر گوارا کرتا ہے ان میں سے ایک مومن کی موت بھی ہے۔

خدا کا خوف

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی ذَرٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاتَّبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ (احمد، ترمذی، دارمی)

ترجمہ: ابوذرؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہاں اور جس حال میں رہو، خدا کا ڈر رکھو اور ہر برائی کے بعد نیکی کرو، وہ اسے مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔"

تشریح: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جامع نصیحت بیان ہوئی ہے۔ آدمی کا اولین فرض ہے کہ وہ جہاں کہیں اور جس حالت میں ہو خدا سے ڈرتا رہے۔ کوئی ایسا کام ہرگز نہ کرے جو خدا کی ناراضی کا موجب ہو۔ اگر کبھی کوئی غلطی اور برائی ہو جائے تو فوراً خدا کے آگے جھک جائے اور اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگے اور اس خطا کے بعد کوئی نہ کوئی نیکی کا کام بھی اسے کر لینا چاہیے تاکہ نیکی گناہ کے اثرات کو بالکل مٹا دے اور قلب برائی کی ظلمت سے بالکل پاک ہو جائے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا ہے: اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ۔ (ہود: ۱۱۴) "بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔" جس طرح بندے پر خدا کا حق ہے اسی طرح اس پر اس کے بندوں کا بھی حق ہوتا ہے۔ بندگانِ خدا کے ساتھ اسے ہمیشہ حسنِ اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

﴿۲﴾ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ثَلٰثٌ مُنْجِیَاتٌ وَ ثَلٰثٌ مُھْلِکَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنَا وَالْفَقْرِ وَ اَمَّا الْمُھْلِکَاتُ فَھَوًی مُتَّبَعٌ وَ شُحٌّ مُّطَاعٌ وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ وَ ھِیَ اَشَدُّھُنَّ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ہلاک کرنے والی اور تین نجات دلانے والی ہیں۔ نجات دلانے والی چیزیں ہیں: کھلے چھپے اللہ کا ڈر رکھنا۔ خوشی اور ناراضی دونوں حالتوں میں حق بات کہنا اور خوش حالی اور غریبی دونوں میں اعتدال کی راہ پر قائم رہنا۔ ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں: خواہشِ نفس جس کی پیروی کی جائے۔ بُخل جس کے تقاضے پر چلا جائے اور آدمی کی خود پسندی اور یہ ان میں سب سے زیادہ سخت ہے۔''

تشریح: جو شخص کھلے چھپے، جلوت اور خلوت ہر حالت میں اللہ سے ڈرتا اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے، ہمیشہ حق بات کہتا ہے خواہ وہ کسی سے ناراض ہو یا خوش ہو، اس کی زبان پر کبھی غلط بات نہیں آتی اور فراخی و مفلسی دونوں ہی حالتوں میں اعتدال کو ملحوظ رکھتا ہے۔ نہ خوشحالی میں اسراف سے کام لیتا اور حد سے تجاوز کرتا ہے اور نہ تنگ دستی میں بے صبری سے کام لیتا اور کوئی غلط رویّہ اختیار کرتا ہے۔ ایسے شخص کو دنیا کی زندگی میں بھی قلبی اور روحانی سکون اور راحت حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی وہ خدا کی گرفت اور اس کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

اس کے برعکس جو شخص خدا کی اطاعت کرنے کے بجائے ہوائے نفس کا بندہ بنا رہتا ہے، فراخ دلی اور فیاضی کی روش اختیار کرنے کے بجائے بُخل اور تنگ دستی کو اپنا شعار بناتا اور خود پسندی جیسے قبیح مرض میں مبتلا ہوتا ہے وہ دنیا میں بھی تباہ و برباد ہوتا ہے، اس کی کوئی شخصیت اور اس کا کوئی کردار نہیں ہوتا، وہ ایک بکاؤ مال ہوتا ہے جو ہر قیمت پر بک سکتا ہے۔ آخرت کی تباہی بھی اس کے لیے مقدر ہے۔ آخرت میں بھی وہ اپنے کو تباہی سے نہ بچا سکے گا۔ اس حدیث میں خود پسندی کو سب سے زیادہ سخت کہا گیا ہے۔ جب کسی کو خود پسندی کی بیماری لگ جاتی ہے تو اس کا راہِ راست پر آنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص کبھی اس پوزیشن ہی میں نہیں ہوتا کہ کسی کی کوئی بھلی بات سن سکے۔ اللہ کو جو چیز سب سے زیادہ ناپسند ہو سکتی ہے وہ کبر و غرور، خود پسندی اور رعونت ہی ہے۔ اسی چیز نے ابلیس کو ہلاک کیا اور اسی کے سبب دنیا میں کتنے لوگ مارے گئے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ذِكْرُهٗ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ۔ (ترمذی، بیہقی فی کتاب البعث والنشور)

ترجمہ: انسؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ ''اللہ عزوجل (قیامت کے

دن) حکم دے گا: جس شخص نے کسی دن مجھے یاد کیا یا کسی جگہ مجھ سے ڈرا اس کو (دوزخ کی) آگ سے نکال لو۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آدمی کا خاتمہ اگر ایمان پر ہوا ہے، وہ کافر اور مشرک ہو کر نہیں مرا ہے تو وہ اپنے گناہوں اور ظلم و زیادتی کے سبب بھلے ہی دوزخ میں ڈال دیا جائے لیکن اگر کسی موقع پر اس نے خدا کو یاد کیا ہوگا اور کبھی اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا ہوگا تو اس کے سبب خدا کسی نہ کسی دن اسے ضرور جہنم کے عذاب سے نجات بخشے گا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا مِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ یَّخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ دُمُوْعٌ وَ اِنْ کَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ ثُمَّ یُصِیْبُ شَیْئًا مِّنْ حُرِّ وَجْھِہٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کسی بندۂ مومن کی آنکھوں سے آنسو نکلیں اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر (یعنی ننھی بوند کے بقدر) ہی کیوں نہ ہوں پھر وہ بہہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ اسے (دوزخ کی) آگ کے لیے حرام کر دے گا۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوفِ خدا کے آنسوؤں سے تر ہوا سے دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ ان آنسوؤں کی خاصیت اور اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا یہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ خوفِ خدا سے آنسو بہانے والا خدا کی نافرمانی اور ظلم و زیادتی کا مرتکب ہو کر خود ہی اپنے کو اس بشارت کا مستحق نہ رکھے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ وَلَا یَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ دُخَانُ جَھَنَّمَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے خوف سے رونے والا شخص (دوزخ کی) آگ میں نہیں جائے گا جب تک کہ دودھ تھن میں واپس نہ ہو جائے۔ اور اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں یکجا نہ ہوں گے۔"

تشریح: کوئی شخص زندگی میں غلط روش اختیار کر کے خود ہی اپنے آنسوؤں کی قیمت گھٹا دے تو

دوسری بات ہے ورنہ ان آنسوؤں کی خاصیت وہی ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ خوفِ خدا سے گرے ہوئے آنسوؤں کے قطرے آدمی کی زندگی کو پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنادیتے ہیں اور وہ آخرت میں خدا کے قرب اور انعام کا مستحق ہوجاتا ہے لیکن جو آنسو زندگی کو آلودگیوں سے پاک نہ کرسکیں جن کا آدمی کی سیرت وکردار پر کچھ اثر نہ ہو وہ آنسو کسی کو خدا کے انعامات کا مستحق کیسے بناسکیں گے؟

یہ حدیث بتاتی ہے کہ ایسا شخص جس کے قدم خدا کی راہ میں گرد آلود ہوئے ہوں یا جس کے کپڑے خدا کی راہ میں گرد سے اَٹے ہوں، جس نے دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد کی ہو وہ جہنم کی آگ اور دھوؤں سے محفوظ رہے گا۔ جہنم کی آنچ اسے نہیں پہنچ سکتی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے قلب کا کیا حال ہوتا ہے۔ اور اس کی زندگی کا رُخ کیا ہوتا ہے۔ مومن کا دل خوفِ خدا سے خالی نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنی زندگی میں خدا کے دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

〈۶〉 وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ صُدَیِّ بْنِ عَجلاَنَ الْبَاهِلِیِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَیسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ قَطْرَتَینِ وَ اَثْرَینِ: قَطْرَةِ دُمُوْعٍ مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَ قَطْرَةِ دَمٍ تُهْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اَمَّا الْاَثْرَانِ فَاَثَرٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ اَثَرٌ فِیْ فَرِیْضَةٍ مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی چیز اتنی محبوب نہیں جتنے دو قطرے اور دو نشان محبوب ہیں۔ ایک قطرہ آنسوؤں کا جو خدا کے خوف سے گرے، دوسرا قطرہ خون کا جو خدا کی راہ میں بہایا جائے۔ رہے دو نشان تو ایک نشان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہو اور دوسرا نشان وہ جو خدا کے فرائض میں سے کسی فرض کے سلسلہ میں ہو۔''

تشریح: یعنی خون کا وہ قطرہ جو خدا کے دین کی سربلندی اور اس کی حفاظت کے لیے میدانِ جنگ میں بہایا جائے۔

〈۷〉 وَ عَنِ الْعَبَّاسِ ؓ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: یَقُوْلُ عَیْنَانِ لاَ تَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَیْنٌ بَکَتْ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَ عَیْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (طبرانی)

ترجمہ: عباس بن عبد المطلبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو (دوزخ کی) آگ نہیں چھوئے گی: ایک آنکھ وہ جو درمیانِ شب خدا کے خوف سے روئی اور دوسری آنکھ وہ جس نے راہِ خدا میں نگہبانی کرتے رات گزاری۔“

تشریح: اس حدیث میں دو شخصوں کو جہنم کے عذاب سے نجات پانے کی خوش خبری دی گئی ہے: ایک شخص تو وہ ہے جو رات میں اس وقت اٹھ کر خدا کے سامنے آنسو بہاتا اور اس سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے جب دنیا آرام کی نیند سو رہی ہوتی ہے۔ دوسرا وہ مومن شخص ہے جس کے ذمہ سرحد وغیرہ کی حفاظت ہے۔ وہ راتوں کو اپنی نیند قربان کر کے پہرہ دیتا اور دشمن کے دراندازیوں سے سرحد کی حفاظت کرتا ہے۔ یقیناً یہ دونوں شخص اسی کے مستحق ہیں کہ خدا آخرت کے عذاب سے ان کو مامون و محفوظ رکھے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ. اِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ، وَ رَجُلَانِ تَحَآبَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَیْهِ وَ رَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّ جَمَالٍ، فَقَالَ: اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ، وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سات آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ اس دن اپنا سایہ کرے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ امام عادل، وہ نوجوان جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پرورش پائی۔ وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہے۔ وہ دو آدمی جو اللہ کے لیے باہم محبت کریں۔ اسی غرض سے باہم اکٹھا ہوں اور اسی پر جدا ہوں۔ وہ شخص جسے کوئی منصب و اعزاز والی حسین عورت بلائے تو وہ کہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ شخص جو صدقہ کرے اور اسے اتنا چھپائے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا دیا اور وہ شخص جو تنہائی میں خدا کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔“

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں جن پر قیامت کے روز خدا کی خاص رحمت ہوگی۔ وہ اس دن ہر طرح کی تکلیف اور پریشانی سے مامون و محفوظ ہوں گے۔ اس دن خدا کی رحمت جس سے روٹھ جائے گی اسے کہیں بھی پناہ نہ ملے گی۔

پہلا شخص وہ فرماں روا اور حاکم ہے جس نے اپنی سلطنت میں عدل و انصاف قائم رکھا اور ہر طرح کے ظلم اور زیادتی سے اپنے کو دور رکھا۔

دوسرا وہ جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری۔

تیسرا وہ شخص وہ نماز جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون بن گئی ہو۔ مسجد سے نکلنے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا رہتا ہو کہ کب پھر نماز کا وقت آئے اور وہ وہاں پہنچ کر خدا کے آگے سر بہ سجود ہو۔

چوتھے وہ دو شخص جن کی باہمی محبت خدا کے لیے ہو۔

پانچواں وہ شخص جس کو برائی کی طرف لے جانے والی تمام چیزیں مہیا ہوں۔ دل کا صیّاد پورے سامان کے ساتھ شکار کو آیا ہو۔ حسن ہو، اعزاز ہو، جوش و شباب ہو، تنہائی ہو اور حسن خود دیوانگی کی دعوت دے رہا ہو، ایسی حالت میں خدا کا خوف ہی آدمی کو برائی سے بچا سکتا ہے۔ اس صورتِ حال سے دوچار ہو کر اگر کوئی شخص خوفِ خدا سے برائی کے قریب نہیں جاتا تو یقیناً اس کا ایمان و یقین کامل ہے۔ لازماً اسے آخرت میں خدا کا سایہ حاصل ہوگا۔

چھٹواں شخص وہ ہے جو بہت ہی چھپا کر صدقہ کرے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی کو جھوٹی شہرت کی خواہش نہیں ستاتی بلکہ اسے صرف خدا کی خوش نودی اور رضا مطلوب ہوتی ہے۔

ساتواں شخص وہ ہے تنہائی میں بھی جو خدا کو نہ بھولے۔ کوئی آدمی کیا ہے؟ اس کا اظہار جلوت سے زیادہ خلوت میں ہوتا ہے۔ جب آدمی تنہا ہو، اسے دیکھنے والا دوسرا کوئی نہ ہو، اس وقت بھی اگر وہ خدا کو یاد کرے، اس کے خوف سے کانپے اور اس سے مدد کا طالب ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اس کی خدا پرستی محض دنیا کو دکھلانے کے لیے نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ خدا کو ماننے والا ہے۔ خدا کی عظمت اور بزرگی کا احساس اس کے دل و دماغ پر چھا گیا ہے۔ خدا اس کے لیے بے جان تصور نہیں ہے، بلکہ خدا اس کی زندگی میں پورے طور پر شامل و داخل ہو چکا ہے۔

وہ اگر پبلک میں ایک خدا پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہے تو وہ اپنے اس اعلان میں صادق ہے۔ ایسا شخص اگر خدا کا مقرب نہ ہوگا تو کون ہوگا۔ اسے لازماً آخرت میں خدا کا سایہ نصیب ہوگا۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَہٗ: اِنَّکَ لَسْتَ بِخَیْرٍ مِّنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَہٗ بِتَقْوٰی۔ (احمد)

ترجمہ: ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم (اپنی ذات کے لحاظ سے) نہ کسی گورے سے اچھے ہو اور نہ کسی کالے سے، یہ دوسری بات ہے کہ تقویٰ (خوفِ خدا) کے سبب تمھیں کسی پر فضیلت حاصل ہو۔''

تشریح: یعنی رنگ و نسل یا وطن کی بنیاد پر کسی کو بزرگی اور بڑائی حاصل نہیں ہوسکتی۔ بزرگی کا اصل معیار تقویٰ ہے۔ سب سے زیادہ بزرگ و محترم وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی سے بچنے والا ہو۔ یہی بات قرآن میں ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْاط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌo (الحجرات: ۱۳) ''اے لوگو! ہم نے تمھیں پیدا کیا ایک مرد اور عورت سے اور تمھاری بہت سی نسلیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے یہاں تو تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ (اللہ کا) ڈر رکھنے والا ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔''

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَ حَیْثُ کَانُوْا۔ (احمد)

ترجمہ: معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب اللہ کا ڈر رکھنے والے لوگ ہیں، وہ جو بھی ہوں اور جہاں کہیں ہوں۔''

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب آپؐ معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی یا عامل بنا کر روانہ فرما رہے تھے۔ حضرت معاذؓ اپنی سواری پر تھے اور حضورؐ ان کی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ جب انھیں ضروری وصیت اور نصیحت فرما چکے تو فرمایا: معاذ! بہت ممکن ہے میری زندگی کے اس سال کے بعد پھر تمھاری مجھ سے ملاقات نہ ہو اور شاید ایسا ہو کہ تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو۔ یہ سن کر حضرت معاذؓ جدائی کے صدمے سے رونے لگے۔

پھر رسول اللہؐ نے ان کی طرف سے منھ پھیر کر مدینہ کی طرف رخ کرلیا اور فرمایا: ''لوگوں میں مجھ سے سب سے زیادہ قریبی لوگ وہ ہیں جو خدا کا ڈر رکھتے ہیں۔ وہ جو بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں۔'' مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھ تعلق کی اصل بنیاد تقویٰ ہے۔ اگر کسی کے اندر خوفِ خدا اور تقویٰ موجود ہے تو خواہ بظاہر وہ مجھ سے دور ہو لیکن حقیقت کے لحاظ سے وہ دور نہیں ہے، وہ مجھ سے قریب ہے اور آخرت کی دائمی زندگی میں، میں اور وہ دونوں ایک ساتھ رہیں گے۔ لیکن اگر کسی میں تقویٰ نہیں ہے تو خواہ وہ جسمانی طور پر مجھ سے قریب ہو لیکن حقیقت میں وہ مجھ سے دور ہے اور میں اس سے دور ہوں۔ اس طرح آپؐ نے حضرت معاذؓ کو تسلی دی کہ انھیں جدائی کا زیادہ غم نہیں ہونا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ زندگی تقویٰ اور خوفِ خدا سے خالی نہ ہو۔

اللہ سے حسنِ ظن

⟨۱⟩ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ بِیْ مَا یَشَآءُ۔ (بیہقی طبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ ''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، وہ جیسا چاہے مجھ سے گمان قائم کرلے۔''

تشریح: خدا کا یہ حق ہے کہ بندہ اس کے ساتھ اچھا گمان رکھے۔ بندہ خدا کے ساتھ جیسا گمان اور تصور رکھتا ہے، خدا اسی لحاظ سے اس کے ساتھ طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔ بندہ خدا کے ساتھ کیا گمان اور تصور رکھتا ہے، یہ اس بات کی پہچان ہوتی ہے کہ اس کی فکری اور عملی حالت کیسی ہے۔ خدا کے فضل اور اس کی نوازشات کا مستحق آدمی اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ وہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق اور طرزِ عمل کو درست کرلے اور خدا کے ساتھ اچھا تصور رکھے اور اس کی طاعت اور بندگی میں ہی زندگی بسر کرے۔ ایسی صورت میں یقیناً اس کا گمان اور اس کی توقع حقیقت کے مطابق ہی ہوگی۔

⟨۲⟩ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَهٗ اِذَا دَعَانِیْ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔“

﴿۳﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ اِنْ ظَنَّ خَیْرًا فَلَهٗ وَ اِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهٗ۔ (احمد، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے اگر وہ (مجھ سے) اچھا گمان قائم کرے تو اسی کے لیے اچھا ہے۔ اور اگر برا گمان قائم کرے تو یہ اسی کے لیے برا ہے۔“

﴿۴﴾ وَ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَهٗ حَیْثُ یَذْکُرُنِیْ وَاللّٰهِ لَلّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ اَحَدِکُمْ یَجِدُ ضَآلَّتَهٗ بِالْفَلَاةِ وَ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَ اِذَا اَقْبَلَ اِلَیَّ یَمْشِیْ اَقْبَلْتُ اِلَیْهِ اُهَرْوِلُ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جہاں مجھے وہ یاد کرتا ہے۔ اور خدا کی قسم خدا اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کہ تم میں سے کوئی اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کو کسی بیابان میں پاکر ہوتا ہے اور (وہ فرماتا ہے) جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے، میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔“

تشریح: اس حدیث سے خدا کی بے پایاں رحمت کا اظہار ہوتا ہے۔ بندہ جب خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ خدا کی رحمتیں اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میں اپنے بندے کے گمان وخیال کے ساتھ ہوں۔ وہ جیسا میرے ساتھ گمان رکھے۔ میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت کے اندر میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہے۔''

تشریح: یہ حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتا ہے کہ بندہ میرے بارے میں جیسا خیال وگمان رکھتا ہے میں اس کے لیے ویسا ہی ہوں۔ میرا معاملہ اس کے ساتھ اس کے گمان کے موافق ہی ہوتا ہے۔

بندہ اگر اللہ کا ذکر لوگوں کے درمیان کرتا ہے تو اللہ اس کا ذکر ملائکہ اور ارواحِ مومنین و انبیاء کی مجلس میں کرتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی مجلس سے بہتر کون سی مجلس ہو سکتی ہے۔ اگر بندہ خدا کو اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو خدا بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہے۔ وہ اسے کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔ یہ محض اس کی رحمت ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ قَبْلَ مَوْتِہٖ بِثَلاَ ثَۃِ اَیَّامٍ یَقُوْلُ: لاَ یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَ ھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے آپؐ کی وفات سے تین روز پہلے سنا، آپؐ فرماتے تھے کہ ''تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔''

تشریح: یعنی مرتے وقت انسان کو اللہ سے مغفرت اور بخشش کی امید رکھنی چاہیے۔

اللہ کی اطاعت

﴿۱﴾ عَنِ الْمُھَاجِرِیْنَ حَبِیْبٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنِّیْ لَسْتُ کُلَّ کَلاَمِ الْحَکِیْمِ اَتَقَبَّلُ وَ لٰکِنِّیْ اَتَقَبَّلُ ھَمَّہٗ وَ ھَوَاہُ فَاِنْ کَانَ ھَمُّہٗ وَ ھَوَاہُ فِیْ طَاعَتِیْ جَعَلْتُ صَمْتَہٗ حَمْدًا لِیْ وَ وَقَارًا وَ اِنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْہُ۔ (دارمی)

ترجمہ: مہاجر بن حبیبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میں حکیم کے ہر کلام کو قبول نہیں کرتا لیکن میں اس کے قصد وارادہ کو قبول کرتا ہوں۔ اگر اس کا قصد وارادہ

میری اطاعت میں ہے تو میں اس کی خاموشی کو اپنی حمد اور وقار و عظمت قرار دیتا ہوں اگرچہ وہ کلام نہ کرے (خاموش ہی رہے)۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا دانشور اور حکیم اور عالم کیوں نہ ہو میری اصل نظر اس کے کلام پر نہیں بلکہ اس کی نیت، اس کے ارادے اور اس کے احساسات اور جذبات پر ہوتی ہے۔ اگر اس کی نیت درست اور اس کے جذبات پاکیزہ اور میری اطاعت کے تابع ہیں تو میں اسے قبول کر لیتا ہوں۔ اگر اس کے دل میں جذبۂ اطاعت و بندگی کے علاوہ کوئی اور جذبہ کام نہیں کر رہا ہے تو اس کی گفتگو ہی نہیں اس کی خاموشی اور سکوت بھی لائقِ صد تحسین ہے۔ اس کی خاموشی بھی میری بارگاہ میں میری حمد و ثنا اور میری تعظیم قرار پاتی ہے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: قَالَ رَبُّکُمْ عَزَّوَجَلَّ: لَوْ اَنَّ عَبِیْدِیْ اَطَاعُوْنِیْ لَاَسْقَیْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّیْلِ وَ اَطْلَعْتُ عَلَیْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ وَلَمْ اُسْمِعْهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ. (احمد)

ترجمہ: ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ تمھارا رب بزرگ و برتر فرماتا ہے: ''اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں ان پر رات میں مینھ برساؤں (جب کہ وہ سو رہے ہوں) اور دن کو آفتاب نکالوں اور بادل گرجنے کی آواز انھیں نہ سناؤں۔''

تشریح: یعنی اگر وہ میری اطاعت کریں گے تو آخرت کے علاوہ انھیں دنیا میں بھی ہماری طرف سے برکتیں حاصل ہوں گی۔ وہ رات میں آرام سے سو رہے ہوں گے اور ان کی زمین بارش سے سیراب ہو رہی ہوگی۔ اس طرح وہ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سے محفوظ رہیں گے اور دن میں انھیں دھوپ بھی ملے گی۔ قرآن نے بھی حضرت نوحؑ کا یہ قول نقل کیا ہے: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ط (نوح: ۱۰-۱۲) ''اور میں نے کہا: تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، بے شک وہ مغفرت فرمانے والا ہے۔ وہ آسمان کو تم پر خوب برستا چھوڑے گا اور تمھیں اور زیادہ مال اور بیٹے عطا کرے گا اور تمھارے لیے باغ لگا دے گا اور تمھارے لیے نہریں نکالے گا۔''

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ سَرِیَّۃً وَاسْتَعْمَلَ عَلَیْھِمْ رَجُلاً مِّنَ الْاَنْصَارِ وَ اَمَرَھُمْ اَنْ یَّسْمَعُوْا لَہٗ وَ یُطِیْعُوْہُ فَاَغْضَبُوْہُ فِیْ شَیْئٍ فَقَالَ: اِجْمَعُوْا اِلَیَّ حَطَبًا، فَجَمَعُوْا لَہٗ ثُمَّ قَالَ: اَوْقِدُوْا نَارًا۔ فَاَوْقَدُوْا ثُمَّ قَالَ: اَلَمْ یَاْمُرْکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ تَسْمَعُوْا لِیْ وَ تُطِیْعُوْا؟ قَالُوْا بَلٰی، قَالَ: فَادْخُلُوْھَا فَنَظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ وَ قَالُوْا اِنَّمَا فَرَرْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنَ النَّارِ، فَکَانُوْا کَذَالِکَ حَتّٰی سَکَنَ غَضَبُہٗ فَطَفِئَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَکَرُوْا ذَالِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوْھَا مَا خَرَجُوْا مِنْھَا اَبَدًا وَ قَالَ: لاَ طَاعَۃَ فِیْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ اِنَّمَا الطَّاعَۃُ فِی الْمَعْرُوْفِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر مرتب فرمایا اور اس پر انصار میں سے ایک شخص کو امیر بنایا اور ان (فوجیوں) کو حکم دیا کہ اس کی بات سنیں اور اس کا حکم مانیں۔ انھوں نے کسی بات پر اس کو خفا کر دیا۔ اس نے (غصّہ میں آکر) حکم دیا کہ میرے پاس لکڑی جمع کرو۔ لوگوں نے (لکڑیاں) جمع کر دیں۔ پھر اس نے کہا: ان کو جلا کر آگ تیار کرو۔ انھوں نے آگ جلائی۔ پھر اس نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے حکم نہیں دیا تھا کہ تم میری بات سنو اور میری اطاعت کرو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں حکم دیا ہے۔ اس نے کہا: اچھا تو اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ وہ باہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے: آگ ہی سے تو بچنے کے لیے ہم بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے (اب اس میں داخل کیسے ہو جائیں)۔ وہ اسی حال میں تھے یہاں تک کہ اس کا غصہ فرو ہو گیا اور آگ بجھ گئی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر یہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے۔'' اور آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔ اطاعت تو معروف میں ہے۔''

تشریح: فوجیوں نے امیر کے حکم پر آگ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان اسی لیے لے آئے تھے کہ ہم آخرت میں جہنم کی آگ سے بچ سکیں اور دنیا میں بھی برے انجام اور بری موت سے ہم محفوظ رہ سکیں۔ پھر آگ کے الاؤ میں ہم کیسے کود سکتے ہیں۔ نبی ﷺ کو وہ اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ آگ میں داخل ہو کر خودکشی

کر لیتے تو ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتے ہی رہتے، کبھی اس عذاب سے نجات نہ مل سکتی۔ کسی کی اطاعت میں اگر خدا کی نافرمانی ہوتی ہو تو پھر اس کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے۔ مسلمانوں کی انفرادی اور ان کی اجتماعی زندگی دونوں ہی کا اصل مرکز خدا کی اطاعت اور فرماں برداری ہے۔ دوسری وفاداریاں اور اطاعتیں صرف اس صورت میں قبول کی جاسکتی ہیں جبکہ وہ خدا کی اطاعت اور وفاداری کے تحت ہوں، اس کے مدمقابل نہ ہوں۔ یعنی اطاعت جائز اور بھلائی کے کاموں میں ہی کی جاسکتی ہے جو اللہ کو پسند ہیں۔ ایسے کاموں میں اطاعت ہرگز روا نہیں ہے جن میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے: السمع والطاعة علی المرء المسلم فی ما احب و کرہ مالم یومر بمعصیة فَاذا اُمر بمعصیة فلا سمع ولاَ طاعة۔ بخاری و مسلم۔ ''مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سمع ہے نہ طاعت۔''

﴿۴﴾ وَ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ۔ (شرح السنہ)

ترجمہ: نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کے لیے کوئی اطاعت نہیں۔''

تشریح: کسی کی اطاعت تو اسی وقت تک روا ہے جب تک وہ خدا کی اطاعت کے مدمقابل نہ ہو۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَیُّهَا النَّاسُ! لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ یُّقَرِّبُکُمْ اِلَی الْجَنَّةِ یُبَاعِدُکُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِهٖ وَ لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ یُّقَرِّبُکُمْ مِّنَ النَّارِ وَ یُبَاعِدُکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَیْتُکُمْ عَنْهُ وَ اِنَّ الرُّوْحَ الْاَمِیْنَ وَ فِیْ رِوَایَةٍ وَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا اَلاَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلاَ یَحْمِلُکُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لاَ یُدْرَکُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ۔ (شرح السنة، بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! کوئی چیز علاوہ اس کے جس کا میں تمھیں حکم دے چکا ہوں ایسی نہیں جو جنت سے قریب کر دے اور (دوزخ کی) آگ سے دور رکھے۔ اور کوئی چیز علاوہ اس کے جس سے میں تمھیں منع کر چکا ہوں ایسی نہیں جو تمھیں (دوزخ کی) آگ سے قریب اور جنت سے دور رکھے۔ اور روح الامین (حضرت جبریلؑ) نے (ایک روایت میں روح القدس نے) میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے۔ خبردار! خدا کا ڈر رکھو اور رزق حاصل کرنے میں اعتدال سے کام لو۔ اور رزق میں تاخیر کے سبب کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اسے خدا کی نافرمانی کر کے حاصل کرو کیونکہ جو (پاکیزہ) چیز خدا کے پاس ہے وہ تمھیں اللہ کی اطاعت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔''

تشریح: نبی ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں وہ احکام تم تک پہنچا چکا ہوں جن کی پیروی تمھیں جنت کا مستحق بنا سکتی ہے اور جن پر چل کر تم اپنے کو خدا کے عذاب سے بچا سکتے ہو۔ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے وہ احکام کافی ہیں جو میں نے تمھیں دیے ہیں۔ خدا کی رضا طلبی اور اس کی خوشی کی تلاش میں تمھیں ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ تمھیں اس کے لیے جنگلوں کی خاک چھاننی ہے اور نہ بستی سے دور جا کر کہیں کوئی کٹھن تپسیا اور ریاضت کرنی ہے۔ تمھارا تپ اور تمھاری ریاضت یہی ہے کہ تم ان احکام کی پیروی میں لگ جاؤ جو میں تمھیں خدا کی جانب سے پہنچا رہا ہوں۔ اس کے علاوہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ دوسرے طریقے اور ذرائع تمھیں گمراہ تو کر سکتے ہیں، ان کے ذریعہ سے تمھیں خدا کی خوش نودی اور رضا نہیں حاصل ہو سکتی، میں تمھیں ان باتوں سے بھی آگاہ کر چکا ہوں جن سے تمھیں اپنی زندگی میں بچنا ہے جن کے ارتکاب سے تم جنت سے دور اور جہنم سے قریب ہو جاؤ گے۔ میں نے جن باتوں سے تمھیں روکا ہے بس ان سے باز رہنا، دوزخ کی آگ سے بچنے کے لیے کافی ہے۔ گمراہ قوموں نے اپنی طرف سے جو مشقتیں ایجاد کر لی ہیں اور جو پابندیاں گھڑ لی ہیں یا جن چیزوں کو انھوں نے بلا دلیل اور بنیاد کے ممنوعات میں شامل کر لیا ہے۔ تم ان کے پابند ہرگز نہیں ہو۔ جس طرح سے خدا کی حرام کی ہوئی چیز کسی کے حلال کرنے سے حلال نہیں ہو سکتی وہ حرام ہی رہے گی ٹھیک

اسی طرح سے جن چیزوں کو خدا نے حرام نہیں کیا بلکہ جائز رکھا ہے کسی کو انھیں حرام قرار دینے کا حق ہرگز نہیں پہنچتا۔

قرآن مجید میں بھی نبی علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (الاعراف:۱۵۷) ''جو انھیں معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے۔ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور دور کرتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور پھندے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کے حصہ کا جو رزق ہے وہ تو اسے مل کر ہی رہے گا۔ اس لیے اسے رزق حاصل کرنے میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے۔ اسے ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے اور کسبِ معاش کے لیے وہی ذریعہ اختیار کرنا چاہیے جس میں نہ کسی کے حقوق پامال ہوتے ہوں اور نہ کسی پر کوئی ظلم اور زیادتی ہو۔

اگر کسی وقت روزی ملنے میں تاخیر ہو تو صبر سے کام لینا چاہیے۔ گھبرا کر ہرگز کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے جو غلط ہو۔ خدا کی طرف سے کسی کو جائز اور پاک رزق اگر مل سکتا ہے تو خدا کی اطاعت ہی کے ذریعہ سے مل سکتا ہے۔ ناجائز اور غلط طریقوں سے آدمی جو کچھ بھی حاصل کر سکتا ہے وہ اس کے لیے پاک اور طیب ہرگز نہیں ہے۔ اسے اگر کوئی شخص خدا کی عطا اور بخشش سمجھتا ہے تو اس کو فریبِ نفس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

توحید کا احترام

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِیَسْاَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى یَسْاَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی حاجتوں کے لیے اپنے رب سے ہی سوال کرے یہاں تک کہ اگر اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگے۔''

تشریح: یعنی توحید کا تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی اپنی حاجتوں کو خدا ہی کے حضور پیش کرے اور اسی

سے مدد و اعانت طلب کرے۔ اس لیے کہ حقیقی حاجت روا اور مشکل کشا خدا ہی ہے۔ دوسرے سبھی اس کے محتاج ہیں۔ جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنی حاجت روائی کے لیے پکارتے ہیں وہ بڑی نادانی میں مبتلا ہیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ: لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلاَ مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرض نمازوں کے بعد یہ (**کلمات**) پڑھا کرتے تھے: ''کوئی الٰہ نہیں سوائے ایک اللہ کے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے، حمد و ستائش اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اے اللہ! تو جو دے اس سے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں۔ اور تیرے سامنے کسی صاحبِ ثروت کی دولت بھی اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔''

تشریح: یعنی خدا کے یہاں کسی کی ثروت کام آنے والی نہیں، وہاں کام آسکتا ہے تو اخلاص اور نیک عمل ہی کام آسکتا ہے۔ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں سارے اختیارات ہیں، جس کو جو کچھ ملتا ہے اسی کے اذن سے ملتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔ اسی کی شان سب سے بلند ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔ کوئی نہیں جو اس کے فیصلہ پر اثر انداز ہو سکے، کوئی نہیں جو اس کے کام میں دخل دے سکے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: لَمَّا اشْتَکَی النَّبِیُّ ﷺ ذَکَرَ بَعْضُ نِسَآئِهٖ کَنِیْسَةً تُقَالُ لَهَا مَارِیَةُ وَ کَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَ اُمُّ حَبِیْبَةَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبْشَةِ فَذَکَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَ تَصَاوِیْرِهَا فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ: اُولٰٓئِکَ اِذَا مَاتَ فِیْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِیْهِ تِلْکَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِکَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ علیل ہوئے تو آپؐ کی بعض بیویوں

نے اس گرجے کا ذکر کیا جسے ماریہ کہتے تھے (یہ گرجا حبشہ میں تھا) ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ حبشہ جا چکی تھیں۔ انھوں نے اس کے حسن و جمال اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا تو آپؐ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا:

''جب ان میں کوئی نیک آدمی مرجاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک عبادت گاہ تعمیر کردیتے اور اس میں ان کی تصویریں بنادیتے تھے۔ یہ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر ہیں۔''

تشریح: یعنی تصویروں اور عبادت گاہ کے ذریعہ سے شرک کی بنیاد ڈال دیتے تھے۔ خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنتے۔ خدا پرستی کے بدلے مخلوق پرستی اور مزار پرستی کی بنیاد ڈالتے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا يُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ. (مالک مرسلاً)

ترجمہ: عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا مانگتے تھے: ''خدایا: میری قبر کو بت نہ بنادینا کہ اس کی عبادت کی جانے لگے۔ خدا کا غصّہ ان لوگوں پر بھڑک اٹھا جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

تشریح: خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت اور پرستش شرک ہے۔ شرک بدترین گناہ ہے۔ توریت، زبور وغیرہ کتبِ سابقہ میں بھی شرک کی مذمت کی گئی ہے اور اس کو بدکاری و زنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن میں بھی اس کی طرف اشارے کیے گئے ہیں، دیکھیے سورۃ النور آیت ۳۔ سورۃ الفرقان آیت ۶۸۔ قرآن نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے۔ شرک سے بڑھ کر خدا کی حق تلفی دوسری نہیں ہوسکتی۔ کتبِ سابقہ میں بھی شرک سے بیزاری کا شدت سے اظہار کیا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ''تجھ کو کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرنی ہوگی، اس لیے کہ خداوند جس کا نام غیور ہے۔ وہ خدائے غیور ہے بھی۔ سو ایسا نہ ہو کہ تو اس ملک کے باشندوں سے کوئی عہد باندھ لے اور جب وہ اپنے معبودوں کی پیروی میں زناکار ٹھہریں اور اپنے معبودوں کے لیے قربانی کریں اور کوئی تجھ کو دعوت دے اور تو اس کی قربانی میں سے کچھ کھالے اور تو ان کی بیٹیاں اپنے بیٹوں سے بیاہے اور ان کی بیٹیاں اپنے معبودوں کی پیروی میں زناکار ٹھہریں اور تیرے بیٹوں کو بھی اپنے معبودوں کی پیروی میں زناکار بنادیں۔'' (خروج ۳۴:۱۴-۱۸)

''انھوں نے برگشتہ ہوکر اپنے باپ دادا کی طرح بے وفائی کی اور دھوکا دینے والی کمان کی طرح ایک طرف کو جھک گئے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے اونچے مقامات کے باعث اس کا قہر بھڑکایا

اور اپنی کھودی ہوئی مورتوں سے اسے غیرت دلائی۔'' (زبور تیسری کتاب ۷۸: ۵۷-۵۸)

''چالیس برس تک میں اس نسل سے بیزار رہا اور میں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل آوارہ ہیں اور انھوں نے میری راہوں کو نہیں پہچانا۔ چنانچہ میں نے اپنے غضب کی قسم کھائی کہ یہ لوگ میری آرام گاہ میں داخل نہ ہوں گے۔'' (زبور چوتھی کتاب ۹۵: ۱۰-۱۱)

﴿۵﴾ وَ عَنْ جُنْدُبٍؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَقُوْلُ: اَلاَ وَ اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ وَ صَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: ''سن لو، تم سے پیشتر جو لوگ تھے وہ اپنے نبیوں اور اپنے نیک لوگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں تمھیں اس حرکت سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔''

تشریح: پیشتر کے لوگ اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے حالانکہ ان کے لیے جائز نہ تھا کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کے آگے سربسجود ہوں۔ افسوس کہ بہت سے لوگ حضور ﷺ کی اس وصیت کو بھول گئے اور قبروں اور مزاروں کے ساتھ وہ سب کچھ کرنے لگے جس سے آپؐ نے منع فرمایا تھا۔

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُوْجَ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی اور ان لوگوں پر جو ان قبروں کو سجدہ گاہ بناتے اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَ لَهٗ ثَلاَ ثًا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدفالی ایک قسم کا شرک ہے۔'' آپؐ نے یہ بات تاکیداً تین دفعہ فرمائی۔

تشریح: بدفالی میں آدمی ایک وہمی چیز کو مؤثر سمجھنے لگتا ہے اور خدا کے حقیقی تصرف اور اختیار کو

بھول جاتا ہے۔ یہ چیز شرک ہے اور شرک کا پیش خیمہ ہے اس لیے آپؐ نے تاکید فرمائی کہ بدفالی سے بچا جائے۔

〈۸〉 وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: لاَ عَدْویٰ وَلاَ ھَامَۃَ وَلاَ نَوْءَ وَلاَ صَفَرَ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مرض کا لگ جانا، ہامہ، بچھتر، صفر، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔''

تشریح: محض وہم کی بنا پر یہ سمجھنا کہ امراض اُڑ کر ایک سے دوسرے کو لگ جاتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ کسی مرض کے بارے میں قطعی طور پر اس کے پھیلنے کے اسباب دریافت کر لیے گئے ہوں تو ان کے ماننے میں کوئی قباحت نہیں۔ اسلام اسباب وعلل کی تردید نہیں کرتا، وہ ہمیں جس چیز سے بچانا چاہتا ہے وہ ہے اوہام پرستی اور بے بنیاد باتوں پر یقین رکھنا۔ اوہام پرستی انسان کو حقیقت سے دور کرتی اور اسے مختلف قسم کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

ہامہ اور صفر سے مراد کیا ہیں؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک تصور یہ تھا کہ جب کسی مقتول کا قصاص نہیں لیا جاتا تو اس کی روح بوم کی صورت میں پکارتی پھرتی ہے کہ میں پیاسی ہوں میرا بدلہ لیا جائے۔ صفر ایک خیال کے مطابق ایسا جانور ہے جس کے کاٹنے سے بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے سوا اسی طرح کے بعض دوسرے تصورات بھی ہیں۔ اسلام نے ان سب کو بے اصل قرار دے کر انسانی ذہن کو اوہام سے پاک کیا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب بارش کو بچھتروں کی طرف منسوب کرتے تھے، اس کی تردید کی گئی اور بتایا گیا کہ زمین و آسمان کی ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلے کے تحت ہوتا ہے۔ اسی لیے بھروسہ اسی پر ہونا چاہیے نہ کہ تاروں اور بچھتروں پر آدمی بھروسہ کرنے لگ جائے۔ عالم اسباب میں تارے جو کچھ رول ادا کرتے ہیں ان میں ثابت شدہ باتوں کے ماننے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ قباحت اس میں ہے کہ محض اوہام پرستی کی بنیاد پر خدا کو چھوڑ کر آدمی دوسری چیزوں پر بھروسہ کرنے لگ جائے اور انھیں کو اپنا قبلۂ مقصود قرار دینے لگے۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں وَلاَ غُوْلَ '' (اور غول بیابانی کی کوئی حقیقت نہیں)'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ عربوں کی اوہام پرستی میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جنوں اور

شیطانوں کی ٹولیاں مختلف شکلوں میں بیابانوں میں پھرتی رہتی ہیں جو لوگوں کو ان کے راستوں سے بھٹکا دیا کرتی ہیں۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَقِرُّوا الطَّيْرَ عَلٰى مَكُنَاتِهَا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: ام کرز فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپؐ فرماتے تھے: ''پرندوں کو ان کے اپنے گھونسلوں میں بیٹھے رہنے دو (انھیں اُڑا کے اچھا یا برا شگون نہ لو)۔''

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِؓ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، كُنَّا نَاْتِي الْكُهَّانَ، قَالَ: فَلاَ تَاْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ: كُنَّا نَتَطَيَّرُ، قَالَ: ذَالِكَ شَيْئٌ يَجِدُهٗ اَحَدُكُمْ فِيْ نَفْسِهٖ، فَلاَ يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ: قُلْتُ: وَ مِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا، قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَّافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ۔ (مسلم)

ترجمہ: معاویہ بن حکمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کچھ باتیں ہم جاہلیت کے زمانہ میں کیا کرتے تھے (ان کے بارے میں آپؐ کیا فرماتے ہیں) ہم کاہنوں کے پاس (غیب کی خبریں دریافت کرنے کے لیے) جایا کرتے تھے۔ فرمایا: ان کے پاس مت جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم پرندے اُڑا کر نیک و بد فال لیا کرتے تھے۔ فرمایا: یہ ایسی چیز ہے جس کا تمھارے دلوں میں اثر تو ہوگا (اس لیے کہ تم یہ عمل کرتے آئے ہو) لیکن چاہیے کہ یہ چیز تمھارے لیے رکاوٹ نہ بننے پائے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہمارے کچھ لوگ خطوط کھینچتے تھے۔ فرمایا ''نبیوں میں ایک نبی خط کھینچتے تھے۔ اب کسی کا خط اس کے ساتھ مطابقت کر جاتا ہوگا تو وہ بھی درست ہوتا ہوگا (مگر یہ کیسے معلوم ہو کہ کسی کا خط ان کے ساتھ مطابقت کر رہا ہے)۔''

تشریح: غیب کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ دوسروں کی باتیں اندازے اور اٹکل کی ہوتی ہیں جن میں غلطی کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ نیک و بد فال کا دل پر اثر ہوتا ہے مگر ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس کے سبب اپنا پروگرام بدل دو۔ ایک نبی خط کھینچ کر حساب لگا کر کچھ حالات وغیرہ معلوم کرتے تھے۔ اب یہ علم ہر ایک کے پاس تو نہیں ہے۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ایسے موقع کے لیے چند کلمات کی تعلیم فرمائی ہے جن سے

باطل اثرات زائل ہوتے ہیں اور آدمی کو توکل علی اللہ کی دولت حاصل ہوتی ہے: اَللّٰھُمَّ لاَ یَأْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلاَ یَدْفَعُ السَّیِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ (ابوداؤد)
''اے اللہ تو ہی بھلائی پہنچاتا ہے اور تو ہی بلاؤں کو دور کرتا ہے اور نہ کوئی بچاؤ اور تبدیلی ہے اور نہ کوئی قوت ہے سوائے اللہ کے ذریعہ کے۔''

﴿۱۱﴾ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍؓ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ عَامَ الْحُدَیْبِیَّۃِ فَاَصَابَنَا مَطَرٌ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فَصَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الصُّبْحَ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قُلْنَا اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ فَقَالَ: قَالَ اللّٰہُ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَ کَافِرٌ بِیْ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ وَ بِرِزْقِ اللّٰہِ وَ بِفَضْلِ اللّٰہِ فَھُوَ مُؤْمِنٌ بِیْ وَ کَافِرٌ بِالْکَوْکَبِ وَ اَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَجْمِ کَذَا فَھُوَ مُؤْمِنٌ بِالْکَوْکَبِ وَ کَافِرٌ بِیْ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت زید بن خالدؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ ایک رات بارش ہوئی تو صبح کی نماز ہمیں پڑھا کر آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے فرمایا: ''میرے بندوں میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنھوں نے صبح اس حال میں کی کہ وہ مجھ پر ایمان رکھتے تھے اور کتنے ہی ایسے ہیں جنھوں نے میرے ساتھ کفر کی روش اختیار کی۔ جس نے کہا کہ یہ بارش ہم پر خدا کی رحمت اور اس کے رزق و فضل سے ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے ستارے پر نہیں رکھتا اور جس نے یہ کہا کہ یہ بارش ہم پر کسی ستارے کے سبب سے ہوئی اس کا ایمان ستاروں پر ہے وہ میرے ساتھ کفر کی روش اختیار کیے ہوئے ہے۔''

تشریح: بارش ہو اور آدمی کو ستارے کی اثر انگیزی تو یاد آئے، وہ اس کا ذکر بھی کرے لیکن خدا کو فراموش کر جائے، اس طرزِ عمل کو مومنانہ طرزِ عمل نہیں کہا جا سکتا۔ اس کائنات میں کارفرمائی اصلاً اسباب و علل کی نہیں ہے بلکہ خدا کے لطف و احسان کی ہے۔ بے روح مادہ و توانائی میں اس کا شعور کہاں کہ وہ کسی کی حاجت روائی کر سکیں۔ ثابت شدہ حقائق کو ماننے سے کفر لازم نہیں

آتا۔ کفر یہ ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کر کسی اور چیز پر بھروسہ کرنے لگے اور خدا کے حقوق کا اسے کچھ بھی پاس ولحاظ نہ ہو۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ حُذَیْفَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لاَ تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَ شَآءَ فُلاَنٌ وَ لٰکِنْ قُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَآءَ فُلاَنٌ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں: آپؐ نے فرمایا: ''یوں نہ کہو جو اللہ چاہے اور فلاں شخص چاہے بلکہ یوں کہو جو اللہ چاہے پھر فلاں شخص چاہے۔''

تشریح: یعنی اپنی بات چیت میں ایسا انداز اختیار نہ کرو جس میں خدا اور بندے دونوں کی بظاہر یکساں حیثیت معلوم ہو۔ ہر حالت میں خدا کی عظمت و برتری کا تمھیں پاس ولحاظ ہونا چاہیے۔

❦

ایمان بالقدر

ایمان بالقدر درحقیقت ایمان باللہ ہی کا ایک جزو ہے۔قرآن میں اس عقیدہ کو اسی حیثیت سے بیان بھی کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر دیکھیے: سورۂ آلِ عمران: ۲۶-۳، النساء: ۷۸، الاعراف: ۱۲۸، الفرقان: ۲، ۳، الحدید: ۲۲، ۲۳۔اللہ کے ماننے میں درحقیقت تقدیر کا ماننا بھی داخل ہے۔تقدیر کا انکار حقیقت کے اعتبار سے خدا کے انکار کے مرادف ہے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ایمانٌ بالقدر نظام التوحید فمن اٰمن و کذب بالقدر فهو نقص للتوحید (کتاب السنہ للامام احمدؒ ص ۱۲۳) ''ایمان بالقدر سے توحید کا نظم وابستہ ہے، جو شخص ایمان لائے اور تقدیر کا انکار کرے اس نے توحید کو باطل کر دیا۔''

ایمان بالقدر حقیقت میں خدا کی الوہیت اور اس کی عظمت کا اعتراف ہے۔ یہ اس بات کا اقرار ہے کہ خدا قادرِ مطلق اور علی الاطلاق حاکم ہے۔اس کا علم سب پر محیط ہے۔کوئی چیز بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہیں ہے۔اس نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا ہے۔اس سے کوئی چیز تجاوز نہیں کر سکتی۔ اس کی طاقت سب پر غالب ہے۔ وہ ہر شے کے آغاز اور انجام سے واقف ہے۔ یہ دنیا اس کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت چل رہی ہے۔کوئی اسے اس کے منصوبے میں ناکام نہیں کر سکتا۔ پھر نفع وضرر کی ساری قوتیں اس کے قبضے میں ہیں۔ زندگی عطا کرنے والا اور موت دینے والا وہی ہے۔ رزق کا مالک وہی ہے جس کو چاہے زیادہ عطا کر دے جس کا رزق چاہے کم کر دے۔ عزت، دولت، طاقت، حکومت سب کچھ اس کے اختیار میں ہے۔ وہ اپنی حکمت کے لحاظ سے جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔اس کی حکمت بے عیب ہے۔اس میں کوئی نقص نہیں اس کا کوئی کام اور اس کا کوئی فیصلہ عبث اور بے مقصد نہیں۔ دنیا میں دولت، شہرت،

حسن، طاقت اور دوسری چیزیں سب کو یکساں طور پر نہیں ملی ہیں۔ یہ نظام اسی کا قائم کیا ہوا ہے اور اس میں کمال درجہ کی حکمت و مصلحت پائی جاتی ہے۔ اس کی حکمت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں اور نہ کسی میں یہ طاقت ہے کہ وہ خدا کے قائم ہوئے نظام کو بدل سکے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ان حدود کے اندر رہ کر اپنے فرائض انجام دیں جو اس نے ہمارے لیے مقرر کر دیئے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی سب اس کے ہاتھ میں ہے، وہی پست کو بلند اور بلند کو پست کرتا ہے۔ وہی ناکامیوں میں سے کامیابی کی راہیں نکالتا ہے۔ وہی ان لوگوں کو جو اپنی سرکشی میں سرگرم اور اپنے ساز و سامان پر نازاں ہوتے ہیں ناکامی کے دن دکھاتا ہے۔

ایمان بالقدر سے آدمی کے فکر و نظر میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور اسے بے پناہ طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ قانع اور مستغنی ہو جاتا ہے۔ اس کا بھروسہ اپنے رب پر ہوتا ہے۔ خدا پر بھروسہ اس میں عزم و حوصلہ کی وہ قوت پیدا کر دیتا ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ سعی و جہد کے میدان سے نہیں بھاگتا۔ سعی و عمل کے ذریعہ سے اسے اپنے رب کی مدد اور اس کے فضل کی تلاش ہوتی ہے۔ وہ مایوس اور شکستہ دلی کا شکار نہیں ہوتا۔ ایمان باللہ اور ایمان بالقدر سے خودداری اور استغناء کے ساتھ ساتھ اسے نفس کی وہ پاکیزگی حاصل ہوتی ہے جس پر دنیا کی ہر چیز قربان کی جا سکتی ہے۔ حرص و ہوس اور رشک و حسد کے رکیک جذبات سے اس کا دل پاک ہو جاتا ہے۔ اسے اگر سب کچھ مل جائے تو مغرور نہیں ہوتا۔ اور اگر تنگی و مصائب کا سامنا کرنا پڑے تو وہ بے صبری اختیار نہیں کرتا۔ وہ خدا کا شاکر و صابر بندہ ہوتا ہے۔ خدا کی تحمید و تقدیس کو وہ اصل سرمایۂ حیات سمجھتا ہے۔

ایمان بالقدر اور اس کی اہمیت

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى یُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ حَتّٰى یَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ یَكُنْ لِیُخْطِئَهٗ وَمَا اَخْطَاَهٗ لَمْ یَكُنْ لِیُصِیْبَهٗ۔

(ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک کہ تقدیر پر اس کے خیر و شر کے ساتھ ایمان نہ لائے اور جب تک یہ نہ جان لے کہ جو

(خیر وشر) اس کو پہنچ گیا یہ ناممکن تھا کہ اسے نہ پہنچتا اور جو نہیں پہنچا یہ ممکن نہ تھا کہ اس کو پہنچ جاتا۔''

تشریح: اللہ پر ایمان اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ آدمی تقدیر پر ایمان لائے۔ اس کے بغیر توحید کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ تقدیر پر ایمان رکھنے والا یہ جانتا ہے کہ جو مصیبت اور راحت اسے پہنچی وہ پہنچ کر ہی رہنے والی تھی اور جو نہیں پہنچی وہ پہنچنے والی تھی ہی نہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ فیصلۂ خداوندی کے تحت ہی ہوتا ہے۔ ایک بڑی اسکیم اور منصوبے کے تحت اللہ اس نظامِ کائنات کو چلا رہا ہے۔ جس طرح پوری کائنات اور اس کے مختلف گوشوں اور حصوں میں باہم موافقت اور مطابقت پائی جاتی ہے اسی طرح اس دنیا میں چھوٹا یا بڑا جو حادثہ بھی رونما ہوتا ہے وہ مستقل طور پر کوئی الگ حادثہ نہیں ہوتا بلکہ وہ کائنات کے حوادث کے سلسلہ کی ایک کڑی ہوتا ہے اور وہ اس بڑے مقصد کے تحت رونما ہوتا ہے جس کی تکمیل کے لیے اس کائنات کا خالق اسے چلا رہا ہے۔ اس نظامِ کائنات کے پیچھے جو مقصد کام کر رہا ہے اگر اس کی تکمیل کے لیے موجودہ نظامِ کائنات سے بہتر کوئی نظام ممکن ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو وجود میں لاتا۔ اس دنیا میں خوشی کے ساتھ غم اور راحت کے ساتھ مصیبت اگر پائی جاتی ہے تو یہ یوں ہی اَلل ٹپ نہیں ہے بلکہ یہ عظیم حکمت کے تحت ہے۔ یہ ہماری کوتہ نظری ہوگی اگر ہم اسے غیر حکیمانہ یا ظالمانہ نظام تصور کرنے لگ جائیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنَ الضَّعِیْفِ وَ فِیْ کُلٍّ خَیْرٌ اِحْرَصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَلاَ تَعْجِزْ، وَ اِنْ اَصَابَکَ شَیْءٌ فَلاَ تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ کَانَ کَذَا وَ کَذَا وَ لٰکِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰہُ مَا شَآءَ فَعَلَ فَاِنَّ ''لَوْ'' تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کو قوی مومن، ضعیف مومن سے زیادہ پیارا ہے اور ہر ایک میں خیر ہے۔ جو چیز تمھیں نفع دے اس کی حرص کرو اور اللہ سے مدد کے طالب ہو اور ہمت نہ ہارو اور اگر تمھیں کوئی مصیبت پہنچے تو یوں نہ کہو کہ اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوجاتا بلکہ کہو: اللہ نے مقدر فرمایا، جو اس نے چاہا، کیا۔ اس لیے کہ ''لو'' (اگر) شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

تشریح: یعنی ایسا مومن جو عزم و ہمت والا ہو اللہ کو اس مومن سے زیادہ محبوب ہے جو ذرا سی ناکامی پر ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ کسی حال میں بھی ہمت نہ ہارے۔ خدا سے

اس کی مدد کا طالب ہو۔ اگر کوئی مصیبت یا تکلیف پیش آئے تو سمجھے کہ اس کا آنا مقدر تھا، اس لیے صبر سے کام لے۔ مومن کے شایانِ شان یہ بات نہیں ہے کہ وہ ایسے موقع پر کہنے لگ جائے کہ اگر میں ایسا کرتا تو یہ مصیبت پیش نہ آتی اور اگر میں نے فلاں تدبیر اختیار کی ہوتی تو اس تکلیف سے محفوظ رہتا۔ سوچنے کا یہ انداز اسے پریشانیوں اور حسرت واندوہ میں مبتلا کر کے پست ہمت بنا دے گا اور شیطان یہی چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ مومن کو اس کے اصل مقصود کی طرف سے غافل کر دے۔

〈۳〉 وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَ اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ يَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(بسا اوقات) بندہ دوزخیوں کا سا عمل کرتا ہے اور ہوتا ہے وہ جنتی۔ اور اسی طرح (بسا اوقات) وہ جنتیوں کا سا کام کرتا ہے اور ہوتا ہے وہ دوزخی۔ اور بات یہ ہے کہ عمل میں اعتبار خاتمہ ہی کا ہوتا ہے۔''

تشریح: آدمی کا خاتمہ اگر کفر پر ہوتا ہے تو وہ جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے خواہ اس کی پوری زندگی اسلام کی پیروی میں بسر ہوئی ہو۔ اس نے خود ہی اپنے ایمان اور اعمال کو باطل کر دیا۔ اس کے برعکس اگر آدمی کا خاتمہ اسلام پر ہوتا ہے تو اس کا شمار اہل جنت میں ہوگا اس لیے کہ اس نے سچائی کو اختیار کر کے اپنے بگاڑ کو درست کر لیا۔ معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے انجام کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔

〈۴〉 وَ عَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَاَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيْهَا وَ دَوَاءً نَتَدَاوٰى بِهٖ وَ تُقَاةً نَتَّقِيْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ۔

(ترمذی، ابن ماجہ، احمد)

ترجمہ: ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو بتائیے کہ جو جھاڑ پھونک ہم کرتے ہیں یا دوائیں جن کا ہم استعمال کرتے ہیں یا بچاؤ کی چیزیں جن سے ہم اپنی حفاظت کرتے ہیں کیا تقدیر الٰہی کو پھیر سکتی ہیں؟ فرمایا: ''یہ سب چیزیں بھی تقدیر الٰہی میں سے ہیں۔''

تشریح: دعا، علاج، حفاظتی تدابیر وغیرہ تقدیرِ الٰہی ہی کے سلسلے کی چیزیں ہیں۔ ان میں اور تقدیرِ الٰہی میں کوئی تضاد اور تصادم نہیں پایا جاتا اس لیے ان چیزوں کو اختیار کرنے والا تقدیرِ الٰہی کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے تقدیرِ الٰہی کے تحت کرتا ہے۔

﴿۵﴾ عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ: کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: مَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ کُتِبَ مَقْعَدُہٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَ مَقْعَدُہٗ مِنَ النَّارِ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَلاَ نَتَّکِلُ قَالَ: لاَ اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ ثُمَّ قَرَاَ "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی" اِلٰی قَوْلِہٖ "فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی". (بخاری)

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا ٹھکانا جنت یا دوزخ میں نہ لکھ دیا گیا ہو۔" ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! پھر ہم لوگ اسی پر بھروسہ نہ کرلیں؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں، تم عمل کرو کیونکہ ہر شخص آسان کیا جاتا ہے (اس عمل کے لیے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے)"۔ پھر آپؐ نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی: "پس جس کسی نے دیا اور ڈر رکھا اور بھلی چیز کو تسلیم کیا تو ہم اس کے لیے آسانی کے حصول کو آسان کردیں گے اور جس کسی نے بخل کیا، بے نیازی برتی اور بھلی چیز کو جھٹلایا اس کو ہم سختی کی سہولت دیں گے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عمل تقدیر کے دائرے سے باہر کی چیز نہیں ہے کہ تم اس سے بے پروا ہو جاؤ۔ نبی ﷺ نے یہاں قرآن کی آیات سے لطیف استدلال فرمایا ہے۔ انسانی زندگی میں خدا کا ایک خاص قانون، قانونِ تیسیر نافذ ہے۔ آدمی تقویٰ یا کفر دونوں میں سے جس روش کو بھی اختیار کرے گا اس کے لیے اسی کی سہولت بہم پہنچائی جائے گی۔ وہ اس کی طرف اسی طرح بڑھے گا جس طرح پانی نشیب کی جانب تیزی سے بڑھتا ہے۔ خدا کا ہر قانون آفاقی اور ہمہ گیر ہے۔ آدمی کے عزم وارادہ کی دنیا بھی اس سے الگ نہیں ہے۔ بندہ اگر تقویٰ و پرہیز گاری کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو یہ قانون یہاں بھی اس کا ساتھ دے گا۔ اس کی نفسیات اور اس کے جذبات اس کے ارادہ کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں گے۔ خدا کی مدد شاملِ حال ہوگی۔ اور اس کا ارادہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ اور اگر وہ کفر اور خدا سے بے نیازی کا رویہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو یہی روش اس کے لیے آسان کردی جائے گی۔ اس کے احساسات وجذبات کفر کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں گے۔ اس

سے بندہ کی اپنی ذمہ داری کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ ارادہ، شعور کا ایک اہم وصف ہے۔ انسان ایک باشعور وجود ہے۔ اگر وہ عزم وارادہ کی ذمہ داری بھی قبول نہیں کرنا چاہتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شعور (Consciousness) سے بیگانہ ہونا چاہتا ہے۔ لیکن اسے اس کا احساس نہیں۔ یہ قانون قضاوقدر کے منافی نہیں ہے۔ قضاوقدر سے بندے کے ارادہ واختیار کی نفی نہیں ہوتی۔ خدا کے دیے ہوئے اختیار اور آزادی کو کون شخص کس طرح استعمال کرے گا خدا کی ذات اس سے بے خبر نہیں ہے۔ وہ آغاز اور انجام دونوں سے یکساں طور پر واقف ہے۔ وہ اپنے بے پایاں علم کے ساتھ اس کارخانے کو چلا رہا ہے۔ اسے ہر ایک کے انجام اور اس کے ٹھکانے کی پوری خبر ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا کے رہے گا۔ اس میں ذرہ برابر بھی فرق واقع ہونے والا نہیں ہے۔

انسان کی سیرت وکردار پر ایمان بالقدر کا اثر

‹۱› عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ کُنْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ یَوْمًا فَقَالَ یَا غُلَامُ اِنِّیْ اُعَلِّمُکَ کَلِمَاتٍ، اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظُکَ، اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تِجَاھَکَ اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ، وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ، وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّۃَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَّمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ لَکَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْکَ۔ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَ جَفَّتِ الصُّحُفُ۔ (ترمذی، احمد)

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نبی ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ”اے لڑکے میں تمھیں چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں: اللہ کا خیال رکھو۔ اللہ تمھارا خیال رکھے گا (تمھارا نگہبان رہے گا) اللہ کا خیال رکھو، اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب مانگو تو خدا سے مانگو اور جب مدد کے طالب ہو تو خدا سے مدد کے طالب ہو۔ جان رکھو کہ اگر سارے لوگ مل کر تمھیں نفع پہنچانے پر اتفاق کریں تو تجھے نفع نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے کہ جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر سب لوگ یکجا ہو کر تمھیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے کہ جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور کاغذات کی سیاہی خشک ہو چکی ہے۔“

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ تقدیر پر ایمان لانے سے اخلاقی فوائد بھی آدمی کو حاصل ہوتے ہیں۔ آدمی لوگوں سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ اسے خوف ہوتا ہے تو صرف اللہ کا۔ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہ نفع کی امید رکھتا ہے اور نہ کسی سے ضرر کا اندیشہ رکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے مجھے جو ملنا ہے مل کر رہے گا اور جو چیز میرے حصہ میں نہیں ہے وہ کسی کے دینے سے نہیں مل سکتی۔ اس لیے وہ خوف اور حرص سے پاک ہو کر راہِ حق پر گامزن ہوتا ہے۔ نہ کوئی خوف اور نہ اندیشہ اسے راہِ حق سے ہٹا سکتا ہے اور نہ کوئی لالچ اور امید اسے حق سے برگشتہ کر سکتی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَرُدُّ الْقَدْرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تقدیر کو کوئی چیز بھی پھیر نہیں سکتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز اضافہ بھی نہیں کر سکتی سوائے حق شناسی اور نیکی کے اور یقیناً آدمی گناہ کی شامت سے کبھی رزق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔''

تشریح: یہ حدیث اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے کہ تقدیر الٰہی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی عمل اور تدبیر وغیرہ سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب عمل اور تدبیر وغیرہ کی نفی نہیں ہے۔ یہ چیزیں ہماری تقدیر کو متعین کرتی ہیں۔ دعا سے تقدیر بدلتی یا متعین ہوتی ہے۔ یہ بات دراصل ہمارے اعتبار سے فرمائی گئی ہے۔ ورنہ خدا کے علم میں تو ہر چیز پہلے سے متعین ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ کو معلوم ہے کہ بندہ مصیبت میں گرفتار ہوگا، دعائیں کرے گا یا نہیں۔

اسباب و وسائل تقدیر الٰہی سے مختلف نہیں ہیں۔ دعا کو لیجیے۔ دعا کوئی بے جان سی پکار نہیں ہے بلکہ وہ انسان کے لیے ایک زبردست طاقت ہے۔ حضرت یونسؑ کی قوم پر خدا کا عذاب ٹوٹ پڑنے والا تھا لیکن قوم کی آہ و زاری اور دعا کے سبب عذاب ٹل گیا۔ اگر یہ قوم خدا کی طرف نہ جھکتی اور دعا اور توبہ کا سہارا نہ لیتی تو اسے تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی تھی۔ دعا کی اسی خاصیت کے سبب یہ بات فرمائی گئی کہ تقدیر کو اگر کوئی چیز پھیر سکتی ہے تو وہ دعا ہے۔ انسانی تدبیروں میں سب سے بڑی تدبیر دعا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان کی ساری تدبیریں بیکار ہو جاتی ہیں تو پھر وہ دعا کا سہارا لیتا ہے۔

عمر میں اضافہ کا سبب صرف حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی اور صحت بخش غذا کا

استعمال نہیں ہے بلکہ ان مادی اسباب کے علاوہ نیکی اور بندگانِ خدا کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ روحانی اور اخلاقی اسباب بھی مؤثر طاقت کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے سبب انسان کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی کے رزق کی کمی یا کسی کے رزق سے بالکل محروم ہوجانے کا سبب صرف یہی نہیں ہوتا کہ اس سے معاشی تدابیر اختیار کرنے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے، آدمی اپنے گناہوں کے سبب بھی رزق سے محروم ہوسکتا ہے۔ حضرت ثوبانؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر الٰہی میں بندوں کی دعاؤں، ان کی نیکیوں اور ان کی بداعمالیوں تک کا لحاظ ممکن ہے۔ جو لوگ تقدیر الٰہی کو جبر سے تعبیر کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ بندوں کو جس درجہ میں ارادہ و عمل کی آزادی حاصل ہے تقدیر الٰہی سے اس کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ آزادی تو تقدیر الٰہی ہی کی عطا کردہ ہے۔ پھر دونوں میں تضاد کیسے پایا جاسکتا ہے۔ یہاں ایک بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ انسان کو جو کچھ قدرت اور اختیار حاصل ہے۔ وہ خدائے قادر مطلق کا عطا کردہ ہے جس طرح وہ اپنے وجود اور اس کی بقا میں خدا کی قدرت اور اس کے فیض کا محتاج ہے ٹھیک اسی طرح وہ اپنے افعال اور اختیار میں بھی خدا کا محتاج ہے۔ اس کی قدرت ہر آن خدا کی قدرت کی محتاج اور دست نگر ہے۔

ایک دوسری روایت بھی اس سلسلہ میں پیشِ نظر رہنی چاہیے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ اُحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ فِیْ رِزْقِهٖ وَ یُنْسَاَلَهٗ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْیَصِلْ رَحْمَهٗ (بخاری و مسلم) ’’جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت پیدا کی جائے اور اس کی موت میں تاخیر کی جائے اسے صلۂ رحمی کرنا چاہیے۔‘‘

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ نَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتّٰی احْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی كَاَنَّمَا فُقِیءَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ اَ بِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْكُمْ اَلَّا تَنَازَعُوْا فِیْهِ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس باہر تشریف لائے۔ اس وقت ہم لوگ تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ اس پر آپؐ کو غصہ آیا — یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ گویا انار کے دانے آپؐ کے رخسار پر نچوڑ دیے گئے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ’’کیا تمھیں اس بات کا حکم دیا گیا تھا یا میں اس کے لیے تمھارے پاس (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں۔

تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں جب وہ اس مسئلہ میں الجھنے لگے تو وہ ہلاک ہو گئے۔ میں تمھیں تاکید کرتا ہوں کہ تم ہرگز اس بارے میں نہ جھگڑنا۔"

تشریح: تقدیر کا مسئلہ چونکہ نہایت نازک اور دقیق ہے اس لیے اس میں جھگڑنے اور بحث و مباحثہ کرنے سے منع فرمایا گیا۔ لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا کہ انھیں فرض کی ادائیگی کی فکر ہونی چاہیے جو ان کی زندگی کا اصل مقصود ہے، جس کی تعلیم دینے کے لیے اللہ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے۔ تقدیر پر اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ تفصیلات میں پڑنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ آدمی غیبی حقیقتوں اور اسرارِ خداوندی کو جان لینے کے درپے ہے، اس جسارت سے انسان کو بچنا چاہیے۔

☙❧

عقیدۂ رسالت

انسان کو دنیا میں جہاں غذا، پانی اور روشنی کی ضرورت ہے وہیں اس کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ کوئی ایسا رہنما ہو جو اسے خدا کا راستہ بتا سکے، جو اسے بتا سکے کہ اس کی زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ خدا نے اسے دنیا میں کس لیے بھیجا ہے؟ رہنمائی کے بغیر انسان خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ حالانکہ خدا کی رضا اور دائمی کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کی زندگی خدا کی اطاعت و بندگی میں بسر ہو۔ جو خدا ہماری چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو پوری کرتا ہے اس سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ ہمیں یوں ہی دنیا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے گا اور ہماری رہنمائی اور ہدایت کا کوئی انتظام نہ کرے گا۔

انسان کی ہدایت کے لیے ایک رہبر تو اللہ نے انسان کے اپنے نفس میں رکھ دیا ہے۔ اللہ نے انسان کی فطرت کو ایسے سانچے میں ڈھالا ہے کہ وہ اچھے اور برے خیالات اور بھلے اور برے اعمال میں تمیز کرسکے، اس کے ساتھ ہی اللہ نے کائنات میں اپنی نشانیاں پھیلا رکھی ہیں جن کے ذریعہ سے انسان کو حق کی طرف رہنمائی ہوسکتی ہے۔ لیکن انسانی ہدایت کے لیے جبلّی اور کائناتی رہنمائی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے ساتھ اللہ نے انسان کے درمیان اپنے رسولوں اور نبیوں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو زندگی کا صحیح اور فطری راستہ دکھائیں اور انھیں فکر و عمل کی ہر گمراہی سے بچائیں۔ اللہ نے جن برگزیدہ لوگوں کو رسالت کے منصب سے سرفراز فرمایا انھیں اس نے غیر معمولی علم اور بصیرت سے نوازا تاکہ وہ خود بھی راہِ حق پر قائم رہ سکیں اور لوگوں کی رہنمائی کا فرض بھی صحیح طور پر انجام دے سکیں۔ گمراہی اور ضلالت سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت کرے۔ رسولوں پر ایمان لائے بغیر نہ خدا کے بارے میں آدمی کا

عقیدہ درست ہوسکتا ہے اور نہ دوسرے غیبی حقائق کے بارے میں اسے کوئی یقینی علم حاصل ہوسکتا ہے اور نہ اس کی زندگی صحیح طریقے سے بسر ہوسکتی ہے۔

پھر رسالت پر ایمان ہی وہ چیز ہے جو سارے آدمیوں کو ایک عقیدے پر جمع کرسکتی ہے۔ لوگوں میں عقائد ونظریات کے بارے میں جو بھی اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی وجہ درحقیقت قیاس وگمان کی پیروی ہے۔ حقیقت مختلف نہیں ہوسکتی۔ رسولوں کے پاس خدا کا دیا ہوا حقیقی علم ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک ہی حقیقت کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ دنیا کے مختلف حصوں میں جتنے بھی رسول آئے سب کی بنیادی تعلیم ایک ہی تھی۔ سب نے لوگوں کو توحید اور خدا پرستی کی طرف بلایا اور انھیں آخرت کے دن کا خوف دلایا۔ خدا کے رسولوں نے جو حکم بھی دیا وہ خدا کی طرف سے دیا اور زندگی کا جو طریقہ بھی بتایا وہ وہی ہے جس کی خدا کی طرف سے انھیں ہدایت ہوئی تھی۔ خدا کے رسولوں نے جو تعلیم دی ہے اس کی بنیاد حق اور صداقت پر ہے۔ وہ قیاس وگمان اور نفسانی خواہشات کی آمیزش سے بالکل پاک ہے۔

خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے بے شمار نبی اور رسول آئے جن میں سے بعض کا قرآن میں ذکر بھی کیا گیا ہے۔ سب سے آخر میں خدا نے حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپؐ کی سیرت اور آپؐ کی زندگی کے حالات پوری تفصیلات کے ساتھ موجود ہیں۔ آپؐ کی لائی ہوئی کتاب انھی الفاظ کے ساتھ موجود ہے جن الفاظ میں آپ نے اسے دنیا کے سامنے پیش فرمایا تھا۔ پچھلے انبیاء کی سیرتیں اور ان کی تعلیمات آج اپنی صحیح شکل میں محفوظ نہیں ہیں۔ ان کی طرف جو کچھ منسوب کیا جاتا ہے اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے اعتماد کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ پچھلے نبیوں کی بنیادی تعلیمات کیا تھیں اور انھوں نے لوگوں کو کس راستے کی طرف بلایا تھا، اسے معلوم کرنے کا ایک ہی قابلِ اعتماد ذریعہ ہے۔ وہ ہے خدا کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور آپؐ کا لایا ہوا پیغام جو صحیح شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ آپؐ نے دنیا کو جس حق کی طرف بلایا ہے اسی کی طرف پچھلے نبیوں نے بھی لوگوں کو دعوت دی تھی۔

پچھلے نبیوں کی نبوت مخصوص زمانے اور مخصوص قوموں کے لیے تھی جن میں وہ آئے تھے۔ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو اللہ نے کسی خاص زمانے یا کسی مخصوص قوم تک محدود نہیں رکھا۔

آپؐ کو اللہ نے قیامت تک کے لیے اور سارے عالم کا رسول بنا کر بھیجا۔ آپؐ کے ذریعہ سے اللہ نے دین کو مکمل کر دیا۔ ہدایت کی جو نعمت پچھلے انبیاء کے ذریعہ بھیجی جاتی رہی ہے وہ اتمام کو پہنچا دی گئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی نئی نبوت کی ضرورت ہے اور نہ آپؐ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا ہے۔ اب ہدایت یاب ہونے اور حقیقی اور دائمی کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان آپؐ کی پیروی اختیار کرے۔ جس نے آپ کا انکار کیا اس نے ہدایت کی راہ گم کر دی۔ اس کے لیے کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ صحیح راستے کو پا سکے اور دنیا و آخرت میں کامیاب و بامراد ہو سکے۔ آپؐ کا انکار درحقیقت پچھلے سب نبیوں کا انکار ہے۔ اس لیے کہ آپ اسی دین کے داعی ہیں جس کی دعوت پچھلے نبیوں نے دی ہے۔ سارے انبیاء ایک ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

رہا یہ سوال یہ کہ رسولوں کو پیغام رسانی کا ذریعہ کیوں بنایا گیا؟ جو خدا رسولوں کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنی مرضی سے آگاہ کر سکتا ہے وہ اس سلسلہ میں براہ راست ہر انسان کی رہنمائی کیوں نہیں کرتا؟ اس اشکال کی حقیقت انسان کی کوتہ نظری ہے۔ کائنات کے موجودہ نظام اور ہدایت و رہنمائی کے اس طریقے میں کہ خدا براہ راست ہر شخص کو اپنا مخاطب بنائے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ پردہ داری اس کائنات کا عام قانون ہے۔ کائنات کی ہر شے اپنے وجود و بقا اور نشو و نما کے لیے خدائی فیضان کی ہر لمحہ محتاج ہے۔ لیکن اس کے باوجود درمیان میں اسباب و علل کے لیے اتنے پردے ڈالے گئے ہیں کہ حقیقت کا براہ راست مشاہدہ کسی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ پردہ داری کے قانون سے انسان کو مستثنیٰ کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں پردہ داری کے قانون کی ساری کارفرمائی بے معنی ہو جائے۔ اس لیے وحی و رسالت ہی ہدایت و رہنمائی کا وہ ذریعہ ہے جو موجودہ نظامِ کائنات کے عین مطابق ہے۔ رسالت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے واسطے سے انسان کو زندگی کے واضح احکام بھی مل سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ پردہ داری کی شان بھی باقی رہ سکتی ہے۔ پوشیدگی اور پردہ داری سے مقصود دراصل انسان کے ضمیر و وجدان اور اس کے ارادہ و اختیار کی آزمائش ہے۔

رسالت پر ایمان

(۱) وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْ بَدَالَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَ تَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا وَّاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاَ تَّبَعَنِیْ۔ (مسند احمد، دارمی)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر موسیٰؑ کا ظہور تمہارے سامنے ہو جائے اور تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو یقیناً تم راہِ راست سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے اور میری نبوت (کے زمانہ کو) پاتے تو میری ہی پیروی کرتے۔‘‘

تشریح: حضرت عمرؓ، حضور ﷺ کی خدمت میں تورات کا ایک نسخہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ اس موقع پر آپؐ نے وہ بات فرمائی تھی جو اس حدیث میں درج ہے۔ آپؐ کا مقصد درحقیقت اس بات کو ذہن نشین کرانا تھا کہ ہدایت یاب ہونے کے لیے یہ بات کافی اور ضروری ہے کہ تم میری پیروی کرو۔ آج اگر موسیٰؑ موجود ہوتے جن پر تورات کا نزول ہوا تھا تو ان کے لیے بھی لازم ہوتا کہ میری لائی ہوئی شریعت کی پیروی کرتے۔ حضورؐ کی لائی ہوئی شریعت ایسی خصوصیات کی حامل ہے کہ وہ قیامت تک بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکے اور سارے ہی انسانوں کے لیے قابلِ قبول ہو سکے۔ پچھلی شریعتیں اور ان کے احکام مختلف زمانوں اور مخصوص قوموں کے لیے ہی نازل ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات ہو چکی ہے۔ حضرت مسیحؑ اگر زندہ ہیں۔ آخری زمانے میں اگر وہ تشریف لائیں گے تو وہ نبی ﷺ کا اتباع کریں گے۔

اسی طرح کی روایت حضرت جابرؓ سے بیہقی۔ شعب الایمان میں بھی منقول ہوئی۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَّلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اس امت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی ہو یا عیسائی، میری خبر سن لے، پھر وہ اس چیز پر ایمان لائے بغیر مر جائے جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ اہل نار (دوزخیوں) میں ہی ہوگا۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو بھی آپؐ کی نبوت اور رسالت کی اطلاع مل جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپؐ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لائے اور آپؐ کی پیروی اختیار کرے۔

یہودی یا عیسائی کیوں نہ ہوں جو گزشتہ انبیاء اور اللہ کی پچھلی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ آپؐ پر ایمان لائیں۔

اس حدیث میں امت سے مراد امت دعوت ہے یعنی وہ لوگ جو آپؐ کی دعوت کے مخاطب ہیں خواہ وہ کافر و مشرک اور اہل کتاب ہوں یا مسلمان اس میں سب داخل ہیں۔ دوسری امت وہ ہے جس میں صرف مسلمان داخل ہیں اسے امتِ اجابت کہتے ہیں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلاً مِّنَ النَّصَارٰى مُتَمَسِّكًا بِالْاِنْجِيْلِ وَ رَجُلاً مِّنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَاةِ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ سَمِعَ بِيْ مِنْ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِيْ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ (دار قطنی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! ایک عیسائی شخص ہے جو انجیل کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے (یعنی انجیل پر عمل کرتا ہے) اور ایک یہودی شخص ہے جو تورات کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے، وہ اللہ اور رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے پھر بھی وہ آپؐ کی (لائی ہوئی شریعت کی) پیروی نہیں کرتا تو فرمائیے اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: ”جس یہودی اور عیسائی نے میرے بارے میں سنا، پھر اس نے میرا اتباع نہیں کیا وہ (دوزخ کی) آگ میں (جانیوالا) ہے۔“

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ مِّنْ عَلَّاتٍ وَّ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَ دِيْنُهُمْ وَاحِدٌ وَ لَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں (نبیوں میں) عیسیٰ ابن مریم سے سب سے زیادہ قریب ہوں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ انبیاء باہم علاتی بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں جن کا باپ ایک ہوتا ہے اور مائیں الگ الگ ہوتی ہیں اور ان کا دین ایک ہے اور ہم دونوں کے درمیان میں کوئی نبی نہیں ہے۔“

تشریح: یعنی اگرچہ انبیاء علیہم السلام مختلف دور اور مختلف ملک میں تشریف لائے لیکن ان سب کا دین ایک ہی تھا۔ سب نے ایک ہی راستہ دکھایا۔ سب کی دعوت خدا پرستی کی دعوت تھی۔ سب

ایک ہی خدا کے نمائندے تھے۔ حالات اور وقت کے لحاظ سے احکام وقوانین میں جو بھی فرق رہا ہو لیکن اصل دین اور بنیادی عقائد میں کوئی فرق نہیں تھا۔ حضرت محمد ﷺ دنیا کے سامنے ٹھیک وہی دین پیش فرمار ہے ہیں جو دوسرے نبیوں نے پیش کیا ہے۔

عیسیٰؑ کے بعد حضرت محمد ﷺ ہی کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا، درمیان میں کوئی اور نبی نہیں آیا۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا۔ وہ ابھی زندہ ہیں۔ ان کا آسمان پر اٹھایا جانا درحقیقت ان کی ہجرت ہے۔ قیامت کے قریب وہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی دوبارہ تشریف آوری کے درمیان میں کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ بائیبل میں جن بارہ رسولوں کا ذکر ملتا ہے وہ خدا کے رسول نہیں تھے بلکہ حضرت مسیحؑ کے جانشین اور فرستادے تھے۔ (دیکھیے لوقا ۶: ۱۳)

﴿۵﴾ وَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ وَ كَلِمَتُهٗٓ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ وَالْجَنَّةَ وَالنَّارَ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ۔ (بخاری)

ترجمہ: عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، تنہا وہی خدا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کا کلمہ جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف کی روح ہیں اور جنت و دوزخ حق ہیں۔ اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا، جس عمل پر وہ ہو۔''

تشریح: قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا ہے: اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗٓ اَلْقَاهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (النساء: ۱۷۱) ''مسیح ابن مریم تو بس خدا کے رسول ہیں، اس کا کلمہ (حکم) ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف کی روح، تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تین (خدا) نہ کہو۔ باز آجاؤ تمھارے لیے یہی بہتر ہے۔ خدا تو صرف اکیلا الٰہ ہے

وہ اس سے پاک وبرتر ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو۔اس کی ملک ہیں ساری چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اللہ کارسازی کے لیے کافی ہے۔"

حدیث اور قرآن کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت محمد ﷺ بھی خدا کے رسول اور اس کے بندے ہیں اور حضرت مسیح بھی خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت مسیحؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دینا حقیقت کے بالکل خلاف اور صریح ظلم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت مسیحؑ بلا باپ کے پیدا ہوئے ہیں اس لیے وہ خدا کی ایک عظیم نشانی یقیناً ہیں لیکن انھیں خدا یا خدا کا بیٹا سمجھنا غلط ہے۔ وہ اسی طرح کے کلمۂ کن سے پیدا ہو گئے ہیں، جس طرح حضرت آدم کو خدا نے کلمۂ کن سے پیدا کیا ہے۔ خدا کے کلمۂ کن اور زمینی اجزا میں خدا کے روح ڈالنے سے جس طرح آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا ہو گئے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی کلمۂ کن (حکم خداوندی) اور رحمِ مریم میں خدا کے روح ڈالنے سے بغیر باپ کے پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ o (آل عمران:۵۹) "عیسیٰؑ کا حال اللہ کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے آدم کا۔ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس سے کہا ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔"

یہ حدیث بتاتی ہے کہ جو شخص توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور خدا کے دین کا منکر نہیں ہے وہ جنت میں یقیناً داخل ہوگا، یہ دوسری بات ہے کہ کسی کے اعمال اچھے نہ ہوں اور اسے جنت میں داخل ہونے سے پہلے سزا بھگتنی پڑ جائے "جس عمل پر ہو" کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت میں آدمی کا درجہ اس کے عمل کے مطابق ہوگا۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوٰهُ طَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ۔ (شرح السنۃ)

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا، یہاں تک کہ اس کی خواہش اس (شریعت) کے تابع ہو جائے جسے لے کر میں آیا ہوں۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا تقاضا اس وقت پورا ہوتا ہے جب آدمی اپنی خواہش نفس کو اس ہدایت کے حوالے کر دے جس کو لے کر آپ تشریف لائے ہیں

اور نفس کی پیروی کرنے کے بجائے نفس کو آپ کی لائی ہوئی ہدایت کا پیرو بنائے یہاں تک کہ اپنی خواہشات اور آپ کی لائی ہوئی ہدایات کے مطالبات میں کوئی دوئی باقی نہ رہے۔ نفس کی تطہیر و تعمیر اور تزکیہ کے بعد یہ بات اپنے آپ حاصل ہوجاتی ہے کہ آدمی پوری رغبت کے ساتھ اللہ کے رسول کی ہدایات اور آپؐ کی لائی ہوئی کتاب پر عمل کرنے لگ جائے۔

نزولِ وحی کی کیفیت

〈۱〉 عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اُنْزِلَ عَلَیْهِ الْوَحْیُ كُرِبَ لِذَاکَ وَ تَرَبَّدَ وَجْهُهٗ وَ فِیْ رِوَایَةٍ نَکَسَ رَاْسَهٗ وَ نَکَسَ اَصْحَابُهٗ رُؤُسَهُمْ فَلَمَّا اُتْلِیَ عَنْهُ رَفَعَ رَاْسَهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ پر وحی آتی تو اس کی شدت سے آپؐ کو تکلیف ہوتی اور آپؐ کا چہرہ متغیر ہوجاتا۔ ایک روایت میں ہے کہ (اس وقت) آپؐ اپنے سر کو جھکا لیتے اور آپؐ کے اصحاب بھی اپنے سروں کو جھکا لیتے۔ پھر جب وحی کا نزول ختم ہوجاتا تو آپؐ اپنا سر اٹھاتے۔

تشریح: یعنی جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی اور عالم بالا سے براہ راست آپؐ کا تعلق ہوتا تو فطری طور سے آپؐ کے حسِ ظاہر اور قوت ملکوتی میں ایک طرح کا تصادم واقع ہوتا جس کی وجہ سے آپ ایک طرح کا کرب محسوس کرتے یہاں تک کہ اس کا اثر آپؐ کے چہرے سے بھی ظاہر ہوتا تھا۔ اس وقت آپؐ اپنا سر جھکا لیتے تھے۔ وحی کی شدت کے علاوہ وحی کی عظمت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ اس موقع پر آپؐ کا سر جھک جائے اور ان لوگوں کے سر بھی جھک جائیں جو اس وقت آپؐ کے پاس موجود ہوں۔ قرآن وحی الٰہی ہی ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ط

(الحشر:۲۱) ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس (پہاڑ) کو دیکھتے کہ سہما ہوا ہے اور پھٹا جاتا ہے اللہ کے ڈر سے۔''

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اُوْحِیَ اِلَیْهِ لَمْ یَسْتَطِعْ اَحَدٌ مِّنَّا یَرْفَعُ طَرْفَهٗ اِلَیْهِ حَتّٰی یَنْقَضِیَ الْوَحْیُ۔ (مسلم حاکم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو جب تک وحی کا نزول تمام نہ ہو جاتا ہم میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ آپؐ کی طرف نظر اٹھا سکتا۔

تشریح: نزول وحی کے وقت حضور ﷺ جس کیفیت سے دوچار ہوتے تھے اس سے ایسے جلال و جبروت کا اظہار ہوتا تھا کہ اس وقت کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ آپؐ کی طرف نگاہ اٹھا سکے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍؓ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ يَأْتِيْکَ الْوَحْىُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَحْيَانًا يَّاْتِيْنِىْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَ هُوَ اَشَدُّهٗ عَلَىَّ فَيُفْصِمُ عَنِّىْ وَ قَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَ اَحْيَانًا يَّتَمَثَّلُ لِىَ الْمَلَکُ رَجُلاً فَيُكَلِّمُنِىْ فَاَعِىْ مَا يَقُوْلُ۔ قَالَتْ عَائِشَةُؓ وَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْىُ فِى الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيُفْصِمُ عَنْهُ وَ اَنَّ جَبِيْنَهٗ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپؐ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بعض اوقات وہ مجھ پر اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹی کی آواز ہو اور یہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ پھر اس کا سلسلہ مجھ سے منقطع ہو جاتا ہے اور جو کچھ کہا گیا ہوتا ہے، اسے میں محفوظ کر چکا ہوتا ہوں۔ اور بعض اوقات فرشتہ ایک مرد کی شکل میں میرے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ پس جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔“ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپؐ کو دیکھا، سخت سردی کے دن میں آپؐ پر وحی نازل ہوئی۔ پھر اس کا سلسلہ ختم ہوا اور حالت یہ تھی کہ آپؐ کی پیشانی سے پسینہ جاری تھا۔“

تشریح: اس قسم کی وحی کے نزول کے وقت جس میں گھنٹی کی سی آواز آتی محسوس ہوتی ہے نبی ﷺ کو سخت مرحلہ سے گزرنا پڑتا تھا۔ وحی کے نزول کے خاتمہ پر وحی کا مضمون آپؐ کو پورے طور پر محفوظ ہوتا تھا۔ وحی کے ذریعہ سے جو پیغام بھی آپؐ تک پہنچایا جاتا ہے وہ آپؐ کے حافظہ میں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خدا کا فرشتہ انسانی شکل میں آپؐ کے پاس آتا۔ وہ خدا کی طرف سے جو پیغام بھی پہنچاتا تھا اسے آپؐ یاد کر لیتے تھے۔

سخت سے سخت سردی اور کڑاکے کے جاڑے میں بھی جب آپؐ پر وحی نازل ہوئی تو آپؐ کی پیشانی پسینہ سے تر ہوگئی۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍؓ قَالَ: اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ ﷺ وَ فَخِذُهٗ عَلٰی فَخِذِیْ فَثَقُلَتْ عَلَیَّ حَتّٰی خِفْتُ اَنْ تَرُضَّ فَخِذِیْ۔ (بخاری)

ترجمہ: زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ (ایک دفعہ) اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی نازل فرمائی، اس وقت آپؐ کی ران میری ران پر تھی۔ اس کا مجھ پر اتنا وزن پڑا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے۔

تشریح: یہ زید بن ثابتؓ کا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ وہ حضورؐ کے بے حد قریب تھے۔ حضور ﷺ کی ران ان کی ران پر تھی۔ اتفاق سے آپؐ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی۔ وحی کی وجہ سے آپؐ کی ران کا وزن اتنا بڑھ گیا کہ انھیں اندیشہ ہوا کہ شاید میری ران ٹوٹ جائے گی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپؐ اونٹنی پر سوار ہو کر سفر کر رہے ہوتے تھے کہ آپؐ پر وحی نازل ہونے لگتی تھی۔ اونٹنی پر اس کا اتنا بوجھ پڑتا کہ وہ بوجھ سے دب جاتی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بوجھ برداشت نہ کر سکے گی اور زمین پکڑ لے گی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ یَعْلٰیؓ اَنَّ یَعْلٰی قَالَ لِعُمَرَؓ اَرِنِی النَّبِیَّ ﷺ حِیْنَ یُوْحٰی اِلَیْهِ قَالَ فَبَیْنَمَا النَّبِیُّ ﷺ بِالْجِعْرَانَةِ وَ مَعَهٗ نَفَرٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ۔ فَجَآءَهُ الْوَحْیُ فَاَشَارَ عُمَرُ اِلٰی یَعْلٰی فَجَآءَ یَعْلٰی وَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثَوْبٌ قَدْ اُظِلَّ بِهٖ فَاَدْخَلَ رَاْسَهٗ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ وَ هُوَ یَغِطُّ ثُمَّ سُرِّیَ عَنْهُ۔

(بخاری)

ترجمہ: صفوان بن یعلیٰؓ سے روایت ہے کہ یعلیٰؓ نے عمرؓ سے کہا کہ مجھے نبی ﷺ کو دکھانا جب آپؐ پر وحی کا نزول ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ اس اثناء میں جبکہ نبی ﷺ جعرانہ میں تھے اور آپؐ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی، آپؐ پر وحی نازل ہوئی۔ عمرؓ نے یعلیٰؓ کو اشارہ کیا۔ یعلیٰؓ آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے اوپر ایک کپڑا تھا جس کے ذریعہ آپؐ پر سایہ کیا گیا تھا۔ انھوں نے اندر اپنا سر ڈالا تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ سرخ ہوگیا ہے اور گھر گھراہٹ کی آواز آرہی ہے۔ پھر (تھوڑی دیر میں) آپؐ کی یہ حالت ختم ہوگئی۔

تشریح: حضرت یعلیٰؓ چاہتے تھے کہ جب نبی ﷺ پر وحی نازل ہو تو اس وقت دیکھیں کہ آپؐ کی کیا حالت ہوتی ہے؟

جعرانہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے۔ وہاں آپ پر وحی کا نزول ہوا، وحی کی شدت سے آپؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور گلے سے گھرگھراہٹ کی آواز آرہی تھی۔ جب وحی اتر چکی تو پھر یہ حالت ختم ہوگئی۔

نزول وحی کے سلسلہ میں اور بہت سی روایتیں ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر چند روایتیں درج کی گئی ہیں۔ ان روایات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ نزولِ وحی کے وقت نبی ﷺ پر ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہوتی تھی اور آپؐ کی حالت متغیر ہوجاتی تھی جس کو آپؐ کے قریب کے لوگ بھی محسوس کرلیتے تھے اور وہ سمجھ جاتے تھے کہ اس وقت آپؐ پر وحی اتر رہی ہے۔ نزول وحی کے بعد آپؐ صحابۂ کرامؓ کو مطلع کرتے تھے کہ آپؐ پر خدا کی طرف سے کیا پیغام نازل ہوا ہے۔ قرآن مجید جو وحی کے ذریعہ آپؐ پر نازل ہورہا تھا، نزول کے بعد باقاعدہ اسے آپؐ قلم بند کرادیتے تھے۔

شکل و شباہت

﴿۱﴾ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍؓ كَانَ اِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَمْ يَكُنْ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَغَّطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَ كَانَ رَبْعَةً مِّنَ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ جَعْدًا رِجَلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ وَ كَانَ فِي الْوَجْهِ تَدْوِيْرٌ اَبْيَضُ مُشْرَبٌ اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتِدِ اَجْرَدُ ذُوْ مَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ اِذَا مَشٰى يَتَقَطَّعُ كَاَنَّمَا يَمْشِيْ فِيْ صَبَبٍ وَ اَمَّا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَ هُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَ اَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَ اَكْرَمُهُمْ عَشِيْرَةً مَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ وَ مَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَقَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ ﷺ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالبؓ جب نبی ﷺ کا وصف بیان کرتے تو فرماتے کہ آپؐ نہ تو

بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ پستہ قد، بلکہ لوگوں میں آپؐ متوسط قامت کے تھے۔ آپؐ کے بال نہ بہت گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ ہلکا خم لیے ہوئے تھے۔ آپؐ نہ تو بہت موٹے تھے اور نہ چھوٹے چہرے والے تھے۔ چہرہ (بالکل گول ہونے کے بجائے) ہلکی گولائی لیے ہوئے سفید سرخی مائل تھا۔ آپؐ کی آنکھیں سیاہ اور پلکیں دراز تھیں، ہڈیوں کے سرے یعنی جوڑ موٹے تھے۔ بدن پر زیادہ بال نہ تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی۔ ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت تھے۔ جب چلنے کو قدم اٹھاتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا بلندی سے نشیب میں اتر رہے ہیں۔ جب کسی طرف متوجہ ہوتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ اور آپ خاتم النبیین تھے۔ آپؐ لوگوں میں کشادہ دل اور فیاض اور زبان کے نہایت سچے تھے۔ طبیعت کے نہایت نرم اور قوم کے نہایت شریف اور بزرگ تھے۔ جو کوئی آپؐ کو یکایک دیکھتا اس پر آپؐ کی ہیبت طاری ہو جاتی اور جو پہچان کر آپؐ سے ملتا جلتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپؐ کے اوصاف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے آپؐ جیسا کوئی نہیں دیکھا، نہ آپؐ سے پہلے اور نہ آپؐ کے بعد ـــ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تشریح: روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپؐ مجمع میں ہوتے تو قد دوسروں سے نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ آپؐ اتنے زیادہ لمبے نہ تھے کہ برا معلوم ہو۔ قامت مائل بہ درازی ضرور تھی۔

روایت میں کان اسیل الخدّ (آپؐ دراز رخسار والے تھے) الفاظ آتے ہیں۔ آپؐ کا رنگ گورا ملاحت لیے ہوئے تھا۔

باطنی اوصاف و کمالات کے ساتھ خدا نے آپؐ کو حسنِ ظاہر سے بھی آراستہ فرمایا تھا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن و جاذبیت کی ساری ہی چیزیں خدا نے آپؐ کو بخشی تھیں۔ آپؐ کشادہ پیشانی اور پاکیزہ رو تھے۔ چہرہ بلند خیالات کا آئینہ دار اور نگاہیں جذباتِ پاکیزگی کی غماز تھیں۔ اکثر آپؐ غور و فکر میں ڈوبے رہتے۔ لوگوں سے ملتے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی ہوتی۔ آواز میں بھاری پن تھا۔ آپؐ کی خاموشی بھی دل بستگی کا سامان لیے ہوتی تھی۔ آپؐ کے حسن و وقار میں لذت محسوس ہوتی تھی۔ آپؐ کی کوئی ادا بھی دل کشی سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ تلوے قدرے گہرے تھے۔ قدم مبارک نہایت چکنے تھے۔ ایڑیوں پر گوشت بہت کم تھا۔ آپؐ چلتے تو

قوت کے ساتھ ذرا آگے جھک کر چلتے تھے۔ رفتار تیز ہوتی تھی تو قدم جما کر رکھتے تھے۔ دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا گویا آپؐ نشیب میں اتر رہے ہیں۔

آپؐ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو متکبر لوگوں کی طرح نہیں بلکہ کریم النفس اور متواضع صفت انسان کی طرح پورے طور پر توجہ فرماتے تھے۔ آپؐ کی توجہ میں کسی وقت بھی کسی قسم کی بے التفاتی اور بے پروائی کو ہرگز دخل نہیں ہوتا تھا۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان، بائیں شانہ کی نرم ہڈی کے پاس کبوتر کے انڈے کی طرح گوشت اکٹھا تھا جس پر سیاہ تل تھے۔ یہ بھی دوسری نشانیوں کی طرح آپؐ کی نبوت کی ایک ظاہری نشانی تھی۔ اسے مہرِ نبوت کہتے تھے۔

پہلے پہل جو کوئی آپؐ کو دیکھتا اس پر ہیبت طاری ہوجاتی لیکن جو آپؐ کے قریب آتا اور قریب سے آپؐ کو دیکھتا وہ آپؐ کا گرویدہ ہوکر رہتا۔ دوست کے علاوہ اس کی شہادت دشمن تک نے دی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے عروہ بن مسعود کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے واپسی پر قریش کے سامنے بیان دیا: ''اے قریش کے لوگو! میں کسریٰ کے پاس اس کے شاہی دربار میں جا چکا ہوں۔ قیصر کے پاس اس کے شاہی دربار میں جا چکا ہوں اور نجاشی کے پاس اس کے شاہی دربار میں جا چکا ہوں۔ بخدا میں نے کسی قوم میں کسی بھی بادشاہ کی وہ شان نہیں دیکھی جو شان محمدؐ کی میں نے اس کے ساتھیوں کے درمیان دیکھی ہے۔ سچ کہتا ہوں، میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جو کسی صورت میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ اب تم سوچ لو۔''

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ لِلرَّبِیْعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ صِفِیْ لَنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَتْ: یَا بُنَیَّ لَوْ رَاَیْتَہٗ رَاَیْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً۔ (دارمی)

ترجمہ: ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے کہا کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان کیجیے۔ انھوں نے کہا: ''بیٹے! اگر تم انھیں دیکھتے تو اس طرح دیکھتے جیسے آفتاب طلوع ہوا ہے۔''

تشریح: یعنی خدا نے آپؐ کو بدرجۂ کمال حسن و جمال اور وقار و عظمت سے نوازا تھا۔

〈۳〉 وَ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سُرَّ اِسْتَنَارَ وَجْهُهٗ حَتّٰى كَانَ وَجْهَهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَ كُنَّا نَعْرِفُ ذَالِكَ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب (کسی وجہ سے) خوشی ہوتی تو آپؐ کا چہرہ ایسا چمک اٹھتا گویا روئے مبارک چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم اس سے واقف ہوتے تھے۔

تشریح: یعنی اس چمک کو دیکھ کر ہمیں آپؐ کی خوشی اور مسرت کا علم ہو جاتا تھا۔

حلیۂ مبارک کے سلسلہ میں روایات بہت سی ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر محض تین حدیثیں درج کی گئی ہیں۔ نبی اپنی قوم میں نمایاں شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی سیرت اس کے برحق اور صادق ہونے کا بین دلیل ہوتی ہے۔ آدمی کا چہرہ اس کی شخصیت، اس کے اعمال و اخلاق اور اس کی سیرت اور کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ کسی کی نگاہ میں اگر قصور نہ ہو تو وہ نبی کو دیکھنے کے بعد لازماً اس کے صادق ہونے کی گواہی دے گا۔ تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ محض چہرہ دیکھ کر لوگوں نے آپؐ کے سچے ہونے کی گواہی دی۔ حُصین، یہود کے ایک زبردست عالم تھے۔ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو وہ آپؐ کو دیکھنے کے لیے گئے۔ بعد میں انھوں نے اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے جیسے ہی آپؐ کو دیکھا سمجھ گیا کہ آپؐ کا چہرہ ایک جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جب ابو رمثہ تیمی اپنے بیٹے کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگوں نے دکھایا کہ خدا کے رسول یہ ہیں تو دیکھتے ہی انھوں نے کہا: واقعی یہ خدا کے نبی ہیں۔ (شمائل ترمذی) ایک بار مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ آیا اور شہر سے باہر ٹھہرا۔ حضور ﷺ نے اس سے ایک اونٹ کا سودا کیا اور قیمت کے ادا کرنے کا وعدہ کر کے اونٹ لے کر چلے آئے۔ بعد میں قافلہ والوں کو تشویش ہوئی کہ بغیر جان پہچان کے سودا کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری رقم ماری جائے۔ اس موقع پر ایک معزز خاتون نے کہا: اطمینان رکھو۔ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا ہے جو بدر کی طرح روشن تھا۔ وہ ہرگز تمھارے ساتھ بدمعاملگی کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا آدمی (اونٹ کی رقم) ادا نہ کرے تو میں اپنے پاس سے ادا کردوں گی۔ (المواہب اللدنیہ ج ۱ صفحہ ۲۴۴)

آپؐ کی مثال

〈۱〉 عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ: جَاءَ تْ مَلٰٓئِكَةٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَ هُوَ نَائِمٌ فَقَالُوْا: اِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلاً فَاضْرِبُوْا لَهٗ مَثَلاً فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّهٗ نَائِمٌ وَ قَالَ

بَعۡضُهُمۡ: اِنَّ الۡعَيۡنَ نَائِمَةٌ وَالۡقَلۡبُ يَقۡظَانُ فَقَالُوۡا مَثَلُهٗ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَ جَعَلَ فِيۡهَا مَاۡدُبَةً وَ بَعَثَ دَاعِيًا فَمَنۡ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَ اَكَلَ مِنَ الۡمَأۡدُبَةِ وَ مَنۡ لَّمۡ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمۡ يَدۡخُلِ الدَّارَ وَلَمۡ يَأۡكُلۡ مِنَ الۡمَاۡدُبَةِ فَقَالُوۡا: اَوِّلُوۡهَا لَهٗ يَفۡقَهُهَا فَقَالَ بَعۡضُهُمۡ: اِنَّهٗ نَائِمٌ وَ قَالَ بَعۡضُهُمۡ اِنَّ الۡعَيۡنَ نَائِمَةٌ وَالۡقَلۡبُ يَقۡظَانُ فَقَالُوۡا: اَلدَّارُ جَنَّةٌ وَالدَّاعِيۡ مُحَمَّدٌ (ﷺ) فَمَنۡ اَطَاعَ مُحَمَّدًا (ﷺ) فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنۡ عَصٰى مُحَمَّدًا (ﷺ) فَقَدۡ عَصَى اللّٰهَ (عَزَّوَجَلَّ) وَ مُحَمَّدٌ (ﷺ) فَرۡقٌ بَيۡنَ النَّاسِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ کچھ فرشتے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپؐ سو رہے تھے۔ انھوں نے (آپس میں) کہا: تمھارے اس ساتھی (یعنی نبی ﷺ) کی ایک مثال ہے اسے ان کے سامنے بیان کرو۔ ان میں سے کسی نے کہا: وہ تو سو رہے ہیں۔ اس پر دوسرے نے کہا: بے شک آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہے۔ پھر انھوں نے کہا: آپؐ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اس میں کھانے کا ایک خوان لگایا اور بلانے والے کو بھیجا (کہ لوگوں کو کھانے کے لیے بلائے) جس نے اس بلانے والے کی بات مان لی وہ گھر میں داخل ہوا اور دستر خوان سے کھانا کھایا اور جس نے بلانے والے کی بات نہیں مانی وہ نہ گھر میں داخل ہوا اور نہ دستر خوان سے کھانا کھایا۔ پھر انھوں نے کہا: آپؐ کے لیے اس (مثال) کی وضاحت کرو تا کہ آپؐ اسے سمجھ جائیں۔ تو ان میں سے کسی نے کہا: وہ سو رہے ہیں اور ان میں سے بعض نے کہا: (ایسا نہیں ہے) آنکھیں سو رہی ہیں مگر دل بیدار رہے۔ اس پر انھوں نے کہا: گھر (سے مراد) جنت ہے اور بلانے والے محمد ﷺ ہیں تو جس کسی نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی اور (حقیقت یہ ہے کہ) محمد ﷺ لوگوں کے درمیان تفریق کر دینے والے ہیں۔

تشریح: اس تمثیل سے نبی ﷺ کا مقام و منصب واضح طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس تمثیل سے معلوم ہوا کہ اللہ نے آپؐ کو لوگوں کے لیے داعی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ لوگوں کو اس گھر کی طرف بلاتے ہیں جو دائمی فوز و فلاح اور سلامتی کا گھر ہے جسے جنت کہتے ہیں، جسے اللہ نے

اپنے بندوں کے لیے تیار کیا ہے جو اس کے داعی پر ایمان لائیں ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اس کے اندر چنے ہوئے کھانوں (یعنی نعمتوں) کا لطف اٹھائیں گے اور ہمیشہ کی راحت و مسرت ان کے حصہ میں آئے گی۔ قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِؕ وَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ ''(تم ختم ہونے والی زندگی پر ریجھتے ہو) اور اللہ تمھیں سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔''

اس حدیث سے ایک بنیادی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کی اطاعت کی واحد سبیل یہ ہے کہ آدمی حضرت محمد ﷺ کی اطاعت اختیار کرے۔ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ لوگوں کو جن احکام کی پیروی کا حکم دیتے ہیں وہ خدا ہی کے دیئے ہوئے احکام ہیں، انسانوں تک خدا کے احکام رسولوں کے واسطے سے ہی پہنچتے ہیں۔ خدا کی بندگی و اطاعت میں جو لذت و راحت ہے وہ کہیں اور نہیں ہے۔ قدیم کتابوں میں بھی اللہ کے احکام و شرائع کو نعمت قرار دیا گیا ہے۔

> ''خداوند کی شریعت کامل ہے وہ جان کو بحال کرتی ہے... خداوند کے قوانین راست ہیں وہ دل کو راحت پہنچاتے ہیں۔ خداوند کا حکم بے عیب ہے وہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے... خداوند کے احکام برحق ہیں اور بالکل راست ہیں وہ سونے بلکہ کندن سے زیادہ پسندیدہ ہیں، وہ شہد سے بلکہ چھتے کے ٹپکوں سے بھی شیریں ہیں۔''
>
> (زبور پہلی کتاب ۱۹: ۷-۱۲)

اس کے بعد بھی اگر آدمی اللہ کے داعی کی پکار پر لبیک نہیں کہتا اور اس مکان کی طرف نہیں چلتا جس کی طرف وہ بلا رہا ہے تو وہ ایک بھٹکا ہوا اور آوارہ انسان ہے۔ ''اپنے مکان سے آوارہ انسان اس چڑیا کی مانند ہے جو اپنے آشیانے سے بھٹک جائے۔'' (امثال ۲۷: ۸)

آخر میں یہ جو فرمایا کہ محمدؐ لوگوں کے درمیان فرق کر دینے والے ہیں۔ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ آپؐ کے ذریعہ سے حق و باطل میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ آپؐ کی بدولت اہل کفر اور اہل ایمان کی جماعتیں ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں۔ برے اور بھلے ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئے۔ غلط اور صحیح، حق اور باطل میں کوئی اشتباہ نہیں رہا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ رَبِيْعَةَ الْجُرَشِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: اُتِيَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: فَقِيْلَ لَهٗ لِتَنَمْ عَيْنُكَ وَلِتَسْمَعْ اُذُنُكَ وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنِيَّ وَ سَمِعَتْ اُذُنَايَ وَ عَقَلَ

قَلْبِیْ قَالَ فَقِیْلَ لِیْ سَیِّدٌ بَنٰی دَارًا فَصَنَعَ مَاْدُبَةً وَ اَرْسَلَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ وَ اَکَلَ مِنَ الْمَاْدُبَةِ وَ رَضِیَ عَنْهُ السَّیِّدُ وَ مَنْ لَّمْ یُجِبِ الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْکُلْ مِنَ الْمَاْدُبَةِ وَ سَخِطَ عَلَیْهِ السَّیِّدُ قَالَ فَاللّٰهُ السَّیِّدُ وَ مُحَمَّدٌ اِلدَّاعِیْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْمَاْدُبَةُ الْجَنَّةُ۔ (دارمی)

ترجمہ: ربیعہ جرشی روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں (فرشتہ) حاضر ہوا تو آپؐ سے کہا گیا کہ آپؐ کی آنکھوں کو سو جانا چاہیے اور کانوں کو سننا اور دل کو سمجھنا چاہیے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سو گئیں۔ میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ سے کہا گیا کہ ایک سردار نے ایک گھر بنایا اور (اس میں) دسترخوان چنا اور ایک بلانے والے کو بھیجا۔ تو جس کسی نے اس بلانے والے کی دعوت کو قبول کیا وہ اس گھر میں داخل ہوا اور اس خوان میں سے کھایا اور اس سے وہ سردار بھی خوش ہو گیا۔ اور جس کسی نے اس بلانے والے کی دعوت قبول نہیں کی، وہ نہ گھر میں داخل ہوا نہ اس نے دسترخوان سے کھانا کھایا اور سردار بھی اس سے ناراض ہوا۔ فرمایا: اللہ آقا ہے اور محمد (ﷺ) بلانے والے ہیں اور گھر اسلام ہے اور دسترخوان جنت ہے۔

تشریح: اس سے پہلے کی روایت میں گھر سے مراد جنت لی گئی ہے۔ اس حدیث میں اسلام کو گھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دونوں تمثیلوں کا حاصل ایک ہے۔ جنت میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اسلام میں داخل ہو۔ اسلام میں داخل ہونا نتیجہ کے لحاظ سے جنت میں داخل ہونا ہی ہے۔ دونوں حدیثوں میں اصل زور اس پر دیا گیا ہے کہ جنت آدمی کو اس وقت مل سکتی ہے جبکہ وہ نبی ﷺ کی دعوت پر لبیک کہے اور آپؐ پر ایمان لائے۔ آپؐ کی پیروی اختیار کرے۔ اسی سے وہ جنت کا مستحق بھی ہو گا اور خدا کی خوشنودی اور رضا بھی اسے حاصل ہو گی جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ بصورت دیگر وہ جنت سے بھی محروم ہو گا اور خدا کی ناراضی الگ اس کے حصہ میں آئے گی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّمَا مَثَلِیْ وَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمًا فَقَالَ یَا قَوْمِ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنَیَّ وَ اِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ فَاَطَاعَهٗ طَآئِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰی

مَهَلِهِمْ فَنَجَوْا وَ كَذَّبَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ فَاصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَاَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذَالِكَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِىْ فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهٖ وَ مَثَلُ مَنْ عَصَانِىْ وَ كَذَّبَ مَا جِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور اس چیز کی مثال جسے دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے ایسی ہے جسے کوئی شخص اپنی قوم کے پاس آئے اور کہے: اے میری قوم! (کے لوگو!) میں نے (دشمنوں کا) ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں نذیرِ عریاں ہوں۔ لہٰذا نجات کی فکر کرو۔ اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی، وہ اطمینان سے راتوں رات نکل کھڑے ہوئے اور اپنی معمولی رفتار سے چلتے رہے اور (دشمنوں سے) نجات پا گئے اور ان میں سے کچھ لوگوں نے جھٹلایا اور صبح تک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہے (دشمن کا لشکر علی الصباح) ان پر ٹوٹ پڑا اور انھیں ہلاک اور جڑ بنیاد سے ختم کر دیا۔ بس یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری اطاعت کی اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی کی اور یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اسے جھٹلا دیا۔''

تشریح: اس تمثیل سے بھی نبی ﷺ کا منصب ومقام معلوم ہوتا ہے۔ عرب میں غارت گری بالعموم صبح کے وقت ہوتی تھی اس لیے دعا دینے کا یہ طریقہ بھی وہاں رائج تھا کہ وہ ایک دوسرے سے کہتے کہ خدا تمھاری صبح اچھی رکھے۔ عربوں میں یہ دستور بھی تھا کہ کسی قبیلے پر کوئی آفت آتی اور کوئی دشمن حملہ کے لیے پیش قدمی کرتا تو جو شخص دشمن کو پہلے دیکھتا وہ کسی بلند مقام پر چڑھ کر اپنے کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور انھیں بلاتا اور چلاّ چلاّ کر لوگوں کو صورتِ حال سے خبردار کرتا۔ ایسے شخص کی حیثیت چشم دید گواہ کی مانی جاتی اور اس کی خبر پر سبھی لوگ یقین کرتے تھے۔ آگے چل کر لوگوں کو ڈرانے اور خبردار کرنے کا یہ طریقہ ہر ایسی پریشانی اور مصیبت کے موقع پر جو اچانک پیش آتی ہو اختیار کیا جانے لگا۔ نبی ﷺ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اپنے لیے نذیر عریاں (برہنہ ڈرانے والے) کی مثال بیان فرمائی تا کہ لوگ غفلت سے باز آجائیں اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور خدا کے عذاب سے بچنے کی فکر کریں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلِىْ كَمَثَلِ رَجُلِ اِسْتَوْقَدَ

نَارًا فَلَمَّا اَضَآءَ تْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَ هٰذِهِ الدَّوَآبُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَ جَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَ یَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَ اَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا۔ (بخاری)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال ایسی ہے جیسی کہ کسی شخص نے آگ روشن کی، لیکن جب اس نے اپنے گردوپیش کو خوب روشن کردیا تو پروانے اور یہ کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور وہ ہے کہ انھیں روک رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس پر غالب آکر اس میں گھسے پڑتے ہیں تو (میری اور اپنی مثال ایسی سمجھو کہ) میں تمھیں آگ (میں پڑنے) سے روکتا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے پڑتے ہو۔''

تشریح: مسلم کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ ملتے ہیں: قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلِیْ وَ مَثَلُکُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا: ''آپؐ نے فرمایا: ''یہ میری اور تمھاری مثال ہے کہ میں تمھاری کمریں پکڑ پکڑ کر (دوزخ کی) آگ سے بچاتا ہوں (کہتا ہوں کہ) آگ سے بچو! آگ سے بچو! اور تم مجھے عاجز کرکے اس میں گھسے جاتے ہو۔''

اس تمثیل سے بھی ناسمجھ انسانوں کی نادانی اور اللہ کے رسول کی شفقت اور خیرخواہی کی حقیقی اور زندہ تصویر سامنے آجاتی ہے۔ پروانوں کو خبر نہیں کہ آگ ان کے نرم و نازک جسم کو خاکستر کردے گی۔ وہ اس پر گرے پڑتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہوکر حدود الٰہی کو پامال کرتے ہیں۔ خدا کے غضب کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ کا رسول انھیں عذاب سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی نہیں سنبھلتا تو وہ اپنی تباہی کا خود ذمہ دار ہے۔

آپؐ کی محبت

〈۱〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

تشریح: جو تعلق نبی ﷺ کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا آپؐ سے ہے، اس سے کسی بھی دوسرے رشتہ کو ذرہ برابر بھی نسبت حاصل نہیں ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (الاحزاب:۶) ''نبی کا تعلق مومنوں کے ساتھ اس سے زیادہ ہے جتنا ان لوگوں کا اپنے آپ سے ہے۔'' نبی ﷺ کو مسلمانوں سے جس درجہ شفقت و محبت ہے اسے ماں باپ کی شفقت و محبت نہیں پا سکتی۔ بلکہ آپؐ کی خیر خواہی تو اس سے بھی بڑھ کر ہے جتنی کہ آدمی کو اپنی ذات سے ہوتی ہے۔ آدمی کو اس کے والدین گمراہی میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح بیوی بچے بھی آدمی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ آدمی خود اپنے ہاتھوں اپنے پیر پر کلہاڑی مار سکتا ہے لیکن نبی ﷺ صرف وہی کریں گے جس میں ہماری فلاح ہو۔ آپؐ ہمارے لیے وہی تجویز کر سکتے ہیں جو ہمارے لیے مفید اور نفع بخش ہو۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو پھر مسلمانوں کا بھی یہی فرض ہے کہ وہ آپؐ کو سب سے زیادہ حتیٰ کہ اپنے والدین، بیوی بچے اور اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز رکھیں۔ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ان کی محبت آپؐ کے ساتھ ہو۔ وہ آپؐ کے حکم کی پیروی کریں۔ آپؐ کا جو فیصلہ اور جو حکم بھی ہو اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ دل میں ذرّہ برابر بھی انھیں ناگواری محسوس نہ ہو۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ ھِشَامٍؓ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ وَ ھُوَ اٰخِذٌ بِیَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِیْ، فَقَالَ: لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ فَقَالَ عُمَرُؓ: فَاِنَّکَ الْاٰنَ، وَاللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ الْاٰنَ یَا عُمَرُ۔ (بخاری)

ترجمہ: عبداللہ بن ہشامؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپؐ عمرؓ بن خطاب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ عمرؓ نے آپؐ سے کہا: آپؐ یا رسول اللہ! مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ جب تک تم کو میں اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز نہ ہو جاؤں (تم مومن نہیں ہو سکتے)۔'' عمرؓ نے کہا۔ اب تو بخدا آپؐ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اب اے عمرؓ! (تم مومن ہو)۔''

تشریح: اس حدیث سے بھی اسی حقیقت کا اظہار ہوتا ہے جس کا اظہار پہلی حدیث میں فرمایا گیا

ہے۔ آدمی صحیح معنوں میں مومن اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ ہر چیز سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کو عزیز رکھے۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت پر ہر چیز قربان کر سکے۔ اللہ کی راہ میں اگر مال اور اولاد کو بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دے۔ حتیٰ کہ اگر جان قربان کرنے کا موقع آئے تو اس سے بھی گریز نہ کرے۔

〈۳〉 وَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِّعْمَةٍ وَ اَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَ اَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِیْ لِحُبِّیْ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ سے محبت رکھو اس لیے کہ وہ تمھیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے محبت کرو میری محبت کے سبب۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے اسی احسان پر غور کرو کہ وہ تمھیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کرتا ہے تو تمھارے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہوگا اور تم اپنے محسن سے محبت کرنے لگو گے۔ جب اللہ سے محبت ہوگی تو اس کے رسول سے بھی تم کو محبت ہوگی اور رسول سے محبت ہوگی تو اس کے گھر والوں سے بھی لازماً محبت ہوگی۔ محبت کا اصل مرکز و محور تو صرف خدا کی ذات ہے۔ خدا ہی کی محبت کا تقاضا ہے کہ اس کے رسول اور آپؐ کے اہل بیت اور اہل قرابت کو عزیز رکھا جائے۔

〈۴〉 وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم: مَتَى السَّاعَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مَا اَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلٰوةٍ وَلاَ صَوْمٍ وَلاَ صَدَقَةٍ وَ لٰكِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ (بخاری)

ترجمہ: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: وہ گھڑی (قیامت) کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس کے لیے کچھ زیادہ تیار نہیں کیا ہے۔ نہ زیادہ نمازیں ہی نہ روزے اور نہ صدقہ لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ”تم انھی کے ساتھ ہو گے جن سے تمھیں محبت ہے۔“

تشریح: حدیث کا آخری فقرہ آپؐ نے کئی مواقع پر ارشاد فرمایا ہے۔ ابن مسعودؓ کی روایت میں

ہے کہ جب صحابہؓ نے آپؐ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جو کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے مگر اس کا عمل اس جماعت کے لوگوں کے برابر نہیں ہے۔ آپؐ نے یہی جواب دیا تھا: المرء مع من احب ''آدمی (آخرت میں) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا اس خوش خبری سے انھیں خوش ہوتے دیکھا۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ محبت کا ثمرہ اخروی معیت ہے۔ آدمی کو جس درجہ آپؐ سے محبت ہوگی اسے اتنی ہی زیادہ آخرت میں آپؐ کی قربت اور معیت حاصل ہوگی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍؓ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ: فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّکَ قَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَقَالَ: وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ: اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ اَسْرَعُ اِلٰى مَنْ يُّحِبُّنِیْ مِنَ السَّيْلِ اِلٰى مُنْتَاهُ.

(ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں آپؐ سے محبت کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: دیکھ کیا کہتا ہے؟ اس نے تین بار کہا: بخدا میں آپؐ سے محبت کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو تو فقر وفاقہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار تیار کرلو۔ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی طرف فقر وفاقہ اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھتے ہیں جتنا سیلاب نشیب کی طرف۔''

تشریح: یعنی تمھیں اگر حقیقت میں مجھ سے محبت ہے تو پھر ہر طرح کے شدائد ومصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہو، مجھ سے محبت ہے تو تمھیں وہی راہ اختیار کرنی ہوگی جس کی طرف خدا نے مجھے رہنمائی فرمائی ہے۔ اس راہ میں طرح طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس میں فقر وفاقہ کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ اس راہ کے مسافر باطل سے کسی قیمت پر بھی مصالحت نہیں کرسکتے۔ وہ حق وصداقت کے لیے جان دے سکتے ہیں لیکن ظلم وطغیان اور باطل کے آگے اپنا سر نہیں جھکا سکتے۔ اس راہ پر وہی چل سکتا ہے جس کا خدا پر کامل بھروسہ اور آخرت پر پختہ ایمان ہو۔ تمھیں اللہ کا رسول اگر عزیز ہے تو پھر عیش وآرام کے مقابلہ میں اس فقر وفاقہ کو ترجیح دو جو خدا کی راہ میں پیش آتا ہو۔

درود و سلام

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ”جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔“

تشریح: ایک شفیق باپ کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی فکر ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو زندگی کے سارے آداب سکھاتا ہے یہاں تک کہ وہ انھیں اس کی تعلیم بھی دیتا ہے کہ وہ اپنے بڑوں اور اپنے والدین کا ادب واحترام کس طرح کریں۔ اسی طرح اللہ کا رسول بھی جس کی حیثیت قوم میں ایک روحانی باپ کی ہوتی ہے اپنے پیروؤں کو چھوٹی بڑی ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، کمال محبت و شفقت کے ساتھ وہ انھیں اس کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ انھیں اپنے ہادی اور رسول سے کتنا گہرا تعلق ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں اہل ایمان کو اس کی تعلیم دی جارہی ہے کہ انھیں اپنے رسول پر درود بھیجنا چاہیے۔ یہ اس تعلق کا لازمی اور فطری تقاضا ہے جو تعلق کہ اہل ایمان اور رسولِ خداؐ کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اہل ایمان پر رسول خدا کے بے پایاں احسانات ہیں۔ رسولِ خداؐ ہی کے ذریعہ سے انھیں حق کی روشنی ملی ہے، دین و ایمان اور اخلاق کی بلندی انھیں رسولِ خدا کی تعلیمات سے ہی حاصل ہوسکی ہے۔ اب یہ حق شناسی اور احسان مندی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے رسول کو جان و دل سے بڑھ کر عزیز رکھیں۔ خدا سے ان کے لیے دعا کریں اور ان کے سچے فرماں بردار بن کر رہیں۔ درود کے لیے عربی میں صلوٰۃ کا لفظ آتا ہے۔ صلوٰۃ کا لفظ جب علیٰ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں: ایک، کسی کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اور اس پر جھکنا، کسی پر مائل ہونا۔ دوسرے کسی کی تعریف اور حمد وثنا کرنا، تیسرے، کسی کے لیے دعا کرنا۔ اس درود میں محبت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور مدح وثنا کا مفہوم بھی۔ اس کے علاوہ دعائے رحمت کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ رسول پر درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم رسول کے گرویدہ ہوجائیں، ان کی مدح وثنا کریں اور ان کے لیے خدا سے دعا کریں۔

یہ جو فرمایا کہ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے خدا اس پر دس بار درود بھیجتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص پر خدا کی خاص عنایت ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو خدا محبوب رکھتا ہے اور اس پر بیحد مہربان ہوتا ہے، اس کی تعریف فرماتا ہے۔ اس کے کام میں برکت دیتا ہے اور اسے عزت اور بلندی عطا فرماتا ہے۔ رسولِ خدا سے گہرے قلبی تعلق اور محبت کے پیچھے درحقیقت خدا طلبی کا ہی جذبہ کام کرتا ہے۔ رسولؐ سے ہماری محبت اور گرویدگی کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ہمیں خدا کی راہ دکھاتا اور ہمیں مرضیاتِ الٰہی سے آگاہ کرتا ہے۔ اس لیے اس شخص پر جو رسول پر درود و سلام بھیجتا ہے خدا کی رحمت کا متوجہ ہونا ایک فطری بات ہے۔

نبی ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم قرآن حکیم میں بھی فرمادیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (الاحزاب:۵۶) ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود و رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔''

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ وَ يَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا صَلّٰى عَلَيَّ فَلْيُقِلَّ عَبْدٌ مِنْ ذَالِكَ اَوْ لِيُكْثِرْ۔ (احمد، ابن ماجہ)

ترجمہ: عامر بن ربیعہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے اور فرماتے سنا کہ ''جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے۔''

تشریح: یعنی خدا کے فرشتے اس سے غایت درجہ کی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے حق میں اللہ سے دعائیں کرتے ہیں۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب لوگوں سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا۔''

تشریح: آدمی کے دل میں اسلام اور ایمان کی جتنی قدر ہوگی اتنا ہی زیادہ اسے نبی ﷺ کے احسانات کا احساس ہوگا اور حضورؐ کے احسانات کا جتنا زیادہ کوئی قدر شناس ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ آپؐ پر درود بھیجے گا۔ درود کی کثرت ایک پیمانہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو دین سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ آپؐ پر کثرت سے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو آپؐ کے لائے ہوئے دین سے گہرا تعلق ہے۔ وہ آپؐ کو سب سے بڑھ کر عزیز رکھتا ہے۔ اس لیے لازماً اسے قیامت میں آپؐ کا قرب خاص نصیب ہوگا۔ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَّجْلِسًا لَمْ یَذْكُرِ اللّٰهَ فِیْهِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَیْهِمْ تِرَةٌ فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَ اِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهُمْ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں خدا کا ذکر نہ کریں اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجیں تو لازماً وہ مجلس ان کے حق میں تباہی ہوگی، خدا چاہے انھیں عذاب دے اور چاہے انھیں بخش دے۔“

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔“

تشریح: اس سے بڑھ کر بخل کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی کے سامنے اس کے سب سے بڑے محسن کا ذکر آئے اور وہ خاموش رہ جائے۔ اس کی زبان پر اپنے محسن کے لیے تحسین اور دعائے خیر کے کلمات تک نہ آسکیں۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ اَحَدٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی مجھے سلام کرتا ہے تو اللہ میری روح کو مجھ پر پلٹاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ سلام کرنے والے کے ہدیۂ سلام کو مجھ تک پہنچا دیتے ہیں اور میری روح کو اس حالت میں لاتے ہیں کہ میں اس کے سلام کا جواب دے سکوں۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ نِ السَّاعِدِیِّؓ قَالَ: قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ؟ قَالَ: قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپؐ پر کس طرح درود بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا: کہو: ''اَللّٰھُمَّ ـــــ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔'' اے اللہ! رحمت فرما محمدؐ پر اور ان کی ازواج اور اولاد پر۔ جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیمؑ پر، اور برکت عطا فرما محمدؐ کو اور ان کی ازواج اور اولاد کو جس طرح تو نے برکت عطا فرمائی ابراہیمؑ کو۔ بے شک تو حمد و ستائش کا مستحق اور عظمت و بزرگی والا ہے۔''

تشریح: احادیث میں حضور ﷺ کے سکھائے ہوئے اور بہت سے درود منقول ہیں۔ اس درود سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس کو گوارا نہیں فرمایا کہ اس دعا کو اپنے لیے مخصوص فرمالیں۔ آپؐ نے اپنی ازواج و ذرّیت کو بھی اس میں شامل فرمایا ہے۔ بعض درودوں میں آپؐ نے اپنی آل کو بھی شامل کیا ہے۔ مثلاً: بخاری و مسلم میں کعب بن عجرہؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک روز رسولؐ اللہ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو معلوم کرلیا۔ مگر آپؐ پر درود کس طرح بھیجیں؟ سرکارؐ نے فرمایا: یوں کہا کرو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ'' اے اللہ! درود بھیج محمدؐ اور محمدؐ کی آل پر جس طرح تو نے درود بھیجا ابراہیم پر۔ بے شک تو قابلِ تعریف اور صاحبِ عظمت ہے۔ خدایا برکت عطا کر محمدؐ کو اور محمدؐ کی آل کو جس طرح تو نے برکت عطا فرمائی ابراہیمؑ کو۔ بے شک تو اپنی ذات سے تعریف کا مستحق اور صاحبِ عظمت ہے۔'' ''آل'' میں حضورؐ کے اہلِ خانہ اور ان کے علاوہ وہ سب لوگ آجاتے ہیں جو آپؐ کے پیرو اور متبع ہوں۔

آپؐ کی اطاعت

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ۔ (شرح السنۃ)

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اس (شریعت) کے تابع نہ ہوجائے جسے لے کر میں آیا ہوں۔''

تشریح: حقیقی مومن وہی ہے جو دل سے فکر وعمل کے اس راستہ کو اختیار کرلے جس کی طرف حضورؐ نے رہنمائی فرمائی ہے اور دل سے یہ مان لے کہ حق وہی ہے جسے اللہ کے رسول نے حق کہا اور جسے آپؐ نے غلط قرار دیا ہے وہ فی الواقع غلط ہے۔ ایمان کی صحیح کیفیت یہی ہے کہ آدمی کی خواہشات اور اس کے میلانات اس ہدایت کے تابع ہوجائیں جسے لے کر اللہ کا رسولؐ دنیا میں مبعوث ہوا ہے، جس نے ہدایت کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفس کا اتباع کیا وہ صحیح راستہ سے بھٹک گیا۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوَاہُ بِغَیْرِ ھُدًی مِّنَ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ؁ (القصص:۵۰) ''اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کی۔ اللہ ظالم لوگوں کو راہ پر نہیں لگاتا۔''

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قَالُوْا وَ مَنْ یَّاْبٰی؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی۔ (بخاری)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے بجز اس شخص کے جو انکار کردے۔'' (صحابہؓ نے) عرض کیا: انکار کون کرتا ہے؟ فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی بے شک اس نے انکار کیا۔''

تشریح: یعنی جو آپؐ کی نافرمانی کرتا اور آپؐ کے اتباع سے گریز کرتا ہے وہ فی الحقیقت آپؐ کا انکار کرتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: تَرَکْتُ فِیْکُمْ

اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ رَسُوْلِهٖ۔ (موطا)

ترجمہ: حضرت مالک بن انسؒ سے ایک مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک انھیں تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے: خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ گمراہی اور ضلالت سے بچنے کے لیے جہاں کتاب اللہ کی پیروی ضروری ہے وہیں ہمارے لیے یہ بھی لازم ہے کہ ہم خدا کے رسول ﷺ کی سنت اور آپؐ کے ارشادات کی پیروی بھی اختیار کریں۔ آپؐ سے بے نیاز ہو کر تو کوئی صحیح معنوں میں کتاب اللہ کا پیرو بھی نہیں بن سکتا۔ اللہ نے اپنے رسولؐ کو اپنی کتاب کا شارح و ترجمان بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ کے ارشادات اور آپؐ کی سیرت در حقیقت کتاب اللہ کی شرح ہیں۔ آپؐ کی جہاں اور بہت سی ذمہ داریاں تھیں وہیں ایک اہم ذمہ داری یہ بھی تھی کہ آپؐ لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں۔

(سورۃ البقرہ ۱۲۹، آل عمران: ۱۶۴، الجمعہ ۲)

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَاْتِیْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْ نَهَیْتُ عَنْهُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ہرگز تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اسے میرے ان احکام میں سے کوئی حکم پہنچے جن کا میں نے حکم دیا ہو یا جن سے میں نے روکا ہو تو وہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ جو کچھ میں نے اللہ کی کتاب میں پایا، اسی کا اتباع کیا۔''

تشریح: مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ کی طرح ان احکام کی بھی پیروی کرے جو اللہ کے رسولؐ کی طرف سے اس تک پہنچے ہوں۔ آپؐ کی سنت کتاب اللہ کی تشریح کی حیثیت رکھتی ہے (النحل: ۱۴۴) تشریح کے لیے تشریعی احکام بھی اللہ کی طرف سے آپؐ کو عطا ہوئے ہیں۔ قرآن میں آپؐ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ (الاعراف: ۱۵۷) ''(وہ نبیؐ) انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے

اور انھیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ان کے لیے ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔"

﴿۵﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (خطبہ دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا: "حمد و صلوٰۃ کے بعد (اب یہ بات سن لو کہ) بہترین کلام اللہ کی کتاب (قرآن کریم) ہے اور بہترین راستہ محمد کا راستہ ہے اور بدترین باتیں وہ ہیں جو (دین میں) نئی نکلی ہوں اور (دین میں) ہر نئی اور بڑھائی ہوئی بات گمراہی ہے۔"

تشریح: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (بخاری و مسلم) "جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی ہو جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔"

دین میں کسی نئی چیز کو داخل کرنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ دین میں اضافہ یا ترمیم و تنسیخ کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ خدا کی طرف سے دین جس شکل میں ہم تک پہنچا ہے ہمیں اسے اسی شکل میں اختیار کرنا چاہیے۔ دین میں اضافہ درحقیقت دین کی صورت کو مسخ کر دینے کے مرادف ہے۔ پچھلی امتوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جب ان کے دین میں بدعتوں کو داخل ہونے کا موقع ملا تو اس چیز نے دین کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ عقائد سے لے کر اعمال تک ساری چیزوں میں بگاڑ اس درجہ پیدا ہو گیا کہ اصل دین کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو گیا۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ غُضَيْبِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔ (احمد)

ترجمہ: غضیب بن حارث الثمالیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس قوم نے (دین میں) کوئی نئی بات نکالی اس جیسی ایک سنت (اس قوم سے) اٹھالی گئی تو سنت کو مضبوط پکڑے رہنا نئی بات نکالنے سے بہتر ہے۔"

تشریح: بدعت کا سنت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں لگ سکتا۔ جس نوعیت کی بدعت ایجاد کی جائے گی اسی نوعیت کی سنت قوم سے اٹھ جائے گی۔ دین اپنی جگہ پر کامل ہے۔ اس میں کسی اضافہ اور پیوند کاری کی گنجائش نہیں ہے۔ بدعت جب بھی داخل ہوگی وہ کسی سنت کی جگہ لے گی۔ مثلاً نماز کا ایک طریقہ حضورؐ کا سکھایا ہوا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنی طرف سے نماز میں کوئی بات داخل کر دے تو اس سے نماز کے اس حصہ کو صدمہ پہنچے گا جس میں وہ اپنی طرف سے کوئی بات داخل کر رہا ہے اور پھر اس کا اثر نماز کی پوری ہیئت پر پڑے گا۔ دانائی کی بات یہ نہیں ہے کہ آدمی دین میں بدعات ایجاد کرتا پھرے بلکہ دانش مندی کی بات یہ ہے کہ آدمی سنت سے چمٹا رہے۔ خیر و برکت سب کچھ سنت ہی سے وابستہ ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِاَةِ شَهِیْدٍ۔ (بیہقی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے میری امت کے بگاڑ کے زمانے میں میری سنت کو اختیار کیا۔ اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔''

تشریح: ایسے وقت میں جبکہ امت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اور لوگ دین سے بالکل غافل ہو گئے ہوں، طرح طرح کی بدعتیں ایجاد کر لی گئی ہوں، دین کے نام پر طرح طرح کے فتنے برپا ہوں، اس پر آشوب زمانے میں سنت پر عمل پیرا ہونا، اسے اجاگر کرنا جہادِ عظیم سے کم نہیں ہے۔ اس لیے اس کا ثواب بھی اللہ کے یہاں زیادہ رکھا گیا ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ اَحْیٰی سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَ مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا یَرْضٰهَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا یُنْقَصُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْئًا۔

ترجمہ: بلال بن حارث مزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا، جو میرے بعد مردہ ہو گئی ہو تو اس پر عمل کرنے والوں کے ثواب کے

برابر سے ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان (عمل کرنے والوں) کے اجر و ثواب میں کچھ کمی کی جائے اور جس شخص نے گمراہی کی کوئی ایسی بات نکالی جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں تو اس (بدعت) پر عمل کرنے والوں کے برابر اس کے حصہ میں گناہ آئے گا بغیر اس کے کہ ان (عمل کرنے والوں) کے بوجھ میں کچھ کمی کی جائے۔"

بعثتِ عام

﴿۱﴾ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَا رَسُوْلُ مَنْ اُدْرِکُ حَيًّا وَّ مَنْ يُّوْلَدُ بَعْدِیْ۔ (ابن سعد، الکنز، والخصائص)

ترجمہ: حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: "میں ان کا بھی رسول ہوں جو (اس وقت) زندہ ہیں اور ان کا بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔"

تشریح: یعنی آپؐ کی نبوت کا تعلق صرف آپؐ کے زمانے سے ہی نہیں ہے بلکہ آپؐ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: طُوْبٰی لِمَنْ اٰمَنَ بِیْ وَ رَاٰنِیْ مَرَّةً وَ طُوْبٰی لِمَنْ اٰمَنَ بِیْ وَلَمْ يَرَنِیْ سَبْعَ مَرَّاتٍ۔ (احمد)

ترجمہ: انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے ایک مبارکباد جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اسے سات مبارکباد جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔"

تشریح: اس حدیث میں بعد میں آنے والوں کے لیے تسلی کا سامان ہے۔ آپؐ نے انھیں سات بار مبارکباد اس لیے دی ہے کہ وہ آپ کو نہ دیکھنے کے باوجود آپؐ کی رسالت کا اقرار کریں گے اور آپؐ کو دل و جان سے عزیز رکھیں گے۔ دوسرے پہلوؤں سے صحابۂ کرامؓ کو جو فضیلت حاصل ہے اس میں ان کا شریک کون ہوسکتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ النَّبِیُّ يُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام ہی انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔"

تشریح: یعنی یہ آپؐ کی خصوصیت ہے کہ آپؐ تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جبکہ پچھلے انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ جو ہدایت آپؐ لے کر آئے ہیں وہ سارے انسانوں کی مشترک میراث ہے۔ وہ کسی قوم کی مخصوص چیز نہیں ہے۔ وہ کسی کے لیے پرائی ہرگز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے کام کو اپنی قوم یا عرب تک محدود نہیں رکھا بلکہ باہر کے لوگوں کو بھی آپؐ نے اسلام کی دعوت دی۔ مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام دعوتی خطوط لکھے۔ اس غرض کے لیے اللہ نے آپؐ کو ایک ایسی امت عطا فرمائی جس کا فرض منصبی یہ قرار پایا کہ وہ آپؐ کے مشن کو لے کر اٹھے اور حق کے پیغام کو ساری دنیا میں عام کرے۔ قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر واضح الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ آپؐ تمام نوع انسانی کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ مثال کے طور پر سورۂ سبا میں فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ٥ (آیت:۲۸)'' اور (اے نبی) ہم نے تو تمھیں سارے انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (الانعام:۱۹)'' اور (اے نبی! کہو) یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تا کہ میں اس کے ذریعہ سے تمھیں اور جس کسی کو یہ پہنچے سب کو ڈرا دوں۔'' ایک دوسری جگہ فرمایا: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الخ'' (اے محمدؐ!) کہو:'' اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔'' (الاعراف:۱۵۸)

پچھلے نبیوں کی بعثت مخصوص زمانے اور مخصوص قوم کے لیے تھی۔ یہ خود ان کے کام، ان کی مساعی اور ان کے ارشادات سے ثابت ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رضؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ. (مسند احمد)

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: '' میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

تشریح: یعنی میری بعثت کسی خاص رنگ و نسل کی قوم کے لیے نہیں ہے بلکہ میں تمام ہی انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ختمِ نبوت

﴿۱﴾ **عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: كَانَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَ اِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَ سَيَكُوْنُ خُلَفَآءَ فَيَكْثُرُوْنَ قَالُوْا مَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ اَوْفُوْا بَيْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَوْدَعَهُمْ۔**

(بخاری، مسلم، ابن ماجہ، احمد)

ترجمہ: ابو حازم سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ پانچ سال رہا ہوں۔ میں نے انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی مرجاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے بلکہ خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔'' لوگوں نے کہا: (ان کے بارے میں) آپؐ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: ''جو پہلے (خلیفہ) ہو اس کی بیعت پوری کرنا۔ تم ان کا حق ادا کرتے رہنا، اس نگرانی و ذمہ داری کے بارے میں اللہ خود ان سے باز پرس کرے گا جو اس نے ان کے سپرد کی ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔ نبوت کا سلسلہ آپؐ پر ختم ہے۔ رسول پاکؐ کا یہ ارشاد درحقیقت قرآن پاک کی اس آیت کی شرح ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۧ (الاحزاب: ۴۰) ''(لوگو!) محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔''

نبوت درحقیقت ایک منصب ہے جس پر اللہ ایک خاص ضرورت سے کسی شخص کو مقرر فرماتا ہے۔ وہ ضرورت جب داعی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نبی مامور کردیا جاتا ہے۔ جب ضرورت نہیں ہوتی تو انبیاء نہیں بھیجے جاتے۔ قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار حالتیں ایسی ہیں کہ جن میں انبیاء بھیجے گئے ہیں: (۱) کوئی نبی نہ آیا ہو، کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام بھی اس تک نہ پہنچ سکتا ہو، تو اس قوم کی ہدایت کے لیے اللہ کی طرف

سے نبی معبوث ہوتا ہے۔(۲) گزرے ہوئے نبی کی تعلیمات کو لوگوں نے فراموش کر دیا ہو یا اس نبی کی تعلیمات میں تحریف ہوگئی ہو کہ حق و باطل میں امتیاز مشکل ہو گیا ہو اور اس نبی کی صحیح طور پر پیروی ممکن نہ رہی ہو۔(۳) ایک نبی کے ساتھ اس کی مدد اور تعاون کے لیے مزید ایک نبی کی ضرورت ہو۔(۴) گزرے ہوئے نبی کے ذریعہ سے جو تعلیم دی گئی ہو وہ مکمل نہ ہو۔ اب اس کی تکمیل کے لیے مزید نبی کی بعثت ضروری ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد ان میں سے کوئی ضرورت بھی باقی نہیں ہے۔ آپؐ تمام دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ آپؐ کی بعثت کے وقت سے لے کر مسلسل ایسے حالات پیدا ہوتے گئے ہیں کہ آپؐ کا پیغام دنیا میں پہنچایا جا سکتا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ آپؐ کے بعد الگ الگ قوموں میں انبیاء کو مامور کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ قرآن اس بات پر شاہد ہے اور سیرت اور احادیث کا عظیم ذخیرہ اس کا بین ثبوت ہے کہ آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم تحریف سے پاک اور اپنی صحیح صورت میں محفوظ ہے۔ آپؐ کی لائی ہوئی کتاب لفظ بہ لفظ اس شکل میں موجود ہے جس شکل میں آپؐ نے اسے پیش فرمایا تھا۔ آپؐ کے ارشادات اور آپؐ کی پوری زندگی اس طرح ہم تک پہنچی ہے کہ محسوس ہوتا ہے گویا آپؐ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ نے دین کی تکمیل بھی فرما دی۔ مصلحین حضورؐ کی پیش گوئی کے مطابق اس امت میں برابر اٹھتے رہے ہیں اور ان کے ذریعہ سے دین کی تجدید اور احیاء کا کام ہوتا رہا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَ مَثَلَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَ اَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضَعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَ یَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَ یَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری مثال اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک عمارت بنائی اور اسے خوب حسین و جمیل بنایا، مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے اور کہتے تھے: یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

تشریح: مسلم میں اس مضمون کی چار حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ ملتے ہیں: فَجِئتُ فَختَمتُ الاَنبِیَآءَ "پس میں آیا اور میں نے نبیوں کے سلسلہ کو ختم کر دیا" مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث جابر بن عبداللہ کی مرویات کے سلسلہ میں آئی ہے، آخری الفاظ اس کے یہ ہیں: خُتِمَ بِیَ الاَنبِیَآءُ "میرے ذریعہ سے انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا۔" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے تشریف لانے سے نبوت کی عمارت مکمل ہو گئی اور کوئی جگہ باقی نہیں رہی جسے پر کرنے کے لیے کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہو۔ نبوت اور رسالت کا سلسلہ آپؐ پر تمام ہو گیا۔ آپؐ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے وہ جھوٹا اور مکار ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنهُ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: نَحنُ الاٰخِرُونَ السَّابِقُونَ یَومَ القِیٰمَةِ بَیدَ اَنَّهُم اُوتُوا الکِتَابَ مِن قَبلِنَا وَ اُوتِینَا مِن بَعدِهِم۔ (بخاری و مسلم، نسائی)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہم سب سے آخر ہیں اور قیامت کے روز سب سے پہلے ہو جائیں گے صرف اتنی بات ہے کہ پہلے لوگوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اور ہمیں ان کے بعد دی گئی ہے۔"

تشریح: اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت آخری رسالت ہے۔ آپؐ پر وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس حدیث سے آپؐ کی امت کی فضیلت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَن جُبَیرِ بنِ مُطعِمٍ ؓ قَالَ سَمِعتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُولُ اِنَّ لِی اَسمَآءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحمَدُ وَ اَنَا المَاحِی الَّذِی یَمحُوا اللّٰهُ بِیَ الکُفرَ وَ اَنَا الحَاشِرُ الَّذِی یُحشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ وَ اَنَا العَاقِبُ وَالعَاقِبُ الَّذِی لَیسَ بَعدَهٗ نَبِیٌّ۔
(بخاری و مسلم)

ترجمہ: جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: "میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی (مٹانے والا) ہوں کہ میرے ذریعہ سے اللہ کفر کو مٹائے گا۔ اور میں حاشر ہوں وہ حاشر جس کے بعد ہی لوگ حشر میں جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب (پیچھے آنے والا) ہوں۔ عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔"

تشریح: آپؐ کی یہ بات پوری ہو کر رہی کہ میرے ذریعہ سے اللہ کفر کو مٹائے گا۔ کفر کو جو آپؐ سے برسرِ پیکار تھا شکست ہوئی اور زمین کے ایک بڑے حصہ پر خدا کا دین قائم ہوا۔

فرمایا: میں عاقب ہوں۔ یعنی میرے بعد قیامت ہی آئے گی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُسَمِّیْ لَنَا نَفْسَہٗ اَسْمَآءً فَقَالَ: اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَحْمَدُ وَالْمُقَفِّیْ وَالْحَاشِرُ وَ نَبِیُّ التَّوْبَۃِ وَ نَبِیُّ الرَّحْمَۃِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اپنے یہ نام بیان فرمائے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں محمد ہوں، احمد ہوں، مقفی ہوں، حاشر ہوں، نبی توبہ ہوں اور نبی رحمت ہوں۔''

تشریح: اس حدیث میں آپؐ نے کئی باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ میں تمام نبیوں کے آخر میں آنے والا ہوں۔ میرے بعد کوئی نئی نبوت قائم نہ ہوگی۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ یعنی قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرنیوالا ہوں یعنی میرے بعد قیامت ہی آئے گی جس میں لوگ خدا کے روبرو اکٹھے کیے جائیں گے۔

یہ جو فرمایا کہ میں نبی توبہ ہوں، تو نبی ﷺ کثرت سے خدا کے حضور توبہ کیا کرتے تھے۔ یہ جو فرمایا کہ میں نبیِ رحمت ہوں تو آپؐ سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آپؐ ساری دنیا کے رہنما اور سارے انسانوں کو فلاح ونجات کی راہ دکھانے والے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ o (۲۱:۱۰۷) ''اور (اے محمدؐ!) ہم نے تمھیں سارے عالم کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ (دارمی، بیہقی فی شعب الایمان) ''میں خدا کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔''

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ قَارِظٍ اَشْھَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ اَبَا ھُرَیْرَۃَ ؓ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: فَاِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ (مسلم، نسائی)

ترجمہ: عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ کہتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ابوہریرہؓ کو فرماتے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔''

تشریح: نسائی کی روایت میں آخر کی بجائے خاتم کا لفظ آیا ہے۔ خاتم کا مفہوم وہی ہے جو آخر کا ہے۔ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں تین مسجدیں ایسی ہیں جنھیں عام مساجد کے مقابلہ میں فضیلت حاصل ہے۔ جن میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے ان مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرکے جانا جائز ہے جبکہ دوسری کسی مسجد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ آدمی دوسری مسجدوں کو چھوڑ کر اس میں نماز ادا کرنے کے لیے سفر کرے۔ ان مساجد میں پہلی مسجد وہ ہے جو مسجد حرام کے نام سے مشہور ہے جس کے معمار حضرت ابراہیمؑ ہیں، دوسری مسجد، مسجد اقصیٰ ہے جسے حضرت سلیمانؑ نے بنایا۔ تیسری مدینہ منورہ کی مسجد نبوی ہے جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے رکھی ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا نُبُوَّۃَ بَعْدِیْ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ قِیْلَ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قِیْلَ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَلرُّؤْیَا الْحَسَنَۃُ اَوْ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ۔ (مسند احمد، نسائی، ابوداؤد)

ترجمہ: ابو الطفیل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ صرف بشارت دینے والی باتیں ہیں۔'' کہا گیا: وہ بشارت دینے والی باتیں کیا ہیں اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: ''اچھا خواب۔ یا فرمایا: صالح خواب۔''

تشریح: یعنی میرے بعد وحی و نبوت کا امکان نہیں ہے۔ کسی کو خدا کی جانب سے کوئی اشارہ ملے گا تو وہ اچھے خواب کے ذریعہ ملے گا۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِّنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُنْ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوئے ہیں۔ اگر میری امت میں کوئی (محدث) ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔''

تشریح: یعنی میری امت میں اگر محدث ہیں تو ان میں سے یقیناً ایک عمرؓ ہیں۔ بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں: لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَکُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ فَاِنْ یَکُنْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْھُمْ اَحَدٌ عُمَرُ ''تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ

ایسے ہوئے ہیں جن سے کلام کیا جاتا تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ میری امت میں اگر کوئی ہوا تو وہ عمرؓ ہوگا۔'' محدث اور مکلم کا مفہوم ایک ہی ہے۔ محدث یا مکلّم اسے کہیں گے جو مکالمۂ الٰہی یا مخاطبۂ الٰہی سے سرفراز ہو یا جس کے ساتھ پردۂ غیب سے گفتگو کی جائے۔ مسلم کے بعض طریق میں ملھمون کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ''محدث'' کیسا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ فرشتے ان کی زبان سے بولتے ہیں۔ علماء نے اس کے مختلف مفہوم لیے ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس کا خیال اکثر صحیح ہوتا ہے جس کے قلب میں ملائکہ مقربین کی جانب سے کوئی بات اس طرح ڈالی جائے گویا اس سے کسی نے کہہ دی ہے۔ کسی کی رائے میں محدث وہ ہے، جس کی زبان سے صدق وصواب بلاقصد نکلے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ كَذّٰبُوْنَ ثَلٰثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ (مسلم)

ترجمہ: ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

تشریح: اس حدیث میں تیس بڑے مکاروں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ نے امت کو آگاہ فرمادیا کہ نبوت آپؐ پر ختم ہے۔ آپ کے بعد نبوت کا جو بھی دعویدار ہوگا وہ جھوٹا ہوگا۔ آپؐ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ آپؐ کے بعد خدا کی طرف سے کوئی نبی نہیں آیا۔

آپؐ کی پیش گوئی کے مطابق نبوت کے جھوٹے دعویدار ضرور اٹھے مگر وہ اپنے فریب و مکر کو چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کا دجل وفریب کھل کر رہا۔ ان کے اندر نبوت کی کوئی شان نہیں پائی گئی۔

انجیل میں بیان ہوا ہے: جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمھارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم انھیں پہچان لوگے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔ (متی: ۱۵-۱۶)

آپ ؐ کے بعض امتیازی اوصاف

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ: اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا وَ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً وَ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔

(مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مجھے انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: مجھے جامع و مختصر بات کہنے کی صلاحیت عطا کی گئی۔ رعب کے ذریعہ سے مجھے نصرت عطا کی گئی۔ میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کیے گئے۔ زمین کو میرے لیے مسجد اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا، مجھے تمام دنیا کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے اپنی بعض امتیازی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے۔ اپنی پہلی خصوصیت یہ بیان کی کہ مجھے ایسی صلاحیت عطا فرمائی گئی ہے کہ میرے مختصر الفاظ نہایت جامع اور کثیر معانی کے حامل ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کے الفاظ صاف اور واضح ہیں۔ لیکن ان کی تفصیل کیجیے تو ہر تفصیل پر وہ ایسے صادق نظر آتے ہیں کہ گویا وہ اسی کے لیے وضع کیے گئے تھے۔ قرآن مجید کے بعد یہ حدیث ہی کا اعجاز ہے کہ صاف اور واضح ہونے کے باوجود اس میں حد درجہ وسعت اور جامعیت پائی جاتی ہے۔

دوسری خصوصیت یہ بیان کی کہ دشمن پر رعب ڈال کر میری مدد فرمائی گئی۔

تیسری بات آپ ؐ نے یہ فرمائی کہ اموال غنیمت میرے لیے حلال کیے گئے۔

اسلامی جنگ میں دشمن کا جو مال ہاتھ آتا ہے اسے غنیمت کہتے ہیں۔ پچھلے انبیاء کے زمانے میں اس مال کو استعمال میں لانا جائز نہیں تھا۔ لیکن اللہ نے اپنے فضل سے اموالِ غنیمت کو نبی ﷺ کی شریعت میں حلال کر دیا۔

چوتھی خصوصیت آپ ؐ نے یہ بتائی کہ میری شریعت میں نماز صرف عبادت گاہوں ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ روئے زمین پر ہر جگہ نماز ادا کی جاسکتی ہے اور اگر پانی دستیاب نہ

ہو تو وضو کے بجائے تیمّم سے کام چلایا جاسکتا ہے اور اسی طرح پانی نہ ملنے پر غسل کے بجائے بھی مٹی سے تیمّم کیا جاسکتا ہے۔

پانچویں خصوصیت یہ بتائی کہ میری بعثت تمام ہی خلقت کے لیے ہے۔ مجھے کسی خاص قوم کا نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے، میں سارے عالم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

آخری بات آپؐ نے یہ بتائی کہ میرے بعد کوئی نبوت قائم ہونے والی نہیں ہے۔ میں خدا کا آخری نبی ہوں۔ سلسلۂ نبوت مجھ پر ختم ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَا اَكْثَرُ الْاَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز نبیوں میں سب سے زیادہ تعداد میرے پیروؤں کی ہوگی اور میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھلوائے گا۔''

﴿۳﴾ وَ عَنْهُؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَا اَوَّلُ شَفِيْعٍ فِي الْجَنَّةِ لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ مَا صُدِّقْتُ وَ اِنَّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيًّا مَا صَدَّقَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ اِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سب سے پہلا شخص ہوں جو جنت میں سفارش کروں گا۔ انبیاء میں سے کسی کی اتنی تصدیق نہیں کی گئی جتنی تصدیق میری کی گئی۔ اور نبیوں میں سے ایک نبی ایسے ہیں جن کی تصدیق ان کی امت کے صرف ایک شخص نے کی ہے۔''

تشریح: یعنی میری سفارش سے بہت سے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور بہت سے لوگوں کے درجات میری سفارش سے بلند کر دیے جائیں گے۔

میری نبوت پر ایمان لانے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ایک نبی تو ایسے گزرے ہیں جن کی تصدیق ان کی امت کے صرف ایک ہی آدمی نے کی ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

وَ اَوَّلُ مَنْ یَّنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَّ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں قیامت کے روز آدمؑ کی اولاد کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلا شخص جو اپنی قبر سے اٹھے گا میں ہوں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلی میری شفاعت قبول کی جائے گی۔''

﴿۵﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا قَدْ اُعْطِیَ مِنَ الْاٰیٰتِ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَیْهِ الْبَشَرُ وَ اِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُ وَحْیًا اَوْحَی اللّٰهُ اِلَیَّ فَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَهُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نبیوں میں سے ہر ایک نبی کو معجزات میں سے اتنا ہی دیا گیا جس پر انسان ایمان لاسکے اور جو چیز مجھے بخشی گئی وہ وحی ہے جسے اللہ نے میری طرف بھیجا۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میرے پیروؤں کی تعداد تمام انبیاء (کے پیروؤں) سے زیادہ ہوگی۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کو حالاتِ زمانہ کے لحاظ سے معجزات عطا کیے گئے تھے۔ مجھے خدا نے جو خاص معجزہ عطا فرمایا ہے وہ وحی کا معجزہ ہے۔ قرآن جو وحی کے ذریعہ سے مجھ پر نازل کیا گیا ہے ایک دائمی معجزہ ہے۔ اس کے ذریعہ سے قیامت تک لوگ ہدایت پاتے رہیں گے۔ مجھے جو معجزہ عطا گیا ہے اس کا اعجاز کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید پر جس پہلو سے بھی غور کیجیے وہ ایک معجزہ ثابت ہوگا۔ زبان، اسلوب بیان، نظم کلام، مضامین و معانی، غرض جس پہلو سے بھی قرآن میں فکر و تدبر کیجیے وہ ایک معجزہ ہے۔ قرآن جیسا کلام پیش کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہے۔ انسانی ہدایت کے لیے قرآن کافی ہے۔ افکار و نظریات سے لے کر انفرادی و اجتماعی سرگرمیوں تک کے لیے قرآن کو ایک رہنما کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔

قرآن کے اعجاز کا ذکر خود قرآن میں بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا: وَمَا کَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (یونس: ۳۷-۳۸) ''اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ

اللہ کے سوا کوئی اپنی طرف سے گھڑ لائے بلکہ یہ تو جو کچھ اس سے پہلے (آچکا) ہے اس کی تصدیق اور (اللہ کی) کتاب کی تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ سارے عالم کے رب کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ کہو: اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو ایک ہی سورۃ اس طرح کی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو (اپنی مدد کے لیے) بلا لو۔''

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ اُهْلِکَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بادِ صبا کے ذریعہ سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک ہوئی۔''

تشریح: صبا وہ ہوا ہے جو مشرق سے آتی ہے اور رحمت ثابت ہوتی ہے۔ اس کے چلنے سے بارش کی امید ہوتی ہے۔ ایک ہوا وہ ہے جو قوم عاد پر چلی تھی اور پوری کی پوری قوم ہلاکت کی نذر ہو کر رہ گئی۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت آپؐ کے اور آپؐ کی امت کے ساتھ ہے۔ جس حد تک امت آپؐ کی اطاعت میں سرگرم ہوگی اسی درجہ وہ خدا کی رحمت کی مستحق قرار پائے گی۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوةِ فَاَتَیْتُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ یُصَلِّیْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ یَدِیْ عَلٰی رَاْسِیْ فَقَالَ: مَالَکَ یَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو؟ قُلْتُ حُدِّثْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّکَ قُلْتَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوةِ وَ اَنْتَ تُصَلِّیْ قَاعِدًا، قَالَ: اَجَلْ وَ لٰکِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ کر نماز پڑھنی آدھی نماز ہے (یعنی نصف ثواب ملتا ہے) میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا۔ آپؐ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے (تعجب سے) اپنا ہاتھ سر پر رکھا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا ہے اے عبداللہ بن عمر؟ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ سے کسی نے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنی آدھی نماز ہے حالانکہ آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں سچ ہے لیکن میں تم میں سے کسی ایک کے بھی مثل نہیں ہوں۔''

تشریح: یعنی مجھے یہ خصوصیت حاصل ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی میری نماز کامل ہوتی ہے اور اس کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اگر درجۂ کمال حاصل ہے تو اس کا ہر عمل کامل ہوگا خواہ کسی وجہ سے بظاہر اس کے کسی عمل میں کوئی کمی ہی کیوں نہ دکھائی دے رہی ہو۔

〈۸〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ قَالُوْا كَیْفَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ وَّ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی وَ دِیْنُهُمْ وَاحِدٌ فَلَیْسَ بَیْنَنَا نَبِیٌّ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں عیسیٰؑ ابن مریم سے دنیا اور آخرت دونوں میں سب سے زیادہ قریب ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا: کیسے یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ''انبیاء باہم علاّتی بھائی ہیں۔ ان کی مائیں الگ الگ ہیں۔ دین ان کا ایک ہے۔ اور میرے اور ان کے درمیان میں کوئی نبی نہیں ہے۔''

تشریح: علاّتی بھائی وہ ہیں جو ایک باپ کے بیٹے ہوں لیکن ان کی مائیں الگ الگ ہوں۔ تمام نبیوں کا دین ایک رہا ہے۔ تمام ہی نبیوں نے بندگیِ رب کی دعوت دی ہے۔ گرچہ شریعتوں یا شریعت کے فروع میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا ان کی مائیں الگ الگ ہیں لیکن شریعت کے اصول اور دین ان کا ایک ہے۔ اس لیے وہ باہم علاّتی بھائی ہیں۔ باپ کے ایک ہونے کی وجہ سے اگر آدمی ایک دوسرے کا علاتی بھائی قرار پاتا ہے تو دین مشترک ہونے کی وجہ سے یہ رشتہ بدرجۂ اولیٰ پایا جائے گا۔ اس لیے کہ دین کا اشتراک دنیا کے سارے اشتراک سے زیادہ قوی اور جذبات و احساسات کا حامل ہوتا ہے۔ نبی ﷺ حضرت عیسیٰؑ سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے کہ دونوں کے درمیان میں کوئی دوسرا نبی نہیں ہے۔ آپؐ اسی دینِ توحید کے حامل اور داعی ہیں جس کی دعوت حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔ حضرت مسیحؑ کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرنے والے وہ لوگ کبھی بھی حضرت مسیحؑ کے اپنے نہیں ہیں جو نام تو حضرت مسیحؑ کا لیتے ہیں لیکن انھوں نے سیدنا مسیحؑ کی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر رکھا ہے۔

غلو سے پرہیز

(۱) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍؓ قَالَ: قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَةَ وَ ھُمْ یُاَبِّرُوْنَ النَّخلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا کُنَّا نَصْنَعُهٗ قَالَ: لَعَلَّکُمْ لَوْلَمْ تَفْعَلُوْا کَانَ خَیْرًا فَتَرَکُوْهُ فَنَقَصَتْ، قَالَ: فَذَکَرُوْا ذَالِکَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ اَمْرِ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ رَأْیِیْ فَاِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ۔ (مسلم)

ترجمہ: رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ والے کھجور کی تابیر کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: ہم یونہی کرتے آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ نتیجہ میں پیداوار کم ہوگئی۔ انھوں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''میں تو بس ایک انسان ہوں۔ جب میں تمھیں تمھارے کسی دینی معاملے میں حکم دوں تو تم اسے لے لو اور جب تمھیں اپنی رائے سے کچھ بتاؤں تو بس میں ایک انسان ہوں۔''

تشریح: کھجور کی تابیر سے مراد ایک طرح کی پیوند کاری ہے۔ کھجور کے مادہ درخت کے شگوفہ میں نر کا شگوفہ رکھ دیا کرتے تھے۔ اس طرح نر و مادہ کے امتزاج سے فصل اچھی آتی تھی۔ حضورؐ نے اس عمل کے بارے میں صحابہؓ سے پوچھا تو وہ اس کے سوا کچھ نہ بتا سکے کہ ہم اسے کرتے آئے ہیں۔ آپؐ نے کچھ تذبذب کے ساتھ اسے ترک کرنے کا مشورہ دیا تو فصل کم آئی۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپؐ ایک انسان تھے۔ کوئی مافوق البشر شخصیت آپؐ کی نہیں تھی۔ اس لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ باغبانی میں آپؐ کا اندازہ صحیح ہی نکلتا۔ آپؐ باغبانی، زراعت یا اسی طرح کی دوسری صنعتی اور فنی چیزوں کی تعلیم دینے کو نہیں آئے تھے لیکن جن معاملات میں دین نے رہنمائی کی ہے ان میں آپؐ کی پیروی لازم ہے اور ان میں آپؐ کے ارشاد گرامی کی صحت میں کسی طرح کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ زندگی کے روحانی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی وغیرہ تمام ہی شعبے دین میں شامل ہیں اور آپؐ نے خدا کی طرف سے ان سب شعبوں میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ ان میں آپؐ کی ہدایات کی پیروی کرنی ہمارے لیے لازم ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ بِاُمُوۡرِ دُنۡیَاکُمۡ ’’ دنیوی معاملات میں تم زیادہ باخبر ہو۔‘‘

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابۡنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تُطۡرُوۡنِیۡ کَمَا اَطۡرَتِ النَّصَارٰی ابۡنَ مَرۡیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ فَقُوۡلُوۡا عَبۡدُ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلُہٗ۔

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کو حد سے بڑھا دیا، میں تو بس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔‘‘

تشریح: یعنی میں تو خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے اپنا رسول ضرور بنایا ہے، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مبالغہ سے کام لو اور میری طرف ان اوصاف کو منسوب کرنے لگو جو صرف خدا کے لیے مخصوص ہیں۔ نصاریٰ نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دے لیا اور انھیں بشریت سے بلند درجہ دیا۔ تم ایسا نہ کرنا کہ مجھے خدا یا خدا کا اوتار سمجھنے لگ جاؤ۔ میں خدا نہیں، محض خدا کا بندہ ہوں۔

﴿۳﴾ وَ عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ مَسۡعُوۡدٍؓ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ صَلَّی الظُّهۡرَ خَمۡسًا فَقِیۡلَ لَهٗ اَزِیۡدَ فِی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوۡا صَلَّیۡتَ خَمۡسًا فَسَجَدَ سَجۡدَتَیۡنِ بَعۡدَ مَا سَلَّمَ وَ فِیۡ رِوَایَۃٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ اَنۡسٰی کَمَا تَنۡسَوۡنَ فَاِذَا نَسِیۡتُ فَذَکِّرُوۡنِیۡ وَ اِذَا شَکَّ اَحَدُکُمۡ فِیۡ صَلٰوتِہٖ فَلۡیَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلۡیُتِمَّ عَلَیۡهِ ثُمَّ لِیُسَلِّمۡ ثُمَّ لِیَسۡجُدۡ سَجۡدَتَیۡنِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر میں (بھول سے) پانچ (رکعتیں) پڑھیں۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہوا ہے؟ فرمایا نہیں تو۔ (صحابہ نے) عرض کیا۔ آپؐ نے پانچ رکعتیں ادا فرمائیں۔ تو آپؐ نے دو سجدے کیے اس کے بعد کہ آپؐ سلام پھیر چکے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ’’ میں تم جیسا ایک انسان ہوں۔ جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں۔ تو جب میں بھولوں تو مجھے یاد دلا دو۔ اور جب تم میں

سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو تو وہ صحیح بات کو جاننے کی کوشش کرے پھر اس کے مطابق نماز پوری کرے پھر سلام پھیر دے اور دو سجدے کرے۔"

تشریح: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ بشریت کے لحاظ سے دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اُمِّ سَلْمَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّ اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَ لَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ایک انسان ہی ہوں۔ تم لوگ اپنے جھگڑے لے کر میرے پاس آتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے دلائل کو بنا سنوار کر بیان کرنے میں دوسرے سے بڑھ کر ہو اور میں (اس کے بیان سے متاثر ہو کر) جیسا اس سے سنوں اس کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو اگر میں کسی کے بھائی کے حق کا فیصلہ اس کے حق میں کر دوں تو وہ اسے ہرگز نہ لے کیونکہ جو کچھ اس فیصلہ سے اسے ملا ہے وہ اس کے لیے آگ کا ایک انگارہ ہے۔"

تشریح: یہ حدیث بھی بتاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہونے کے باوجود انسان ہی تھے۔ اس لیے آپؐ کے بارے میں غلو سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آپؐ کو کسی ایسی صفت سے متصف کرنا صحیح نہ ہوگا جس سے خدا ہی کی ذات متصف ہوسکتی ہے، جیسے عالم الغیب ہونا، قادر مطلق ہونا وغیرہ۔

آنحضرتؐ کی شانِ عبودیت

﴿۱﴾ عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ هُوَ يُصَلِّيْ وَ لِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ: رَاَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّيْ وَ فِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَآءِ۔ (احمد، نسائی، ابوداؤد)

ترجمہ: مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں

ایک بار نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپؐ نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپؐ کے سینہ سے گریہ وزاری کی آواز اس طرح نکل رہی تھی جیسے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز ہوتی ہے۔ دوسری روایت میں ہے: میں نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا اور رونے کی وجہ سے آپؐ کے سینے سے چکی کی سی آواز آ رہی تھی۔

تشریح: اس حدیث سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کو خدا کی عظمت اور اس کے جاہ و جلال کا کتنا احساس تھا اور آپؐ کا قلبِ مبارک کس قدر جذبۂ عبودیت سے معمور تھا۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ الْمُغِيرَةِؓ قَالَ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَ قَدْ غُفِرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ؟ قَالَ: اَفَلاَ اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے (نماز میں) اتنا طویل قیام فرمایا کہ آپؐ کے پیروں میں ورم آ گیا۔ اس پر آپؐ سے عرض کیا گیا کہ آپؐ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ بخشے جا چکے ہیں۔ آپؐ یہ تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ فرمایا: ’’تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔‘‘

تشریح: یعنی گرچہ میں خدا کی حفاظت میں ہوں اور اس نے میری بھول چوک کو معاف بھی فرما دیا ہے لیکن یہ تو اس کا عفو و کرم ہے۔ اس کے عفو و کرم کا تقاضا تو یہ ہے کہ بندہ اور زیادہ اس کا شکر گزار ہو اور زیادہ سے زیادہ اس کے حضور میں اپنا عجز و نیاز ظاہر کرے۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لاَ تُطْرُوْنِىْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ۔

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میری شان میں مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کی شان میں کیا۔ میں تو بس خدا کا بندہ اور اس کا ایک رسول ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔‘‘

تشریح: یعنی میری ایسی تعریف نہ کرنا کہ مجھے بندگی کی سطح سے بلند دیکھنے لگو۔ اس سے پہلے عیسائیوں نے یہ جسارت کی ہے۔ انھوں نے حضرت مسیح کی تعریف میں غلو سے کام لیا اور انھیں

خدا یا خدا کا بیٹا بنالیا، حالانکہ مسیحؑ خدا کے محض ایک برگزیدہ بندے اور پیغمبر تھے۔ مجھے تم خدا کا ایک بندہ اور اس کا رسول سمجھو۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں ہوں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُهٗ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ یَدِیْ عَلٰی بَطْنِ قَدَمَیْهِ وَ هُوَ سَاجِدٌ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ اَعُوْذُ بِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (مالک، ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو میں نے آپؐ کو تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپؐ کے قدموں کے تلووں پر پڑ گیا۔ آپؐ سجدہ میں تھے اور عرض کر رہے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ـــــ عَلٰی نَفْسِکَ "اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور عقوبت سے تیرے عفوودرگزر کی پناہ لیتا ہوں اور تیری گرفت سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ پوری طرح تیری ثناء وستائش کرنے کی مجھے قدرت نہیں ہے۔ تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حالت اور کیفیت بیان کی گئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کی عبودیت کی کیا شان تھی۔ احادیث میں آپؐ کی بہت سی دعائیں منقول ہیں جن کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپؐ عبدیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپؐ کے جذبات واحساسات عبدیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آپ کی دعائیں درحقیقت خدا کی معرفت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ یہ دعائیں بتاتی ہیں کہ آپؐ کو خدا کی ذات سے کتنی گہری اور والہانہ وابستگی تھی۔ آپؐ کا سینہ لطیف احساسات وجذبات کا خزینہ تھا۔ آپؐ پر ہمہ وقت خدا کا جلال وجمال چھایا رہتا تھا۔ خدا کے مقابلہ میں ساری کائنات کی بے بسی اور بے چارگی روز روشن کی طرح آپؐ پر عیاں تھی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا عَصَفَتِ الرِّیْحُ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَهَا وَ خَیْرَ مَا فِیْهَا وَ خَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِیْهَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَ اِذَا تَخَیَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَیَّرَ لَوْنُهٗ وَ خَرَجَ وَ

دَخَلَ وَ اَقْبَلَ وَ اَدْبَرَ فَاِذَا مُطِرَتْ سُرِّیَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذَالِکَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ یَا عَائِشَةُ کَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کا یہ حال تھا کہ جب ہوا تیز چلتی تو آپؐ عرض کرتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ـــــ وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ ''اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں بہتری اس ہوا کی اور بہتری اس کی جو کچھ کہ اس میں ہے اور بہتری اس کی جس (مقصد) کے لیے یہ بھیجی گئی ہے اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شر سے اس ہوا کے اور اس کے شر سے جو کچھ اس میں ہے اور اس کے شر سے جس (مقصد) کے لیے یہ بھیجی گئی ہے۔'' اور جب آسمان پر بادل آتا تو آپؐ کا رنگ بدل جاتا تھا اور اضطراب میں کبھی باہر آتے اور کبھی اندر جاتے۔ کبھی آگے آتے، کبھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہوجاتی تو یہ کیفیت آپؐ سے دور ہوجاتی۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کی اس حالت کو محسوس کیا تو آپؐ سے (اس کے بارے میں) پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے عائشہ! ممکن ہے یہ ابر ایسا ہی ہو جس کے بارے میں قومِ عاد نے کہا تھا جب انھوں نے ابر کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ گھٹا اٹھی ہے جو ہم پر بارش کرے گی۔''

تشریح: حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضور ﷺ کے قلب پر خدا کا خوف اور اس کی خشیت کس درجہ غالب تھی۔ ذرا بھی تیز ہوا چلتی تو آپ گھبرا جاتے اور خدا کے حضور میں دعا کرنے لگتے تھے کہ خدایا! اگر اس میں کوئی شر ہے تو ہمیں اس سے محفوظ رکھ اور اگر اس میں کوئی خیر اور بھلائی ہو تو ہم تجھ سے اس کے خواہاں ہیں، بادل دیکھتے تو آپ کا رنگ بدل جاتا۔ آپؐ کو خدا کا وہ غضب یاد آتا جو قومِ عاد پر نازل ہوا تھا۔ حضرت ہودؑ کی سرکش قومِ عاد پر عذاب ابر کی شکل میں آیا تھا۔ جب انھوں نے ابر کو اپنے علاقہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو بہت خوش ہوئے کہ بارش ہوگی حالانکہ وہ عذاب کی آندھی تھی جو تباہی لے کر آئی تھی۔

اس حدیث میں حضورؐ نے قرآن کی ایک آیت کا ٹکڑا نقل فرمایا ہے۔ آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے: بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ط رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔'' (کہنے لگے یہ گھٹا اٹھی ہے جو ہم پر بارش کرے گی) جی نہیں۔ یہ تو وہ ہے جس کی تم نے جلدی مچا رکھی تھی۔ آندھی ہے، دردناک عذاب لیے ہوئے۔'' (الاحقاف:۲۴)

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ فَزِعًا یَّخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّ رُکُوْعٍ وَّ سُجُوْدٍ مَا رَاَیْتُهٗ قَطُّ یَفْعَلُهٗ وَ قَالَ: هٰذِهِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰهُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِهٖ وَ لٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِّنْ ذَالِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِهٖ وَ دُعَائِهٖ وَ اِسْتِغْفَارِهٖ. (بخاری مسلم)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج گرہن لگا تو نبی ﷺ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے آپؐ ڈر رہے تھے کہ کہیں وہ (قیامت کی) گھڑی نہ آ گئی ہو۔ مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے لمبے قیام، رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھی کہ میں نے اتنے لمبے قیام ورکوع کرتے آپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ (نماز سے فارغ ہوکر) آپؐ نے فرمایا: ''یہ نشانیاں اللہ کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے نہیں ظاہر فرماتا بلکہ ان کے ذریعہ سے اللہ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔ جب اس قسم کی کوئی چیز دیکھو تو دوڑ پڑو اس کی یاد کی طرف اور اس سے دعا واستغفار کرنے کے لیے۔''

تشریح: آندھی، گرہن وغیرہ کے موقع پر حضور ﷺ پر خدا کی عظمت اور اس کے جلال و جبروت کا احساس حد درجہ طاری ہو جاتا تھا۔ ایسے موقعوں پر آپؐ زیادہ سے زیادہ خدا کے حضور اپنی عاجزی اور بے چارگی کا اظہار فرماتے تھے جس کا بہترین ذریعہ رکوع وسجود ہی ہو سکتے تھے۔

آپؐ نے فرمایا کہ یہ نشانیاں (سورج گرہن چاند گرہن وغیرہ) کسی کے مرنے اور جینے سے ظہور میں نہیں آتیں جیسا کہ جاہلیت کے سبب لوگ اس طرح کا گمان کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ یہ نشانیاں خدا کی عظمت اور اس کی قدرت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان نشانیوں کو دیکھ کر دلوں میں زیادہ سے زیادہ خدا کا خوف پیدا ہونا چاہیے اور اس سے اپنی فلاح و بہبودی کی درخواست کرنی چاہیے۔ ان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی اگر دل خدا کی یاد سے غافل رہ جائے اور آدمی کو توبہ و استغفار کی توفیق حاصل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ دل مردہ ہو چکا ہے۔ اس میں حقیقی حس اور زندگی باقی نہیں ہے۔ گرہن وغیرہ کو دیکھ کر عام طور سے ہماری نظر اس کے ظاہری اسباب کی طرف جاتی ہے لیکن اس سے ہم وہ سبق حاصل نہیں کرتے جو اصلاً ہمیں حاصل کرنا چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِیَّةِ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اِنَّ

الشَّمسَ وَالْقَمَرَ لاَ یَنْخسِفَانِ اِلّاَ لِموْتٍ عَظِیْمٍ مِنْ عُظمَاءِ اَھْلِ الاَرْضِ وَ اَنَّ الشَّمسَ وَالْقَمَرَ لاَ یَنْخسِفَانِ لِموْتِ اَحدٍ وَلاَ لِحَیٰوتِهٖ وَ لٰکِنَّهُمَا خَلِیْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ یُحدِثُ اللّٰهُ فِیْ خَلْقِهٖ مَاشَاءَ فَاَیُّهُمَا اِنْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰی یَنْجلِیَ اَوْ یُحدِثَ اللّٰهُ اَمرًا۔ (نسائی)

''جاہلیت میں لوگ کہتے تھے کہ چانداور سورج میں گرہن زمین کی کسی عظیم ہستی کی موت پر لگتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کو کسی کی موت سے گرہن لگتا ہے نہ پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں۔ خدا جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا جب ان میں سے کسی کو گرہن لگے تو نماز پڑھو۔ یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے یا خدا کوئی دوسرا امر ظاہر فرما دے۔''

﴿۷﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ یُدْخِلُ اَحَدًا مِّنْکُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلاَ یُجِیْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلاَ اَنَا اِلّاَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کا عمل اسے جنت میں نہیں لے جائے گا اور نہ اسے دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے ہی (میرا عمل جنت میں لے جائے گا اور نہ عذاب سے بچائے گا) مگر اللہ کی رحمت سے۔''

تشریح: آپؐ کا یہ ارشاد کہ میں بھی اپنے عمل سے نہیں بلکہ خدا کی رحمت سے ہی جنت میں داخل ہو سکوں گا۔ یہ بتاتا ہے کہ آپؐ کو اپنی عبدیت کا کس قدر احساس تھا اور آپؐ کے دل پر خدا کی عظمت اور اس کے خوف وخشیت کا کس قدر غلبہ تھا۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَکَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ: لاَ یَا رَبِّ! وَ لٰکِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا وَ اَجُوْعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْکَ وَ ذَکَرْتُکَ وَ اِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُکَ وَ شَکَرْتُکَ۔

(احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے رب نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ مکہ کی وادی کو سونا بنا دے۔ میں نے عرض کیا: نہیں اے رب! بلکہ (یہ چاہتا ہوں کہ) میں ایک دن آسودہ اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب میں بھوکا ہوں تو تیرے آگے عاجزی کروں اور تجھے یاد کروں اور جب آسودہ ہوں تو میں تیری حمد اور تیرا شکر ادا کروں۔''

تشریح: یعنی میں مال و دولت کا آرزومند نہیں ہوں بلکہ مجھے عجز و نیاز کی دولت چاہیے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تیری حمد کروں اور تیرا شکر بجالاؤں اور بے چارگی کی حالت میں تیرے آگے گڑ گڑاؤں اور تجھے یاد کروں۔

معلوم ہوا کہ آدمی کے لیے بھوک اور آسودگی دونوں نعمت ہیں۔ بشرطیکہ وہ بھوک میں خدا کے سامنے عاجزی اور تضرع اختیار کرے اور آسودگی میں خدا کی حمد کرے اور اس کا شکر ادا کرے۔ انسان کی زندگی میں قابلِ قدر شے یہی عجز و نیاز اور حمد و شکر ہے نہ کہ قارون کا خزانہ اور مال و دولت کی فراوانی اور عیش و راحت کی آسانی۔

﴿۹﴾ وَ عَنِ الْاَسْوَدِؓ قَالَ: سَاَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِيْ بَيْتِهٖ؟ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مَحْصَنَةِ اَهْلِهٖ يَعْنِيْ اَهْلِهٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (بخاری)

ترجمہ: اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: نبی ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا: ''اپنے اہلِ خانہ کی ضروریات پوری فرماتے تھے مگر جب نماز کا وقت آتا تو فوراً نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔''

تشریح: یہ خدا کی عظمت اور اس کی بزرگی کا احساس تھا کہ نماز کا وقت آجانے پر آپؐ نماز کے علاوہ کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے فوراً نماز کی تیاری کرتے تھے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ كَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذَالِكَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کی نگاہ میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا۔ اس کے باوجود جب وہ آپؐ کو دیکھتے کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات (آپؐ کو) ناپسند ہے۔

تشریح: ایک دوسری روایت ابوامامہؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ عصا کا سہارا لیے ہوئے باہر تشریف لائے، ہم آپؐ (کی تعظیم) کے لیے کھڑے ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا: لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا (ابوداؤد) ''اس طرح مت

کھڑے ہوا کرو جس طرح عجم کے لوگ کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔'' ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو وہی انداز اور طریقہ پسند تھا جس میں زیادہ سے زیادہ بندے کی عبدیت کا اظہار ہوتا ہو، جس طریقہ سے بندگی اور عبدیت کی وضع مجروح ہوتی ہوا سے آپؐ کبھی بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَلَسَ يَتَحَدَّثُ يُكْثِرُ اَنْ يَّرْفَعَ طَرْفَهٗ اِلَى السَّمَآءِ۔ (ابوداوٗد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے تو اکثر آپؐ آسمان کی طرف نظر اٹھاتے رہتے۔

تشریح: خدا سے آپؐ کو ہر وقت امید لگی رہتی۔ اس کی ہدایت کا آپؐ کو انتظار رہتا۔ خدا کی عظمت اور کبریائی کا زندہ احساس آپؐ کو حاصل تھا۔ زندگی میں جس چیز کا آپؐ سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے وہ خدا کی رضا اور اس کی خوش نودی ہی تھی۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ جَاءَ نِيْ مَلَكٌ وَ اِنَّ حُجْزَتَهٗ لَتُسَاوِي الْكَعْبَةَ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ يَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَّلِكًا فَنَظَرْتُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ فَاَشَارَ اِلَيَّ اَنْ ضَعْ نَفْسَكَ وَ فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ كَالْمُسْتَشِيْرِ لَهٗ فَاَشَارَ جِبْرَئِيْلُ بِيَدِهٖ اَنْ تَوَاضَعْ فَقُلْتُ: نَبِيًّا عَبْدًا: قَالَتْ: فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ ذَالِكَ لَا يَاْكُلُ مُتَّكِئًا يَقُوْلُ اٰكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ وَ اَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ۔

(شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ کے برابر تھی۔ اس نے کہا کہ تمھارا رب تمھیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: اگر چاہو تو بندہ پیغمبر بنو اور چاہو تو بادشاہ پیغمبر بنو۔ میں نے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ اپنے آپ کو پست کر دو۔''

__ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ (فرشتے کے الفاظ سن کر) رسول اللہ ﷺ جبریلؑ کی طرف متوجہ ہوئے گویا ان سے مشورہ طلب کیا۔ جبریلؑ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کرو __ میں نے کہا: میں بندہ پیغمبر بننا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کبھی تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ آپؐ فرماتے تھے: ''میں اس طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح غلام بیٹھتا ہے۔''

تشریح: آپؐ کے پاس جو فرشتہ آیا تھا وہ بڑا ہی دراز قد تھا۔ آپؐ نے وہ پیغمبر بننا پسند فرمایا جس کی امتیازی شان فقر و بندگی ہو۔ حضرت جبریلؑ نے بھی آپؐ کو تواضع و خاکساری اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ معلوم ہوا کہ بندے کے لیے تواضع و خاکساری ہی خدائے رب العزت کو پسند ہے۔

آپؐ کی وفات

(۱) عَنۡ عُقۡبَةَ بۡنِ عَامِرٍؓ قَالَ صَلّٰى رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى قَتۡلٰى اُحُدٍ بَعۡدَ ثَمَانِ سِنِيۡنَ كَالۡمُوَدِّعِ لِلۡاَحۡيَاءِ وَالۡاَمۡوَاتِ ثُمَّ طَلَعَ الۡمِنۡبَرَ فَقَالَ اِنِّىۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ فَرَطٌ وَ اَنَا عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدٌ وَ اِنَّ مَوۡعِدَكُمُ الۡحَوۡضُ وَ اِنِّىۡ لَاَنۡظُرُ اِلَيۡهِ وَ اَنَا فِىۡ مَقَامِىۡ هٰذَا وَ اِنِّىۡ قَدۡ اُعۡطِيۡتُ مَفَاتِيۡحَ خَزَائِنِ الۡاَرۡضِ وَ اِنِّىۡ لَسۡتُ اَخۡشٰى عَلَيۡكُمۡ اَنۡ تُشۡرِكُوۡا بَعۡدِىۡ وَ لٰكِنِّىۡ اَخۡشٰى عَلَيۡكُمُ الدُّنۡيَا اَنۡ تَنَافَسُوۡا فِيۡهَا وَ زَادَ بَعۡضُهُمۡ فَتَقۡتَتِلُوۡا فَتَهۡلِكُوۡا كَمَا هَلَكَ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے شہیدوں پر آٹھ برس کے بعد نماز پڑھی۔ گویا آپؐ زندوں اور مردوں کو رخصت فرما رہے ہیں۔ پھر آپؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: ''میں تمھارے آگے اس طرح جا رہا ہوں جیسے قافلہ کا میر ساماں روانہ ہوتا ہے۔ میں تم پر گواہ ہوں اور مقامِ وعدہ تمھارا حوض ہے اور میں اپنی اس جگہ کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔ تمھارے بارے میں مجھے اس کا تو خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو گے لیکن مجھے تمھارے بارے میں اس کا ڈر ہے کہ تم دنیا کی چاہت میں مبتلا ہو جاؤ'' __ بعض راویوں نے اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: ''پھر تم آپس میں قتال کرو اور ہلاکت میں پڑو جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے۔''

تشریح: آپؐ نے شہدائے احد پر جو نماز پڑھی بعض کے نزدیک نماز سے مراد یہاں نمازِ جنازہ ہے اور بعض کے نزدیک نماز سے مراد نماز دعا ہے۔ آپؐ نے احد کے شہیدوں کے حق پر دعا فرمائی۔

جس طرح کارواں کا میر ساماں کارواں سے آگے بڑھ کر منزل پر قافلہ کی ضروریات وغیرہ کا سامان مہیا کرتا ہے تاکہ قافلہ کے لوگ جب وہاں پہنچیں تو انھیں کسی طرح کی تکلیف نہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسی طرح میرا دنیا سے جانا بھی میر ساماں کی حیثیت سے ہے۔ میں تمھیں آخرت میں میر ساماں کی حیثیت سے ملوں گا۔ حضورؐ نے یہاں اپنے ساتھیوں اور پیروؤں کو تسلی دی ہے تاکہ وہ آپؐ کی جدائی کے جانکاہ غم کو برداشت کر سکیں۔

حضور ﷺ نے مزید فرمایا کہ میں نے حق تم تک پہنچا دیا ہے، اب میں حوض کوثر پر تمھارا انتظار کروں گا۔ تم حوض کوثر پر مجھ سے ملنے کی کوشش کرو۔

نبی ﷺ نے یہ بھی اشارہ فرمایا کہ تم پر خدا فتوحات کے دروازے کھول دے گا۔ زمین میں تمھیں اقتدار حاصل ہوگا۔ تم سے جو ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا۔ کتنی ہی سلطنتیں تمھارے زیرِ نگیں ہوں گی۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو کر رہی۔ چند سال کے اندر اندر زمین کے وسیع رقبہ پر اہلِ اسلام کا قبضہ ہو گیا۔

آپؐ نے فرمایا کہ ایسا تو نہ ہوگا کہ تم ایک مشرک قوم بن جاؤ لیکن اس کا قوی اندیشہ ہے کہ تم دنیا سے محبت کرنے لگ جاؤ اور آخرت اور اس کے تقاضوں کو بھول جاؤ۔ اور تم آپس ہی میں لڑنے لگ جاؤ اور اس طرح تمھاری جمعیت منتشر ہو کر رہ جائے اور تمھاری قوت ختم ہو جائے۔ اور تمھیں ہلاکت سے سابقہ پیش آئے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ رَحْمَةَ اُمَّةٍ مِنْ عِبَادِهٖ قَبَضَ نَبِیَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهٗ لَهَا فَرَطًا وَّ سَلَفًا بَیْنَ یَدَیْهَا وَ اِذَا اَرَادَ هَلَكَةَ اُمَّةٍ عَذَّبَهَا وَ نَبِیُّهَا حَیٌّ فَاَهْلَكَهَا وَ هُوَ یَنْظُرُ فَاَقَرَّ عَیْنَیْهِ بِهَلَكَتِهَا حِیْنَ كَذَّبُوْهُ وَ عَصَوْا اَمْرَهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے نبی کو اس قوم سے پہلے وفات دیتا ہے اور اسے

اس قوم کا میر منزل اور پیش رو قرار دیتا ہے اور جب وہ امت کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے نبی کی زندگی ہی میں اس کو عذاب دیتا ہے اور نبی کی نگاہوں کے سامنے ہی اسے مٹا دیتا ہے تا کہ اس کو ہلاک کر کے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشے جبکہ اس نے نبی کو جھٹلایا اور اس کی نافرمانی کی ہے۔''

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اَحَدِکُمْ یَوْمٌ وَلَا یَرَانِیْ ثُمَّ لَاَنْ یَّرَانِیْ اَحَبُّ اِلَیْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ مَعَهُمْ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے! تم میں سے ہر ایک پر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ مجھے نہ دیکھے گا۔ پھر اسے میرا دیکھنا اپنے اہل وعیال اور مال سے بڑھ کر عزیز ہوگا۔''

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: لَمَّا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ دَخَلَ فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِیْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا کُلُّ شَیْءٍ فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ اَظْلَمَ مِنْهَا کُلُّ شَیْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَیْدِیَنَا عَنِ التُّرَابِ وَ اَنَا لَفِیْ دَفْنِهٖ حَتّٰی اَنْکَرْنَا قُلُوْبَنَا۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپؐ کی تشریف آوری سے ہر چیز روشن ہوگئی۔ پھر جب وہ دن آیا جب آپؐ نے وفات پائی تو ہر چیز تاریک ہوگئی۔ اور ہم ابھی آپؐ کی تدفین میں ہی لگے تھے، اپنے ہاتھوں کی مٹی کو جھاڑا ابھی نہ تھا کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلہ ہوا، اجنبی پایا۔

تشریح: یعنی ہمارے دلوں کی وہ حالت باقی نہ رہی جو آپؐ کی صحبت اور آپؐ کی موجودگی میں رہتی تھی۔ آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد ہم کتنے ہی فیوض و برکات سے محروم ہوگئے۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ ایک روشنی ہم سے چھن گئی۔ اب ہر چیز ہمیں تاریکی میں ڈوبی ہوئی نظر آتی تھی۔ ایک وہ دن بھی تھا جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تھے اور آپؐ کی آمد سے ہر چیز روشن و تاباں نظر آتی تھی۔ آپؐ تشریف لے گئے تو ہر چیز پر اداسی اور ویرانی چھا گئی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِیْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِیْرًا وَلَا اَوْصٰی بِشَیْءٍ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد نہ تو کوئی دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ کوئی بکری اور نہ اونٹ اور نہ آپؐ نے کسی چیز کی وصیت فرمائی۔

تشریح: اس سے بڑھ کر آپؐ کے ایک سچے رسول ہونے کی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا میں آپؐ نے نہ تو اپنے لیے کوئی جائداد بنائی اور نہ کوئی محل تعمیر کرایا۔ دنیا میں مسافرانہ آئے اور یہاں سے مسافرانہ تشریف لے گئے۔ زندگی میں جس چیز کی طرف آپؐ کی توجہ رہی وہ یہ کہ خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ ہو اور خدا کی خوشنودی و رضا طلبی میں کوئی قصور نہ ہو۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ۔

(بخاری مسلم)

ترجمہ: ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔''

تشریح: یعنی نبیوں اور رسولوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ یہ بات شانِ نبوت سے فروتر ہے کہ انبیاء اپنی اولاد کے لیے سرمایہ و مال جمع کر جائیں۔ ان کی تگ و دو اور سعی و جہد ساری ہی امت کے لیے ہوتی ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ عُبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَائِشَۃَؓ زَوْجَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَخْبَرَتْہُ اَنَّھَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ وَ ھُوَ مُسْتَنِدٌ اِلٰی صَدْرِھَا وَاَصْغَتْ اِلَیْہِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَ اَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔

(مؤطا امام مالک)

ترجمہ: ہشام بن عروہ، عباد بن عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی عائشہؓ نے خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی وفات سے پہلے فرماتے سنا جب کہ آپؐ ان کے سینے سے تکیہ لگائے ہوئے تھے اور وہ آپؐ کی جانب متوجہ تھیں: ''خدایا مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا۔''

تشریح: رفیق اعلیٰ سے مراد انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے جس کا قیام اعلیٰ علّیین میں ہے۔ دیکھیے سورۃ التطفیف آیت ۱۸-۱۹ ''علّیین'' کا مطلب بہت ہی اونچے لوگ۔ یہاں اس سے مراد ان کا مقام ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رفیق اعلیٰ خدا تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہی الفاظ تھے: ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔'' (بخاری، مسلم)

آپ ؐ کے صحابہ ؓ

﴿۱﴾ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ اُمَّتِىْ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَّشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَ يَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَ يُنْذِرُوْنَ وَلَا يَفُوْنَ وَ يَظْهَرُ فِيْهِمُ السَّمَنُ وَ فِىْ رِوَايَةٍ وَ يَحْلِفُوْنَ وَلَا يُسْتَحْلَفُوْنَ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے متصل و پیوستہ ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں۔ پھر ان کے بعد وہ لوگ ہوں گے جو بلا مانگے گواہی دیں گے اور خیانت کریں گے۔ ان کی امانت و دیانت پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا۔ نذر مانیں گے لیکن اسے پوری نہیں کریں گے اور ان میں فربہی ظاہر ہوگی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ بلا قسم کھلائے قسم کھائیں گے۔''

تشریح: اس حدیث سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت اور بزرگی ظاہر ہوتی ہے۔ صحابہ ؓ کو حضور ﷺ کا زمانہ حاصل ہوا۔ یہ بڑی سعادت ہے جو انھیں حاصل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے، آپ ؐ نے فرمایا: اَكْرِمُوْا اَصْحَابِىْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَظْهَرُ الْكَذِبُ۔ ''میرے اصحاب کی تعظیم و تکریم کرو کیونکہ وہ تم میں سب سے بہترین لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں۔ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔'' (نسائی) یعنی اکثریت ایسے لوگوں کی ہوگی جو دیانت، شرافت، انسانیت اور احساسِ ذمہ داری سے بالکل خالی ہوں گے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ اَصْحَابِىْ فِىْ اُمَّتِىْ كَالْمِلْحِ فِى الطَّعَامِ، لَا يُصْلِحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ۔ (شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے درمیان صحابہ ؓ کھانے میں نمک کے مانند ہیں۔ نمک کے بغیر کھانا طبیعت کے موافق ٹھیک (خوش ذائقہ) نہیں ہوتا۔''

تشریح: اس حدیث سے بھی صحابہؓ کی بڑی بزرگی اور عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر نمک نہ ہو تو کھانا بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ نمک بہت سی مضرتوں کا دافع اور مصلح بھی ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین امت کے لیے نشانِ راہ اور اس کی رونق و جمال ہیں۔ ان ہی کی پیروی میں امت کی زندگی اور اصلاح کا راز مضمر ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ںِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَّا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو۔ اس لیے کہ اگر کوئی تم میں سے احد کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہؓ کے ایک مد یا نصف مد کو بھی نہیں پا سکتا۔''

تشریح: مد ایک پیمانہ ہے جس میں سیر بھر جو آتا ہے۔ اہلِ ایمان پر واجب ہے کہ وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا احترام کریں اور کوئی برا کلمہ ان کی شان میں استعمال نہ کریں۔ صحابہؓ اور خاص طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ کا مرتبہ و مقام انتہائی بلند ہے۔ کوئی شخص اگر کوہ احد کے برابر سونا خدا کی راہ میں صدقہ کر دے تو اس کا یہ صدقہ صحابہؓ کے ایک یا نصف مد صدقہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ صحابہؓ کو جس درجہ کا ایمان و اخلاص حاصل تھا وہ دوسرے کو کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ خدا کی نگاہ میں اصل قابل قدر چیز آدمی کا ایمان اور اس کا اخلاص ہی ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی شَرِّکُمْ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو: تمھارے شر (اس برے فعل) پر خدا کی لعنت ہو۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ صحابہؓ سے بغض و عناد رکھنا یا انھیں برا کہنا کسی شر سے کم نہیں۔ یہ قابلِ لعنت فعل ہے۔ جس سے احتراز لازم ہے۔ صحابہؓ کی تعظیم اور ان کا احترام ہمارے لیے ضروری ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَکْرٍ وَ اَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ وَ اَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ وَ اَفْرَضُھُمْ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ اَقْرَءُ ھُمْ

اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ وَ اَعْلَمُھُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَ لِکُلِّ اُمَّةٍ اَمِیْنٌ وَ اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَیْدَةَ ابْنُ الْجَرَّاحِ۔ (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکرؓ ہیں اور امرِ خداوندی میں سب سے زیادہ سخت عمرؓ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ سچے حیادار عثمانؓ ہیں۔ علمِ وراثت کا سب سے بڑھ کر عالم زید بن ثابتؓ، سب سے بڑھ کر قاری ابی بن کعبؓ اور حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبلؓ ہیں۔ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراحؓ ہیں۔''

تشریح: اس حدیث میں حضور ﷺ کے بعض مخصوص صحابہؓ کی خصوصیات بیان ہوئی ہیں۔ رحمت ہو یا حیاوشرم یا امانت و دیانت یا علوم و مسائلِ دین ہوں، ان سب کی اسلامی سوسائٹی میں اہمیت ہے۔ اخلاقی اور علمی و عملی اوصاف سے امت کے افراد آراستہ ہوں، اس کی ضرورت پہلے بھی تھی اور ہمارے دور میں بھی اس کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر دین کا قیام اور اس پر عمل ممکن نہیں ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِی الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَ عَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ وَالطَّلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ وَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ وَ سَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ وَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِی الْجَنَّةِ۔

(ترمذی)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکرؓ جنت میں ہیں، عمرؓ جنت میں ہیں، عثمانؓ جنت میں ہیں، علیؓ جنت میں ہیں۔ طلحہؓ جنت میں ہیں، زبیرؓ جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنت میں ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ جنت میں ہیں، سعید بن زیدؓ جنت میں ہیں اور ابوعبیدہ بن جراحؓ جنت میں ہیں۔''

تشریح: ان دس اصحاب کو حضور ﷺ نے دنیا میں بشارت دے دی کہ یہ باغِ بہشت میں داخل ہوں گے۔ اس حدیث کی بناء پر ان مخصوص صحابہؓ کو عشرۂ مبشرہ کا لقب دیا گیا ہے۔ ان

بزرگوں کو خدا کی اطاعت اور بندگی کا ایسا بلند مقام حاصل تھا کہ جنت کی بشارت پانے کے بعد بھی یہ کبھی خدا سے بے خوف نہیں ہوئے اور نہ کبھی اپنی ذمہ داریوں کی طرف سے غفلت برتی۔ خدا کی عظمت اور اس کے رسول کی جو محبت ان کے دلوں میں بس گئی تھی وہ کبھی نکل نہ سکی۔ یہ حضرات زندگی کے راز اور اس کی حقیقت کو پا چکے تھے۔ راہ حق کے سوا ان کی کوئی دوسری راہ کیسے ہو سکتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ پر تو ایسی خشیت طاری ہوتی تھی اور وہ ایسی آہیں بھرتے تھے کہ ان کا لقب ہی ''اَوَّاہٌ مُّنِیبٌ'' (بہت آہیں بھرنے والا) پڑ گیا تھا۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ اِلٰی ثَلٰثَةٍ عَلِیٍّ وَ عَمَّارٍ وَ سَلْمَانَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے: علیؓ، عمارؓ، اور سلمانؓ کی۔''

﴿۸﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِسْتَقْرِءُ وا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ سَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ وَ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار آدمیوں سے قرآن سیکھو یعنی عبداللہ بن مسعودؓ، سالم مولیٰ ابوحذیفہؓ، ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ سے۔''

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اٰیَةُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَ اٰیَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کی علامت انصار سے محبت اور نفاق کی علامت انصار سے بغض و دشمنی ہے۔''

تشریح: انصار نے نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کو اس وقت قبول کیا جب اہل مکہ اس کا انکار کر چکے تھے۔ انصار نے آپؐ کو اور آپؐ پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو اپنے یہاں جگہ دی اور ہر طرح سے ان کی مدد کی جبکہ اہلِ مکہ نے مسلمانوں کی زندگی دوبھر کر دی تھی اور ان کی دشمنی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ حضور ﷺ کو جان سے ختم کر دینے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے جا

رہے تھے۔ انصار کی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی محبت کو ایمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنے کو نفاق قرار دیا جاتا ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: اَتٰی جِبْرَئِیْلُ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذِهٖ خَدِیْجَةُ قَدْ اَتَتْ مَعَهَا اِنَآءٌ فِیْهِ اِدَامٌ اَوْ طَعَامٌ فَاِذَا اَتَتْکَ فَاقْرَأْ عَلَیْهَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّهَا وَ مِنِّیْ وَ بَشِّرْهَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبٌ فِیْهِ وَلَا نَصَبٌ۔

(بخاری مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبریلؑ نبی ﷺ کے پاس آئے تو کہا: ''یا رسول اللہ! یہ خدیجہؓ آ رہی ہیں۔ ان کے ساتھ برتن ہے جس میں سالن یا کھانا ہے۔ جب وہ آپؐ کے پاس آ جائیں تو آپؐ انھیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیئے اور میری طرف سے بھی۔ اور انھیں ایک موتی کے محل کی بشارت دیجیے جو جنت میں (ان کے لیے) ہوگا جس میں نہ تو شور وغل ہوگا اور نہ رنج وتعب۔''

تشریح: حضور ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کی فضیلت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ انھیں حضرت جبریلؑ ہی کا نہیں خدا کا بھی سلام آیا ہے۔

حضرت خدیجہؓ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ وہ دنیا کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے ہرگز افسردہ نہ ہوں۔ یہ ساری پریشانیاں ختم ہو جانے والی ہیں۔ خدا انھیں جنت کے ایک ایسے محل میں جگہ دے گا جس میں کسی طرح کا ہنگامہ اور شور وشر نہ ہوگا اور نہ وہاں کسی قسم کے رنج ومشقت کا گزر ہو سکے گا۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: حَسْبُکَ مِنْ نِّسَآءِ الْعَالَمِیْنَ مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَؓ وَ خَدِیْجَةُ بِنْتُ خُوَیْلِدٍؓ وَ فَاطِمَةُؓ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَ اٰسِیَةُؓ اِمْرَاَةُ فِرْعَوْنَ۔

(ترمذی)

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سارے عالم کی عورتوں میں صرف ان کے فضائل جان لینا تمھارے لیے کافی ہے: مریم بنت عمرانؓ، خدیجہ بنت خویلدؓ، فاطمہؓ بنت محمدؐ اور آسیہ فرعون کی بیوی۔''

تشریح: دنیا میں یوں تو کتنی ہی بزرگ خواتین گزری ہیں جن کی زندگیاں انتہائی روشن اور تابناک تھیں۔ ان میں سے یہ چار خواتین جن کے بارے میں مستند معلومات ہم تک پہنچی ہیں بہت ہیں بشرطیکہ ہم ان کی زندگیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیں۔ حضرت مریمؑ اور حضرت آسیہؓ کے بارے میں قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا ہے: وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۟ (التحریم:۱۱-۱۲) ''اللہ ایمان لانے والوں کے لیے فرعون کی بیوی کو مثال میں پیش کرتا ہے۔ جب اس نے کہا: اے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور نجات دے مجھے ظالم لوگوں سے اور عمران کی بیٹی مریم کو (مثال میں پیش کرتا ہے) جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت اور فروتنی کرنے والوں میں سے تھی۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَؓ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا عَائِشُ! هٰذَا جِبْرَئِيْلُ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ قَالَتْ: وَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ هُوَ يَرٰى مَالَا اَرٰى۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) فرمایا: ''اے عائشہ! یہ جبرئیلؑ ہیں، تمھیں سلام کہہ رہے ہیں۔'' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: ''وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔'' وہ کہتی ہیں کہ آپؐ وہ کچھ دیکھتے تھے جو میں نہ دیکھتی تھی۔''

تشریح: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ خدا کے رسول تھے۔ آپ عالم غیب کی کتنی ہی چیزیں دیکھتے تھے جن کو میں نہیں دیکھ پاتی تھی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا بھی درجہ انتہائی بلند تھا۔ حضرت جبرئیلؑ تک انھیں سلام کہتے تھے۔ وہ لوگ کتنے نادان ہیں جو ایسی بزرگ اور قابلِ احترام خاتون سے جسے امت کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے، دشمنی رکھتے ہیں اور ان کی شان میں ناموزوں کلمات استعمال کرتے ہیں۔

〈۱۳〉 وَ عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اُرِیْتُ الْجَنَّةَ فَرَاَیْتُ اِمْرَاَةَ اَبِیْ طَلْحَةَ وَ سَمِعْتُ خَشْخَشَةً اَمَامِیْ فَاِذَا بِلَالٌ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے جنت دکھائی گئی۔ میں نے وہاں ابوطلحہؓ کی بیوی کو دیکھا اور اپنے آگے میں نے قدموں کی آہٹ سنی، دیکھا تو بلالؓ تھے۔“

تشریح: اصحاب رسول اور صحابیات کی فضیلت میں روایات کثرت سے ملتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر یہاں چند روایتیں پیش کی گئی ہیں۔

آپؐ کی امت

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی کَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَاْجَرَ قَوْمًا یَعْمَلُوْنَ لَهٗ عَمَلاً اِلَی اللَّیْلِ عَلٰی اَجْرٍ مَعْلُوْمٍ فَعَمِلُوْا لَهٗ اِلٰی نِصْفِ النَّهَارِ فَقَالُوْا لَا حَاجَةَ لَنَا اِلٰی اَجْرِکَ الَّذِیْ شَرَطْتَ لَنَا وَمَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ۔ فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا اَکْمِلُوْا بَقِیَّةَ عَمَلِکُمْ وَ خُذُوْا اَجْرَکُمْ کَامِلاً فَاَبَوْا وَ تَرَکُوْا وَاسْتَاْجَرَ اٰخَرِیْنَ بَعْدَهُمْ فَقَالَ اَکْمِلُوْا بَقِیَّةَ یَوْمِکُمْ هٰذَا وَ لَکُمُ الَّذِیْ شَرَطْتُ لَهُمْ مِنَ الْاَجْرِ فَعَمِلُوْا حَتّٰی اِذَا کَانَ حِیْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَالُوْا لَکَ مَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ وَلَکَ الْاَجْرُ الَّذِیْ جَعَلْتَ لَنَا فِیْهِ، فَقَالَ اَکْمِلُوْا بَقِیَّةَ عَمَلِکُمْ فَاِنَّمَا بَقِیَ مِنَ النَّهَارِ شَیْئٌ یَسِیْرٌ فَاَبَوْا فَاسْتَاْجَرَ قَوْمًا یَعْمَلُوْنَ بَقِیَّةَ یَوْمِهِمْ فَعَمِلُوْا فَاسْتَکْمَلُوْا اَجْرًا لِّفَرِیْقَیْنِ کُلِّهَا فَذَالِکَ مَثَلُهُمْ مَا قَبِلُوْا مِنْ هٰذَا النُّوْرِ۔ (بخاری)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک قوم کو متعین مزدوری پر رات تک کے لیے ایک کام پر لگایا۔ انھوں نے دوپہر تک اس کا کام کیا۔ پھر کہنے لگے کہ ہمیں تمھاری مزدوری کی حاجت نہیں جو تم نے ہمارے لیے مقرر کی تھی اور ہم نے جو کام کیا وہ اکارت ہوا۔ اس نے کہا: ایسا نہ کرو۔ اپنا باقی کام پورا کرلو اور اپنی پوری مزدوری لے لو۔ انھوں نے انکار کیا اور چھوڑ گئے۔ اس نے ان

کے بعد دوسرے لوگوں کو مزدوری پر لگایا اور کہا کہ تم باقی دن پورا کردو۔ جو مزدوری میں نے ان کے لیے مقرر کی تھی وہ تمھیں ملے گی۔ انھوں نے کام کیا یہاں تک کہ نمازِ عصر کا وقت ہوا تو بولے: ہم نے تمھارا جو کام کیا وہ اکارت ہوا۔ اور تم نے جو مزدوری ہمارے لیے مقرر کی تھی وہ ہم نے تجھے چھوڑ دی۔ اس نے کہا: تم اپنا کام پورا کردو۔ بس اب تو بہت تھوڑا دن رہ گیا ہے انھوں نے انکار کیا۔ پھر اس نے دوسرے لوگوں کو مزدوری پر لگایا جو باقی دن کام کریں۔ انھوں نے کام کیا اور دونوں گروہوں کی پوری مزدوری لی۔ یہ ہے تمثیل ان کی اور مثال اس نور کی جس کو انھوں نے قبول کیا۔''

تشریح: اس تمثیل میں امت مسلمہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے خود اپنے آپ کو خدا کی رحمتوں سے محروم کرلیا۔ یہود و نصاریٰ جب خدا کی رحمت اور فکر آخرت سے بے پروا ہوگئے تو خدا نے انھیں معزول کر کے امتِ مسلمہ کو منصبِ امامت پر فائز فرمایا اور آخرت کا اجرو ثواب بھی اسے بخشا گیا۔ یہود و نصاریٰ جنھوں نے نافرمانی اور بغاوت کی روش اختیار کی ان کے لیے آخرت میں کوئی اجرو ثواب نہیں بلکہ وہ الٹے گرفتار عذاب ہوں گے۔

امت مسلمہ کے لیے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے مقابلہ میں دہرا اجر ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الحدید:۲۸-۲۹) ''اے ایمان والو! اللہ کا ڈر رکھو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ! وہ تمھیں اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تمھارے لیے ایک روشنی کردے گا جس کے ساتھ تم چلو پھروگے اور تمھیں بخش دے گا۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ یہ اس لیے کہ کتاب والے جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

انجیل کی تمثیل میں بھی اس کی طرف کھلا اشارہ ملتا ہے۔ دیکھیے متی ۲۰:۱-۱۶۔

﴿۲﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّمَا اَجَلُكُمْ فِيْ اَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْاُمَمِ مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَ اِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَ مَثَلُ الْيَهُوْدِ

وَالنَّصَارٰی کَرَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ عُمَّالاً، فَقَالَ: مَنْ یَّعْمَلُ لِیْ اِلٰی نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْیَهُوْدُ اِلٰی نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ۔ ثُمَّ قَالَ مَنْ یَّعْمَلُ لِیْ نِصْفَ النَّهَارِ اِلٰی صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰی مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰی صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ۔ ثُمَّ قَالَ مَنْ یَّعْمَلُ لِیْ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰی قِیْرَاطَیْنِ قِیْرَاطَیْنِ؟ اَلاَ فَاَنْتُمُ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغْرِبِ الشَّمْسِ اَلاَ لَکُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ فَغَضِبَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی، فَقَالُوْا: نَحْنُ اَکْثَرُ عَمَلاً وَ اَقَلُّ عَطَاءً قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: فَهَلْ ظَلَمْتُکُمْ مِنْ حَقِّکُمْ شَیْئًا؟ قَالُوْا: لاَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: فَاِنَّهٗ فَضْلِیْ اُعْطِیْهِ مَنْ شِئْتُ۔ (بخاری)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’دوسری امتوں کی مدت اور عمر کے مقابلہ میں تمھاری عمر و مدت اتنی ہے جتنا سارے دن کے مقابلہ میں نماز عصر سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے اور تمھاری تمثیل اور یہود و نصاریٰ کی تمثیل بس ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے کچھ مزدوروں کو کام پر لگایا اور کہا کہ کون دو پہر تک ایک ایک قیراط (ایک سکہ) کی اجرت پر میرا کام کرے گا؟ تو یہود نے کام کیا، پھر اس نے کہا کہ کون دوپہر سے نماز عصر تک ایک ایک قیراط کی اجرت پر میرا کام کرے گا؟ تو نصاریٰ نے کام کیا، پھر کہا کہ کون ہے جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو دو قیراط کی اجرت پر میرا کام کرے گا؟ جان لو کہ یہ تم (مسلم لوگ) ہو جنھوں نے نماز عصر سے غروب آفتاب تک کام کیا۔ سن لو تمھارے لیے دوہرا اجر ہے۔ اس پر یہود و نصاریٰ غضب ناک ہوئے اور کہا کہ ہمارا کام زیادہ ہے اور ملا کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تم پر ظلم کیا ہے کہ تمھارے حق میں کوئی کمی کی ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر تو یہ میرا فضل ہے، جسے چاہے دوں۔‘‘

تشریح: یہود و نصاریٰ کی ناراضی پر فرمایا: یہ تو میرا فضل و کرم ہے کہ میں نے امت مسلمہ کے لیے زیادہ اجر و ثواب رکھا ہے۔ تمھارے ساتھ میں نے کوئی بے انصافی تو نہیں کی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آخری دور جس کے بعد قیامت ہی آنے والی ہے پچھلے دور کے

مقابلہ میں کوئی زیادہ طویل نہیں ہے، بلکہ اس کی مدت ایسی ہی مختصر ہے جیسے پورے دن کے مقابلہ میں عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اُوْتِیَ اَھْلُ التَّوْرٰۃِ تَوْرَاتَہٗ فَعَمِلُوْا بِھَا حَتّٰی انْتَصَفَ النَّھَارُ ثُمَّ عَجَزُوْا فَاُعْطُوْا قِیْرَاطًا قِیْرَاطًا ثُمَّ اُوْتِیَ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ الْاِنْجِیْلَ فَعَمِلُوْا بِہٖ حَتّٰی صُلِّیَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ عَجَزُوْا فَاُعْطُوْا قِیْرَاطًا قِیْرَاطًا ثُمَّ اُوْتِیْتُمُ الْقُرْاٰنَ فَعَمِلْتُمْ بِہٖ حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاُعْطِیْتُمْ قِیْرَاطَیْنِ۔ ''اہلِ توارات کو تورات دی گئی تو انھوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ دوپہر کا وقت آ گیا۔ پھر وہ لوگ عاجز ہو گئے تو انھیں ایک ایک قیراط ملا۔ پھر اہلِ انجیل کو انجیل عطا ہوئی۔ ان لوگوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھی گئی پھر وہ عاجز ہو گئے تو انھیں بھی ایک ایک قیراط ملا۔ پھر تمھیں قرآن دیا گیا۔ تم لوگوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا تو تم لوگوں کو دو دو قیراط ملے۔''

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا حال بارش جیسا ہے، جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر اچھا ہے۔''

تشریح: یوں تو قرنِ اول کو دوسرے قرون کے مقابلہ میں بزرگی اور فضیلت حاصل ہے۔ لیکن دورِ آخر میں بھی امت مسلمہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کا شمار خدا کے مقرب ترین بندوں میں ہوگا اور وہ اسلام کی عظیم خدمت انجام دیں گے جیسا کہ آگے کی حدیث سے ظاہر ہے۔ خدا کے ایسے صادق و مخلص بندے اپنے دور کی آبرو ہوں گے۔

اس حدیث میں متاخرین کی تسلی فرمائی گئی ہے کہ انھیں اس کا غم نہ ہونا چاہیے کہ وہ دورِ اول میں کیوں نہیں پیدا ہوئے۔ اسلام کی تاریخ میں دَورِ آخر کو بھی بعض حیثیتوں سے اہمیت حاصل ہوگی۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِیِّ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَوْمٌ لَھُمْ مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِھِمْ یَاْمُرُوْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقَاتِلُوْنَ اَهْلَ الْفِتَنِ۔ (بیہقی)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن علاء حضرمی کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی اس شخص نے جس نے اسے نبی ﷺ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: ”اس امت کے آخر میں ایک قوم ہوگی، ان کا اجر و ثواب ان کے پہلے لوگوں کے اجر و ثواب جیسا ہوگا۔ وہ لوگوں کو معروف کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور فتنہ پرداز لوگوں سے لڑیں گے۔“

تشریح: یعنی ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ لوگوں کو بھلائی اور خیر کی طرف بلائیں گے اور انھیں برائی سے روکیں گے اور باطل قوتوں سے نبرد آزما ہوں گے۔ جس طرح تاریکی اور روشنی میں مصالحت ممکن نہیں ٹھیک اسی طرح اہل باطل اور فتنہ پرداز لوگوں سے ان کی بھی مصالحت نہ ہو سکے گی۔ انھیں باطل کے آگے جھکایا نہ جا سکے گا۔ وہ باطل سے ٹکرائیں گے اور زمین کو فتنہ و فساد اور ظلم و طغیان سے پاک کرنے کی کوشش کریں گے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَىُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَيْكُمْ اِيْمَانًا؟ قَالُوْا: اَلْمَلٰٓئِكَةُ، قَالَ: وَمَا لَهُمْ لاَ يُؤْمِنُوْنَ وَ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ، قَالُوْا: فَالنَّبِيُّوْنَ قَالَ: وَمَالَهُمْ لاَ يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْىُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ، قَالُوْا: فَنَحْنُ قَالَ: وَمَالَكُمْ لاَ تُؤْمِنُوْنَ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَىَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَّكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِىْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا۔ (بیہقی)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا: ایمان کے اعتبار سے مخلوق میں تمھیں کون سب سے زیادہ پسند ہے؟ عرض کیا: فرشتے، فرمایا: وہ آخر کیوں ایمان نہ لاتے جبکہ وہ اپنے رب کے قریب رہتے ہیں۔ عرض کیا: پھر ہم نبیوں کو بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: وہ آخر کیوں ایمان نہ لاتے جبکہ ان پر وحی آتی ہے۔ عرض کیا: پھر ہم اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تم آخر کیوں ایمان نہ لاتے جبکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے نزدیک ایمان کے اعتبار سے وہ لوگ سب سے بہتر ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ وہ

مصحف کو پائیں گے جس میں احکام درج ہوں گے اور وہ ان پر ایمان لائیں گے۔"

تشریح: متاخرین نے حضور ﷺ کو نہیں دیکھا پھر بھی وہ آپؐ پر اور آپؐ کی لائی ہوئی کتاب پر ایمان لائیں گے اور آپؐ کے دیے ہوئے احکام کو تسلیم کریں گے، اس حیثیت سے ان کے ایمان ویقین کی بڑی اہمیت ہے۔ اس حدیث میں متاخرین کی بڑی تسلی فرمائی گئی ہے کہ ان کے ایمان اور عمل کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ رَاٰنِیْ بِاَهْلِهٖ وَ مَالِهٖ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں مجھ سے شدید محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش مجھے دیکھتا اور اپنے اہل وعیال اور اپنے مال کو فدا کرتا۔"

تشریح: آج ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی سے معمولی مسلمان کو بھی حضور ﷺ کی زیارت دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مَالِکِ نِ الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَجَارَکُمُ اللّٰهُ مِنْ ثَلَاثِ خِلَالٍ اَنْ لَّا یَدْعُوَ عَلَیْکُمْ نَبِیُّکُمْ فَتَهْلِکُوْا جَمِیْعًا وَ اَنْ لَّا یُظْهِرَ اللّٰهُ اَهْلَ الْبَاطِلِ عَلٰی اَهْلِ الْحَقِّ وَ اَنْ لَّا تَجْتَمِعُوْا عَلٰی ضَلَالَةٍ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے تمھیں تین چیزوں سے امان بخشی ہے: یہ کہ تمھارا نبی تم پر بددعا نہ کرے کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ اور یہ کہ اہلِ باطل اہلِ حق پر غالب نہ ہوں اور یہ کہ تم گمراہی پر جمع نہ ہو۔"

تشریح: یعنی تمھیں تین خصوصیات حاصل ہیں۔ تمھارا نبی نہ تو تمھاری ہلاکت کی دعا کرے گا اور نہ اہلِ باطل کبھی دلائل سے تمھارے عقائد ونظریات اور تمھارے دین و مذہب کو شکست دے سکیں گے۔ اگر حق کے لیے باطل قوتوں سے تمھاری جنگ ہوگی تو انجام کار فتح و کامرانی تمھارے ہی حصہ میں آئے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمھیں ایمان کی قوت حاصل ہو اور تمھاری جنگ واقعتہً خدا کی راہ میں ہو اور تم خدا کی بخشی ہوئی قوت وصلاحیت سے پورا پورا کام لو ایسا کبھی نہ ہوگا کہ

ساری کی ساری امت گمراہی میں مبتلا ہوجائے۔ بڑے بڑے فتنہ وفساد کے دور میں بھی امت کا کوئی نہ کوئی طبقہ حق پرضرور قائم رہے گا۔

〈۸〉 وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ مَرْحُوْمَۃٌ لَیْسَ عَلَیْھَا عَذَابٌ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابُھَا فِی الدُّنْیَا اَلْفِتَنُ وَ الزَّلَازِلُ وَ الْقَتْلُ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت، امت مرحومہ ہے۔آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا۔ دنیا میں اس کا عذاب فتنہ وفساد، زلزلے اور قتل ہے۔''

تشریح: یعنی اس امت پر خدا کی خاص رحمت وعنایت ہے۔ اس امت کو آخرت کے عذاب سے حتی الامکان بچایا جائے گا۔ گناہوں اور غلطیوں کی پاداش میں اسے دنیا ہی میں قتل، زلزلے اور فتنہ وفساد وغیرہ کی شکل میں سزا مل جائے گی۔ اس کی آخرت زیادہ سے زیادہ خوشتر شکل میں سامنے آئے گی۔ آخرت میں اسے عذاب نہ ہوگا۔ یہ بات مجموعی اعتبار سے فرمائی گئی ہے ورنہ اس امت کے کتنے ہی افراد اپنے ناسزا کاموں کے سبب اس دن گرفتارِ مصیبت ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ آخر میں انھیں عذاب سے نجات حاصل ہوجائے گی اور وہ جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔

〈۹〉 وَ عَنِ الْمُغِیْرَۃِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا یَزَالُ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاھِرِیْنَ حَتّٰی یَاْتِیَھُمْ اَمْرُ اللّٰہِ وَ ھُمْ ظَاھِرُوْنَ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ قائم اور غالب رہے گا یہاں تک کہ امرِ خداوندی آپہنچے گا اور وہ غالب ہی رہیں گے۔''

تشریح: یعنی اہل حق کا یہ گروہ آخر تک حق وصداقت پر قائم رہے گا۔ کوئی طاقت اسے حق سے برگشتہ نہ کرسکے گی۔

〈۱۰〉 وَ عَنْ مُعَاوِیَۃَؓ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَ ھُمْ عَلٰی ذٰالِکَ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''میری امت میں ایک

جماعت ہمیشہ حکمِ الٰہی پر قائم رہے گی۔ اس کا نہ وہ شخص کچھ بگاڑ سکے گا جو اس کی تائید و اعانت چھوڑ دے گا اور نہ وہ شخص جو اس کی مخالفت کرے گا یہاں تک کہ امر خداوندی پہنچے گا اور وہ اسی حالت پر ہوگی۔"

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَ نَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اِنِّيْ قَائِلٌ قَوْلاً غَيْرَ فَخْرٍ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَ مُوْسٰى صَفِيُّ اللّٰهِ وَ اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَ مَعِيَ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِيْ فِيْ اُمَّتِيْ وَ اَجَارَهُمْ مِنْ ثَلٰثٍ لاَ يَعُمُّهُمْ بِسَنَةٍ وَّلاَ يَسْتَاْصِلُهُمْ عَدُوٌّ وَلاَ يَجْمَعُهُمْ عَلٰى ضَلاَلَةٍ۔ (دارمی)

ترجمہ: عمرو بن قیسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہم آخر میں ہیں لیکن قیامت کے دن ہم سابق و اول ہیں۔ اور میں ایک بات کہتا ہوں لیکن فخر کے طور پر نہیں۔ ابراہیمؑ خدا کے خلیل ہیں۔ موسیٰؑ خدا کے برگزیدہ ہیں اور میں خدا کا حبیب ہوں۔ اور قیامت کے دن میرے ساتھ حمد کا علم ہوگا۔ اور خدا نے مجھ سے میری امت کے سلسلہ میں وعدہ فرمایا ہے اور میری امت کو خدا نے تین چیزوں سے امان بخشی ہے: اسے عام قحط میں ہلاک نہ کرے گا اور نہ دشمن اس کا استیصال کر سکے گا اور نہ ساری امت گمراہی پر جمع ہوگی۔"

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے اپنی کچھ خصوصیات اور امتیازات کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اگرچہ دنیا میں ہمارا دور سب سے آخر میں ہے لیکن آخرت میں ہمیں سب پر اولیت اور فضیلت حاصل ہوگی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں اور حضرت موسیٰؑ خدا کے برگزیدہ ہیں تو میں حبیب اللہ ہوں۔ یعنی اللہ نے مجھے خلت، اصطفاء وغیرہ تمام ہی اوصاف کا جامع بنایا ہے۔ (آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری)

پھر آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن بھی مجھے خاص امتیاز اور شہرت عطا فرمائے گا۔

ایسا کبھی نہ ہوگا کہ میری تمام امت قحط میں مبتلا ہو کر ہلاکت سے دو چار ہو اور نہ کسی دشمن کو اس کا استیصال کرنے میں کبھی کامیابی ہو سکے گی۔ میری امت کو صفحۂ ہستی سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ میری امت صفحۂ ہستی پر نقشِ حق کے مانند ہے۔ اسے مٹانا ممکن نہیں۔ میری امت کو

قیامت تک دنیا میں زندہ رہنا ہے اور دنیا کے لیے روشنی کا مینار بننا ہے۔ اس مینار کی عدم موجودگی میں تو قیامت ہی آجائے گی۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُضِيْفٌ ظَهْرَهٗ اِلٰى قُبَّةٍ مِنْ اَدَمٍ يَمَانٍ اِذْ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا رُبْعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوْا: بَلٰى، قَالَ: اَفَلَمْ تَرْضَوْا اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوْا: بَلٰى، قَالَ: فَوَ الَّذِىْ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنِّىْ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا نِصْفَ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ یمانی چمڑے کے ایک خیمے سے اپنی پیٹھ لگائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہلِ جنت کا چوتھائی حصہ تم پر مشتمل ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: کیا تم لوگ اس پر راضی نہیں ہو کہ تم اہلِ جنت کا تہائی حصہ ہو؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، ہم راضی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، مجھے امید ہے کہ اہل جنت کا نصف حصہ تم ہو گے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ جنت میں سب سے زیادہ تعداد نبی ﷺ کے پیروؤں کی ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ ایک مقام پر اترے اور فرمایا: مَا اَنْتُمْ جُزْءٌ مِنْ مِائَةِ اَلْفِ جُزْءٍ مِمَّنْ يَرِدُ عَلَى الْحَوْضِ۔ (تم ان لوگوں کا لاکھواں حصہ نہیں ہو جو (آخرت میں) میرے حوض پر آئیں گے)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں آدھے تم لوگ ہوگے اور اس کی وجہ میں تمھیں بتائے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے: مَا الْمُسْلِمُوْنَ فِى الْكُفَّارِ اِلَّا كَشَعْرَةٍ بَيْضَاءَ فِىْ ثَوْرٍ اَسْوَدَ اَوْ كَشَعْرَةٍ سَوْدَاءَ فِىْ ثَوْرٍ اَبْيَضَ۔ ''مسلمان کافروں میں اس طرح ہیں جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل میں یا ایک سیاہ بال سفید بیل میں ہو۔'' (مسلم) یعنی دنیا میں کافروں کی تعداد کثیر ہے جس کی وجہ سے اہل جنت کم ہوں گے اور اس امت کے لوگ اہل جنت کی کل تعداد کا آدھا حصہ ہو جائیں گے۔ اگر اہل جنت کثرت سے ہوتے تو ان کا نصف حصہ اس ایک امت سے ہونا قیاس سے بعید ہوتا۔

آپؐ کی کچھ پیشین گوئیاں

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَّ یُمْسِیْ كَافِرًا وَّ یُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَّ یُصْبِحُ كَافِرًا یَبِیْعُ دِیْنَهٗ بِعَرْضٍ مِنَ الدُّنْیَا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اعمال میں جلدی کرو اس فتنہ سے پیشتر جو تاریک رات کے ٹکڑے کی طرح ہوگا۔ آدمی صبح کو ایک مومن کی حیثیت سے اٹھے گا اور شام کو کافر ہوگا اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا وہ اپنے دین کو متاعِ دنیا پر بیچ دے گا۔“

تشریح: یعنی ایک دور انتہائی فتنہ و آزمائش کا آنے والا ہے۔ اس لیے جتنی جلدی ہو سکے اچھے اعمال کا سرمایہ جمع کر لینا چاہیے۔ اس فتنہ کے زمانے میں اپنے ایمان کو سلامت رکھنا کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ لوگوں کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنے دین و ایمان کو دنیوی مفاد کے پیشِ نظر خیر باد کہہ دیں گے۔ ایمان کی قدر و قیمت کا احساس رخصت ہو جائے گا۔ اس فتنہ کے زمانہ میں جو لوگ دین پر قائم رہیں گے ان کے لیے بے حساب اجر و ثواب ہوگا۔ حضرت معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْعِبَادَةُ فِی الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ اِلَیَّ۔ (مسلم) ”فتنے کے زمانہ کی عبادت کو میری طرف ہجرت کرنے کا درجہ حاصل ہے۔“

﴿۲﴾ وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّیْنَ وَ اِذَا وُضِعَ السَّیْفُ فِیْ اُمَّتِیْ لَمْ یُرْفَعْ عَنْهُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

(ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں جن لوگوں سے اپنی امت کے لیے ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے ائمہ ہیں اور جب میری امت میں تلوار چل جائے گی تو پھر قیامت کے دن تک رکنے کی نہیں۔“

تشریح: امت کے حق میں سب سے بڑا فتنہ گمراہ کرنے والے اور غلط راہ پر لے جانے والے ائمہ اور اہلِ اقتدار ہی ہیں۔ حضور ﷺ کے ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ امتِ مسلمہ اس ہولناک فتنہ سے دوچار ہوگی۔ اس امت میں باہمی جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہوگا۔

اہلِ ایمان کی قوتیں باہمی نزاع اور کشمکش میں صرف ہوں گی۔ ان کے درمیان تلوار چلے گی اور اس مصیبت سے آخر تک نجات نہ مل سکے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حرف بحرف پورا ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں سب سے پہلے تلوار نکلی تو پھر وہ رُک نہ سکی۔ اُمت کی داستان ایک المناک داستان بن کر رہی۔ کتنے ہی کربلا و جنگِ جمل اس امت کے حصہ میں آئے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: هَلَکَ کِسْریٰ فَلاَ یَکُوْنُ کِسْریٰ بَعْدَهٗ وَ قَیْصَرُ لَیَهْلِکَنَّ ثُمَّ لاَ یَکُوْنُ قَیْصَرُ بَعْدَهٗ وَ لَتُقْسَمَنَّ کُنُوْزُهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ سَمَّی الْحَرْبَ خُدْعَةً۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسریٰ (شاہ فارس) ہلاک ہوگا اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر (شاہ روم) بھی ہلاک ہو کر رہے گا پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور ان دونوں کے خزانے راہِ خدا میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ اور آپؐ نے جنگ کا نام فریب رکھا۔''

تشریح: حضورؐ نے جو بات فرمائی تھی وہی ہوئی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں فارس اور روم فتح ہو کر رہا اور ان کے خزانے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور راہِ خدا میں صرف ہوئے۔ یہاں نمونے کے طور پر صرف چند پیشین گوئیوں کا ذکر کیا گیا ورنہ آپؐ کی پیشین گوئیاں بے شمار ہیں جنھیں احادیث کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً: جنگ بدر کے موقع پر آپؐ جب بدر میں مقیم ہوئے تو آپؐ زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے تھے کہ یہاں فلاں (مشرک) مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ (سب اسی جگہ مارے گئے جہاں ان کے مارے جانے کی آپؐ نے پیشین گوئی کی تھی) ان میں سے کوئی نہ تھا جو آپؐ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں الگ گرا ہو۔ (مسلم بروایت انسؓ)

آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: اَلاَ وَ اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یُّعْبَدَ فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا اَبَدًا۔ ''خبردار شیطان ہمیشہ کے لیے اس بات سے مایوس ہو گیا کہ تمھارے اس شہر میں اس کی عبادت کی جائے۔'' (ابن ماجہ، ترمذی) مطلب یہ تھا کہ اب ایسا نہ ہوگا کہ مکہ میں بت پرستی ہو اور شرک و کفر پھیلے۔ یہ اور اسی طرح کی بے شمار پیشین گوئیاں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ آپؐ خدا کے رسول تھے اور آئندہ پیش ہونے والی باتوں کی خبر آپؐ نے وحی الٰہی کی روشنی میں

دی۔ اگر آپؐ نبوت کے جھوٹے مدعی ہوتے تو آپؐ اس طرح کی پیشین گوئی ہرگز نہ کرتے کیونکہ یہ بات عقل مندی کے بالکل خلاف تھی کہ کوئی شخص خواہ مخواہ اٹکل سے پیشین گوئیاں کرنے لگ جائے اور اس بات کو بھول جائے کہ اس کی پیشین گوئیوں میں اگر کوئی غلط ثابت ہوئی تو اس سے خود اس کی نبوت کی تردید ہو جائے گی اور اٹکل سے کی ہوئی پیشین گوئیوں میں غلطی کے امکانات ہی زیادہ رہتے ہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُتْبَةَ رضؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: تَغْزُوْنَ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ فَارِسَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الرُّوْمَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الدَّجَّالَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت نافع بن عتبہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم (میرے بعد) جزیرۂ عرب سے لڑو گے، اللہ تمھیں اس پر فتح دے گا۔ پھر تم فارس سے لڑو گے، اللہ اس پر بھی تمھیں فتح بخشے گا۔ پھر تم روم سے جنگ کرو گے، خدا اس پر بھی تمھیں فتح یاب کرے گا۔ پھر تم دجال سے لڑو گے اور اس پر اللہ تمھیں فتح عنایت فرمائے گا۔“

تشریح: دجال کے سلسلہ میں دیکھیے۔ علاماتِ قیامت کے سلسلہ کی حدیث نمبر ۱۰۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضؓ عَنْ حُذَيْفَةَ رضؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ۔ (احمد، البیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں نبوت اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نبوت کو اٹھا لے گا اور اس کے بعد نبوت کے طریقہ پر خلافت قائم ہوگی۔ جب تک اللہ چاہے گا رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھا لے گا پھر اس کے بعد بد اطوار بادشاہت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ

اس کو بھی اٹھالے گا، پھر جبر کی حکومت ہوگی اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھالے گا اور پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت قائم ہوگی، پھر آپؐ خاموش ہوگئے۔''

تشریح: اس حدیث میں جن ادوار کا تذکرہ ہے ان میں سے دورِ نبوت، خلافت، بادشاہت کا دَور گزر چکا۔ اس وقت جبر کی حکمرانی ہے۔ اب اس کے بعد خلافت علیٰ منہاج نبوت کی باری ہے۔ دنیا نے سارے ہی نظاموں اور ازموں کی ناکامی کو دیکھ لیا۔ اس وقت دنیا موت اور ہلاکت کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ اگر اسے زندگی اور اپنے مسائل کا حل مطلوب ہے تو اسے لازماً اسلام کی طرف پلٹنا ہوگا۔ سیدنا مسیحؑ کے زمانے میں اسلام کو غلبہ حاصل ہی ہوگا جیسا کہ احادیث میں اس کی پوری صراحت موجود ہے۔ لیکن اس سے پہلے بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام ممکن ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ اس امکان کی تردید نہیں کرتے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُوْشِکُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَی الْاَكِلَةُ اِلٰی قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ: وَ مِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَ لٰكِنَّكُمْ غُثَآءٌ كَغُثَاءِ السَّبِيْلِ وَ لَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.

(ابوداؤد، البیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جس طرح کھانا کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح عنقریب ایسا ہوگا کہ (دشمن) قومیں تم پر ٹوٹ پڑیں گی۔'' ایک پوچھنے والے نے کہا: کیا ایسا ہماری قلتِ تعداد کے سبب ہوگا؟ فرمایا: ''نہیں، بلکہ اس وقت تم بہت زیادہ ہوگے لیکن تم ایسے (بے حیثیت) ہوگے جیسے سیلاب کے جھاگ سے ملے ہوئے خس وخاشاک ہوتے ہیں۔ تمھارے دشمنوں کے دلوں سے تمھارا رعب اٹھ جائے گا اور تمھارے دلوں میں ''وہن'' (ضعف وسستی) کی بیماری پیدا ہوجائے گی۔'' ایک پوچھنے والے نے عرض کیا: یارسول اللہ ''وہن'' کیا ہے؟ فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔''

تشریح: اس حدیث میں جس دَور کا تذکرہ فرمایا گیا ہے وہ شاید یہی دور ہے جس میں آج ہم

سانس لے رہے ہیں۔ آج دنیا میں مسلمان کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں لیکن دشمنوں کے دلوں سے ان کی ہیبت نکل چکی ہے۔ وہ انھیں اپنا لقمۂ تر سمجھتے ہیں۔ امریکہ کے اشارے پر اسرائیل کا عرب ممالک پر حالیہ حملہ اس کی واضح مثال ہے۔ ہمارے انتشار اور پسپائی کا اصل سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہماری ایمانی قوت زوال سے دو چار ہے۔ ہمارے اندر وہ ایمانی بصیرت بھی نہیں رہی جو قومی زندگی کے ہر موڑ پر اور بدلے ہوئے زمانہ کے مختلف حالات میں ہماری رہنمائی کرتی اور ہمیں ہماری اصل ذمہ داریوں سے آگاہ کرتی ہے۔

﴿۷﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ: دَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ مَکَّۃَ یَوْمَ الْفَتْحِ وَحَوْلَ الْبَیْتِ سِتُّوْنَ وَ ثَلٰثُ مِاۃِ نُصُبٍ فَجَعَلَ یَطْعَنُھَا بِعُوْدٍ فِیْ یَدِہٖ وَ یَقُوْلُ: جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے گرد و پیش تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کو مارتے ہوئے فرمایا: ”حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ حق آیا اور باطل اب نہ آئے گا وہ دوبارہ واپس نہیں ہوگا۔“

تشریح: صدیاں گزر گئیں بیت اللہ میں پھر کبھی بتوں کی پرستش نہیں ہوئی۔ اتنے اطمینان و یقین کے ساتھ مستقبل کی خبر ایک پیغمبر ہی دے سکتا تھا۔ عام مصلح یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے بعد کیا حالات پیش آئیں گے اور مقدس مقام کے ساتھ لوگوں کی روش کیا ہوگی۔ آپؐ کی ایسی کتنی ہی پیش گوئیاں ہیں جو آپؐ کی صداقت کا بین ثبوت ہیں۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یَزَالُ اَھْلُ الْغَرْبِ ظَاھِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ڈول والے ہمیشہ (قیامت تک) حق پر قائم رہیں گے۔“

تشریح: ڈول والوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ اس سلسلہ میں کئی باتیں کہی گئی ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ اس سے انصار یا عرب والے مراد ہیں جو اپنے کھیتوں کی آبپاشی ڈول اور چرسوں سے کرتے تھے اس لیے کہ ان کے یہاں دریا نہیں ہیں۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اَيِسَ اَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَ لٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''شیطان اس سے تو نا امید ہو گیا ہے کہ نماز ادا کرنے والے جزیرۂ (جزیرہ نمائے) عرب میں اس کی پرستش کریں لیکن وہ انھیں باہم ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرے گا۔''

تشریح: آپؐ کی وفات کے بعد اہل عرب نے شرک نہیں کیا البتہ ان میں فتنے اٹھے اور وہ باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہوئے۔ یہ پیش گوئی آپؐ کی نبوت کی ایک واضح دلیل ہے۔

❦

کتاب پر ایمان

اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل کیں۔ خدا کی آخری کتاب قرآن مجید ہے جو خدا کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ قرآن اپنے الفاظ اور معانی دونوں پہلوؤں سے خدا کا کلام ہے۔ یہ کتاب رسولِ خدا ﷺ کی اپنی تصنیف ہرگز نہیں ہے۔ رسول کا کام تو یہ ہے کہ وہ ایک امانت دار کی طرح اس کتاب کو جو خدا کی طرف سے اس کے دل پر القاء ہوئی ہو خدا کے بندوں تک پہنچائے اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ خدا کی بخشی ہوئی بصیرت اور فہم سے اس کتاب کے معانی اور مطالب بیان کرے اور اپنی پاکیزہ تعلیم اور سیرت کے ذریعہ سے لوگوں کے افکار و خیالات کو درست کرے۔ ان کے اخلاق کی اصلاح کرے اور ان کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کرے اور انھیں ایک بہترین گروہ اور امت بنائے ایسا گروہ جس کے سبب دنیا میں بھلائی پھیلے اور برائی کا خاتمہ ہو۔

تورات، انجیل، زبور وغیرہ خدا کی طرف سے بہت سی کتابیں اتریں لیکن ان میں سے کتنی کتابیں ہیں جو بالکل معدوم ہو چکی ہیں۔ جو کتابیں آج پائی جاتی ہیں ان میں قرآن کے سوا کوئی کتاب اپنے اصلی الفاظ اور معانی کے ساتھ محفوظ نہیں ہے۔ ان میں کلام الٰہی کے ساتھ انسانی کلام بھی شامل ہو گیا ہے۔ لوگوں نے ان میں بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دی ہیں اور کتنی ہی باتوں کو لوگوں نے بدل کر رکھ دیا ہے۔ اب یہ تمیز کرنا بہت ہی دشوار ہے کہ ان میں کتنا حق اور کتنا باطل ہے۔ قرآن کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ اپنے انھی الفاظ و معانی کے ساتھ موجود ہے جن الفاظ و معانی کے ساتھ خدا کے آخری رسولؐ نے اسے دنیا کے سامنے پیش فرمایا تھا۔ اس کتاب کی زبان کو آج بھی دنیا میں ایک زندہ زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی زبان کو بولنے

اور سمجھنے والے کروڑوں کی تعداد میں دنیا میں موجود ہیں۔ یہ کتاب آسمانی ہدایات کا آخری اور جدید ایڈیشن ہے جس میں قیامت تک کے لیے اور دنیا کے سارے انسانوں کے لیے ہدایت کا سامان موجود ہے۔ اس کتاب کے بعد کسی اور کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہدایت پانے اور خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے جن باتوں کی ضرورت تھی وہ سبھی باتیں اس میں بیان کردی گئی ہیں۔ اس کتاب میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو پچھلی کتابوں اور صحیفوں میں الگ الگ تھیں۔ قرآن کو فکرواعتقاد کی صحیح رہنمائی اور عملی زندگی کے لیے مکمل ضابطۂ حیات اور واجب الاتباع قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ جس نے اس کتاب کو نظرانداز کردیا اس نے اپنا رشتہ سرچشمۂ حیات سے منقطع کرلیا۔

قرآن انسانوں کو جس دین کی طرف دعوت دیتا ہے وہی انسان کا حقیقی اور فطری مذہب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے لوگوں کو ان کی عقل و بصیرت کی راہ سے دعوت دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس نے ان کی فطرت سے اپیل کی ہے۔ اس نے فطرتِ انسانی کے اندر موجود حقائق سے لوگوں کو باخبر کیا ہے۔ اس نے انسان کو اس کی حقیقی فطرت اور اس کے تقاضے یاد دلائے ہیں اسی لیے وہ اپنے آپ کو ذکر و تبصرہ کے نام سے پیش کرتا ہے۔ پھر وہ علم و یقین اور فکر و نظر کے لیے ایسی محکم بنیاد فراہم کرتا ہے جسے شکوک و شبہات کبھی متزلزل نہیں کرسکتے، اس پہلو سے وہ ہدیٰ اور تبیان، حق اور برہان ہے اور ہمارے لیے بصائر اور نور ہے۔

قرآن اور وحی الٰہی کے ذریعہ سے ہی انسان کو حقیقی حیات حاصل ہوتی ہے۔ وہی ہماری ابدی زندگی کا ذریعہ ہے۔ اسی سے ہمیں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے جو ہماری زندگی کا راستہ ہے۔ وحی الٰہی وہ پاکیزہ رزق ہے جس سے ہماری روحانی حیات وابستہ ہے۔ چنانچہ عیسیٰؑ کے صحیفہ میں ہے: ''انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔'' (متی ۴:۴) حضرت موسیٰؑ کا ارشاد ہے: ''آدمی صرف روٹی ہی سے نہیں جیتا بلکہ جو کچھ خداوند کے منھ سے نکلتا ہے اس سے زندگی پاتا ہے۔'' (تثنیہ ۸:۳) حضرت مسیحؑ کی دعا ہے: ''ہماری روز کی روٹی ہمیں روز دیا کر۔'' (لوقا ۱۱:۳)

قرآن کریم میں بھی اس کا اظہار کیا گیا ہے کہ وحی و ہدایتِ خداوندی کی حیثیت ''رزق حسن'' کی ہے: قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَ رَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا (ہود:۸۸) ''(شعیبؑ نے) کہا: اے میری قوم: دیکھو تو، اگر میں اپنے رب کی کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے ''رزقِ حسن'' عطا کیا ہے (تو پھر میں کیسے تمھاری خواہشات کی پیروی کرسکتا ہوں؟)'' اس رزق سے محرومی بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔

ایمان بالکتاب

﴿۱﴾ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَ يُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا۔ (بخاری)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب عبرانی میں تورات کی تلاوت کرتے اور مسلمانوں کے لیے عربی میں اس کی تشریح کرتے تھے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور کہو اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا۔'' ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل فرمائی گئی۔''

تشریح: آپؐ نے جس آیت کے پڑھنے کی تعلیم فرمائی، پوری آیت یوں ہے: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ:۱۳۶) ''کہو: ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئی اور جو دوسرے سبھی نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ملتی رہی ہے۔ ہم ان کے بیچ کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے مسلم (تابعِ فرمان) ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے پچھلے انبیاء پر بھی کتابیں اتری ہیں اور مسلمان اللہ کی طرف سے آئی ہوئی تمام ہی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن آج اہلِ کتاب جو کچھ تورات کے نام سے پیش کرتے ہیں اس کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی کتنی باتیں

واقعتاً تورات کی ہیں اور کتنی لوگوں کی اپنی طرف سے تصنیف کی ہوئی ہیں۔ آسمانی کتابیں آج اپنی صحیح شکل میں محفوظ نہیں ہیں اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اہل کتاب کتابِ الٰہی کے نام سے جو کچھ پیش کرتے ہیں ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے اور نہ ان کی تردید کرنی چاہیے۔ البتہ جن باتوں کی تصدیق قرآن سے ہوتی ہے ان کی تصدیق کی جائے گی اور جن باتوں کا غلط ہونا قرآن سے ثابت ہوتا ہے انھیں غلط قرار دیا جائے گا۔

قرآن کی عظمت

﴿۱﴾ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ نبی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”تم میں بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور اسے سکھایا۔“

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَ یَتَدَارَسُوْنَہٗ فِیْمَا بَیْنَھُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَ غَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَ حَفَّتْھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَ ذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ وَ مَنْ بَطَّأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ نَسَبُہٗ۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کبھی لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہو کر قرآن کی تلاوت کرتے اور اسے باہم پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور خدا کی رحمت انھیں ڈھک لیتی ہے اور فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس والوں میں کرتا ہے۔ اور جس شخص کا عمل اسے پیچھے کر دے اُس کا نسب اُسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔“

تشریح: سکینت سے مراد دل کا اطمینان اور سکون ہے۔ قرآن کی تلاوت میں یہ روحانی تاثیر موجود ہے کہ اس سے دلوں میں اطمینان (Conviction) اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں۔ شیطان کی دراندازیوں سے آدمی کو پناہ مل جاتی ہے۔ قرآن ایک ایسی روشنی ہے جس سے دل کے تمام گوشے روشن ہو جاتے ہیں۔ تیرگی اور ظلمت کا نام ونشان باقی نہیں رہتا۔

دل کا اضطراب رفع ہو جاتا ہے۔ ایمان میں جلا اور پختگی آ جاتی ہے۔ پھر آدمی کو حق کے راستہ میں جان تک دینے میں کوئی جھجک نہیں ہوتی۔ خدا کی راہ میں چلنے میں ہی اس کے دل کو سکون اور ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ خدا کے یہاں جس چیز کی اصل اہمیت ہے وہ یہ ہے کہ آدمی نے حق اور صداقت کو پہچان لینے کے بعد کہاں تک اسے اپنی زندگی میں اختیار کیا اور کہاں تک اس کے تقاضے پورے کیے، جو عملی تقاضوں سے غافل رہا وہ آخرت میں محض اس بنیاد پر بلند مرتبہ حاصل نہ کر سکے گا کہ اس کا جنم ایک اونچے اور مقدس خاندان میں ہوا تھا اس لیے آدمی کو نسلی شرافت پر بھروسہ کرنے کے بجائے زیادہ سے زیادہ توجہ عمل کی طرف دینی چاہیے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَیْهِ الْبَشَرُ وَ اِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُ وَحْیًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَیَّ وَ اَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَهُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ (بخاری، مسلم، احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر ایک نبی کو کچھ معجزات عطا کیے گئے جن کے مطابق لوگ ان پر ایمان لائے۔ میرا معجزہ جو مجھے عطا ہوا وحی ہے جسے خدا نے میری طرف بھیجا ہے اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میرے پیرو تمام نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔''

تشریح: پچھلے نبیوں کو اللہ نے مختلف معجزات عطا فرمائے تھے۔ ان معجزات سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ اسی خدا کے بھیجے ہوئے رسول یا نبی ہیں جس کی ساری کائنات پر حکمرانی اور فرماں روائی ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا کیے گئے لیکن آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ قرآن اپنے مضامین، اپنے اسلوبِ بیان، اپنی فصاحت و بلاغت، ہر پہلو سے معجزہ ہے۔ قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جسے دیکھ کر قیامت تک لوگ متاثر ہوتے رہیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو تمام انبیاء کے پیروؤں سے زیادہ ہوں گے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ فِیْ صَلٰوتِهٖ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰهِ وَ اَحْسَنُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (نسائی)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں تشہد کے بعد کہا کرتے تھے ''اَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰهِ وَ اَحْسَنُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم'' (سب سے اچھا کلام خدا کا کلام ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ و سیرت ہے)۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَزَلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٌ وَّ حَرَامٌ وَّ مُحْکَمٌ وَّ مُتَشَابِهٌ وَ اَمْثَالٌ فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ وَ حَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْکَمِ وَ اٰمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ۔ (مصابیح-بیہقی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”قرآن پانچ قسم کی باتوں پر نازل ہوا ہے۔ حلال وحرام، محکم ومتشابہ، امثال۔ توتم حلال کوحلال جانو، حرام کوحرام سمجھو۔ محکم پرعمل کرو، متشابہ پرایمان لاؤاورامثال سے عبرت حاصل کرو۔“

تشریح: یعنی قرآن میں پانچ قسم کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ حلال وحرام چیزوں کی وضاحت کے علاوہ قرآن کی آیات محکم ہیں جن کامفہوم بالکل واضح ہے، جن میں وہ سبھی باتیں صاف طور پر بتا دی گئی ہیں جن کی طرف دعوت دینے کے لیے قرآن نازل ہوا ہے۔ مثلاً ایمانیات اور بنیادی عقائد کی باتیں۔ بھلائی کیا ہے اور برائی کسے کہتے ہیں؟ حق کیا ہے؟ باطل کیا ہے؟ ان کے علاوہ وہ تمام باتیں جن کا تعلق معاملات اور ہماری معاشرتی زندگی سے ہے۔

پھر قرآن نے متشابہ سے بھی آگاہ کردیا ہے جن کی حیثیت محکم کی نہیں ہے۔ انسان کی ہدایت کے لیے متشابہات کی نہیں ضرورت محکمات کی ہے۔ جن میں کسی قسم کے شبہات کی گنجائش نہ پائی جائے یہ خصوصیت امت مسلمہ ہی کو حاصل ہے کہ قرآن نے اسے محکمات سے آگاہی بخشی ہے۔ دوسری قوموں کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے۔ ان کا دین گڈمڈ ہوکر رہ گیا ہے۔ جس پر پورا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ ہدایت کے لیے ضرورت ہے ایسی تعلیمات اور نظریات اور عقائد کی ہے جن میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہ پایا جاتا ہو۔

پھر قرآن میں امثال بھی پیش کیے گئے ہیں۔ امثال سے مراد تمثیلات اور پچھلی قوموں کے واقعات ہیں۔ جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں جن میں ہمارے لیے نصیحت اور عبرت کا سامان موجود ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ وَاثِلَةَؓ رَفَعَهٗ اُعْطِیْتُ مَکَانَ التَّوْرَاةِ السَّبْعَ وَاُعْطِیْتُ مَکَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِیْنَ وَ اُعْطِیْتُ مَکَانَ الْاِنْجِیْلِ الْمَثَانِیَ وَ فُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ۔ (احمد والکبیر)

ترجمہ: واثلہؓ نے نبی ﷺ سے نقل کیا ہے: ”مجھے تورات کے بدلے میں سبع طِوال ملی ہیں اور زبور کے بدلے میں مئین اور انجیل کے بدلہ میں مثانی اور مفصل میرے ساتھ مخصوص ہیں۔“

تشریح: قرآن مجید کی ابتدائی سات سورتیں طِوال کہلاتی ہیں۔اس کے بعد گیارہ سورتیں مئین کہلاتی ہیں اور اس کے بعد کی بیس سورتیں مثانی۔اس کے بعد ختم قرآن تک مفصل ہے۔بعض سورتوں میں اختلاف بھی ہے کہ یہ طوال میں داخل ہیں یا مئین میں شامل ہیں۔اس طرح بعض سورتوں کے بارے میں یہ اختلاف بھی پایا جاتا ہے کہ وہ مثانی ہیں یا مفصل۔مطلب یہ ہے کہ جس قدر کتبِ سماویہ پہلے نازل ہوئی ہیں،قرآن ان سب کی نظیر ومثال کا جامع ہے۔اس کے علاوہ مفصل اس قرآن کے لیے مخصوص ہے۔اس کی مثال پہلی کتابوں میں نہیں ملتی۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ: رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَ طَعْمُهَا طَیِّبٌ، وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لاَ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لاَ رِیْحَ لَهَا وَ طَعْمُهَا حُلْوٌ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ، وَ طَعْمُهَا مُرٌّ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ لاَ یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَیْسَ لَهَا رِیْحٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ۔

(بخاری،مسلم،نسائی،ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال ترنج (میٹھے لیمو) کی طرح ہے۔اس کی مہک بھی اچھی اور اس کا مزہ بھی اچھا ہے۔اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی طرح ہے کہ اس میں مہک نہیں ہوتی لیکن اس کا مزہ شیریں ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان (نازبو) کی طرح ہے کہ اس کی مہک تو اچھی ہے مگر اس کا مزہ کڑوا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا حنظل کی سی ہے جس میں کوئی بو نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو مومن قرآن پڑھتا ہے وہ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی خوبیوں سے آراستہ ہے۔جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کے ظاہر میں ایک بڑی کمی اور نقص پایا جاتا ہے لیکن اس کے باطن کو بے رونق نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ ایمان اس کے اندر موجود ہے۔منافق کے پاس ظاہر ہوتا ہے مگر باطن نہیں ہوتا۔وہ پڑھنے کو قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے مگر اس کے دل میں نفاق کا روگ موجود ہوتا ہے۔ایسا منافق جو قرآن نہیں پڑھتا اس کا نہ ظاہر اچھا ہوتا ہے اور نہ باطنی خوبیاں ہی اس کے پاس ہوتی ہیں۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا. (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صاحبِ قرآن سے (قیامت کے روز) کہا جائے گا کہ پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ اور اسی طرح سنبھال سنبھال کر (قرآن) پڑھو جس طرح سے دنیا میں سنبھال سنبھال کر پڑھتے تھے اس لیے کہ تمھارا مقام تمھاری تلاوت کی آخری آیت پر ہوگا۔''

تشریح: صاحبِ قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن پڑھتا اور اسے اپنی زندگی کا رہنما بناتا ہے۔ اپنی زندگی کو قرآن کے مطابق ڈھالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

قیامت کے روز صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن کی تلاوت کرو اور اس کے مطابق تمھارے درجات بلند ہوتے جائیں گے۔ قرآن کی ہر آیت انسان کے درجات بلند کرنے کی موجب ہے۔ آدمی اگر واقعی شعور اور حضورِ قلب کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرے تو دنیا کی زندگی میں ہی وہ فکر و عمل کے لحاظ سے بلند ہوتا جاتا ہے۔ فکر اور اخلاق کے اعتبار سے جو بلندی اور رفعت دنیا کی زندگی میں حاصل ہوتی ہے اس کا کامل اظہار آخرت کی زندگی میں ہوگا۔

﴿۹﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ وَ لٰكِنْ اَقُوْلُ اَلِفٌ حَرْفٌ وَ لَامٌ حَرْفٌ وَ مِيْمٌ حَرْفٌ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھے اسے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکی کے برابر ہوگی۔ میں الٓمّٓ کو ایک حرف نہیں کہتا۔ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔''

تشریح: یعنی قرآن کے ہر لفظ اور اس کے ہر حرف کی تلاوت نیکیوں کا باعث ہے۔ خدا اپنے فضل و کرم سے ہر ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب عنایت کرتا ہے۔ قرآن ایسی بابرکت کتاب ہے

کہ آدمی کو اس کے لفظ لفظ سے عشق ہونا چاہیے۔ ایک نیکی پر دس نیکیوں کا ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا عام قانون ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' (الانعام:۱۶۰) ''جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اسے اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔''

﴿۱۰﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی قَالَ الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قَالَ وَمَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قَالَ الَّذِیْ یَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْاٰنِ اِلٰی اٰخِرِهٖ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! کون سا عمل اللہ کو بہت پسند ہے؟ فرمایا: سفر ختم کرنے والا اور پھر سفر شروع کرنے والا۔ اس شخص نے کہا: سفر ختم کرنے اور پھر شروع کرنے والے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''اس سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن کو شروع سے آخر تک ختم کر کے پھر شروع کرتا ہے اور اسی طرح سب ختم کرتا اور پھر شروع کر دیتا ہے۔''

تشریح: قرآن کی تلاوت کو آپؐ نے سفر سے تعبیر فرمایا۔ یہ ایسا سفر ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ یہ ایسی کتاب ہے جس سے نہ کبھی سیری حاصل ہوتی ہے اور نہ کبھی اس کے حقائق اور معانی ختم ہوتے ہیں۔ یہ کتاب ہمیشہ جدید رہتی ہے۔ پڑھنے والے اگر علم وشعور اور بصیرت رکھتے ہیں تو ان کا ہر سفر ایک نیا سفر ہوگا۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَاْدُبَةُ اللّٰهِ فَاقْبَلُوْا مَاْدُبَتَهٗ مَا اسْتَطَعْتُمْ، اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ حَبْلُ اللّٰهِ، وَالنُّوْرُ الْمُبِیْنُ، وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ عِصْمَةٌ لِمَنْ تَمَسَّكَ بِهٖ وَ نَجَاةٌ لِمَنِ اتَّبَعَهٗ لَا یَزِیْغُ فَیُسْتَعْتَبُ وَلَا یَعْوَجُّ فَیُقَوَّمُ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ وَلَا یَخْلَقُ مِنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ تِلْوُهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْجُرُكُمْ عَلٰی تِلَاوَتِهٖ كُلَّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اَمَا اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ وَ لٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَ لَامٌ حَرْفٌ وَ مِیْمٌ حَرْفٌ۔ (حاکم)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''یہ قرآن خدائی دستر خوان ہے تو تم اس کے دستر خوان کی طرف بڑھو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ یہ قرآن اللہ کی رسّی

ہے اور نور مبین ہے اور نفع بخش شفاء ہے۔ اس کے لیے بچاؤ اور محافظت (کا سامان) ہے جو اسے مضبوطی سے پکڑے اور اس کے لیے نجات ہے جو اس کی پیروی اختیار کرے، نہ وہ راہ سے ہٹے گا کہ اس کی فہمائش کی ضرورت پڑے اور نہ ٹیڑھا ہوگا کہ سیدھا کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اور اس کے عجائب کم ہونے کو نہیں۔ اور نہ وہ کثرتِ تلاوت سے پرانا ہوتا ہے۔ اللہ تمھیں اس کی تلاوت پر ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا کرے گا، میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن جملہ اوصاف ومحاسن کا جامع ہے۔ اس سے ہمیں فکری اور روحانی غذا حاصل ہوتی ہے اور میدانِ عمل میں اترنے کی قوت ملتی ہے۔ وہ اللہ کی رسّی ہے اور مضبوط سہارا ہے جو کسی حال میں ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس کتاب کی رہنمائی میں زندگی بسر کرنے والا کبھی غلط راہ پر نہیں پڑسکتا۔ یہ کتاب علم وادب اور ترجمانِ حقیقت کا ایک ایسا سرمایہ ہے جس کے حقائق ومعارف کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ قرآن کے طالب ہمیشہ قرآن میں فکر وتدبر سے کام لیتے رہیں گے اور ان پر قرآن کے حقائق ومعارف روشن ہوتے رہیں گے۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ وہ کہہ سکیں کہ اب ہمیں قرآن پر پورا عبور حاصل ہوگیا۔ وہ ہمیشہ یہی کہیں گے کہ ہم نے جو کچھ قرآن سے حاصل کیا وہ اس کے مقابلہ میں انتہائی قلیل ہے جو ابھی ہم حاصل نہیں کرسکے ہیں۔ قرآن میں غور وفکر کا وسیع میدان ہے۔

یہ حدیث یہ بھی بتاتی ہے کہ قرآن کا معاملہ دوسری کتابوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کتاب کو جتنا زیادہ پڑھیے اور اس میں فکر وتدبر سے کام لیجیے اتنا ہی لطف ولذت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ہمیشہ ایک نیا پن محسوس ہوتا ہے جبکہ دوسری کتابوں کا حال یہ ہے کہ ان کے بار بار پڑھنے سے لطف میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِیْ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ: اِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔''

تشریح: قرآن میں بنیادی طور پر تین باتیں بیان ہوئی ہیں: ان میں سب سے اہم توحید ہے۔ سورۂ قل ھو اللہ احد درحقیقت توحید کی سورہ ہے۔ یوں تو توحید کی روشنی پورے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے لیکن اس سورۃ میں خاص طور سے توحید کی روشن کرنیں مرتکز ہوکر اپنی چمک دمک سے نگاہوں کو خیرہ کررہی ہیں اس لیے آپؐ نے اس سورہ کو ثلثِ قرآن قرار دیا۔

احادیث میں قرآن کی دوسری سورتوں کے فضائل بھی بیان ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی ہر سورہ اپنی جگہ بڑی اہمیت اور عظمت کی حامل ہے۔ سورتوں کے علاوہ قرآن کی مخصوص آیتوں کی فضیلت بھی نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہے جس سے ان آیات کی عظمت اور ان کی معنوی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ احادیث میں جن سورتوں کی خاص طور سے فضیلت بیان ہوئی ہے وہ یہ ہیں: الفاتحہ، البقرہ، آل عمران، یٰسٓ، الواقعہ، الملک، الٓمٓ تنزیل، الکہف، الرحمٰن، الاعلیٰ، الزلزال، التکاثر، الکافرون، الاخلاص، معوذتین۔ قرآن کی جن آیتوں کی خاص طور سے فضیلت اور امتیاز بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: آیۃ الکرسی، سورۃ البقرہ کی آخری آیات (اٰمن الرسول سے ختم سورہ تک) آل عمران کی آخری آیات (اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ سے ختم سورہ تک) سورۃ الکہف کی ابتدائی اور آخری دس آیتیں۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنۡ عَلِیٍّؓ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوۡلُ: لِکُلِّ شَیۡءٍ عَرُوۡسٌ وَ عَرُوۡسُ الۡقُرۡاٰنِ اَلرَّحۡمٰنُ۔ (بیہقی)

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''ہر چیز کی زینت ہوتی ہے۔ قرآن کی زینت سورۂ رحمٰن ہے۔''

تشریح: یوں تو صوتی و معنوی حسن سے کوئی سورہ بھی خالی نہیں ہے، لیکن سورۂ رحمٰن ایسی سورہ ہے جس میں نمایاں طور پر حسن و جمال پایا جاتا ہے جسے ہر شخص یہاں تک کہ غیر عربی داں بھی محسوس کرتا ہے۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنۡ عُمَرَ بۡنِ الۡخَطَّابِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ یَرۡفَعُ بِھٰذَا الۡکِتَابِ اَقۡوَامًا وَ یَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیۡنَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس کتاب کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو پست کرتا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جولوگ قرآن پڑھتے اوراس پر عمل کرتے ہیں اور صحیح معنوں میں اسے اپنی زندگی کی رہنما کتاب سمجھتے ہیں اللہ انھیں سربلندی اورعزت عطافرماتا ہے یہاں تک کہ دنیا میں انھیں اقتدار اور حکومت بھی بخشتا ہے اور آخرت میں ان کے درجات بلند سے بلند رکھتا ہے۔اس کے برخلاف جولوگ اس کتاب کے حق کونہیں پہچانتے، خدا بھی انھیں پستی میں ڈال دیتا ہے جس سے وہ کبھی نکل نہیں پاتے۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَقَدِ اسْتَدْرَجَ النُّبُوَّةَ بَیْنَ جَنْبَیْہِ غَیْرَ اَنَّہٗ لاَ یُوْحٰی اِلَیْہِ لاَ یَنْبَغِیْ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اَنْ یَّجِدَ، مَعَ مَنْ وَّجَدَ وَلاَ یَجْھَلَ مَعَ مَنْ جَھِلَ، وَ فِیْ جَوْفِہٖ کَلاَمُ اللّٰہِ۔ (حاکم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے قرآن پڑھا اس نے نبوت کو اپنے آغوش میں لے لیا، فرق صرف یہ ہے کہ اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی۔صاحبِ قرآن کے شایانِ شان یہ بات نہیں ہے کہ وہ غصّہ کرنے والے کے ساتھ خود غصّہ کرنے لگے یا جھگڑنے والے کے ساتھ جھگڑے جبکہ اس کے سینہ میں خدا کا کلام موجود ہے۔“

تشریح: قرآن بہت بڑی نعمت اور نبوت کا حاصل ہے۔صاحبِ قرآن کو چاہیے کہ وہ اس کی قدر کرے اور اپنی سیرت و کردار کو بلند سے بلند رکھنے کی کوشش کرے۔

﴿۱۶﴾ وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ثَلٰثَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَلْقُرْاٰنُ یُحَاجُّ الْعِبَادَ لَہٗ ظَھْرٌ وَ بَطْنٌ وَالْاَمَانَةُ وَالرَّحْمُ تُنَادِیْ اَلاَ مَنْ وَّصَلَنِیْ وَصَلَہُ اللّٰہُ وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَہُ اللّٰہُ۔ (شرح السنۃ)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز عرش کے نیچے تین چیزیں ہوں گی۔قرآن جو بندوں سے جھگڑے گا۔اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ امانت اور قرابت، یہ (قرابت) پکار کر کہے گی: سن لو جس نے مجھے ملایا اسے اللہ اپنی رحمت سے ملائے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسے قطع کر ڈالے گا۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن، امانت اور قرابت داری، ان تینوں کا معاملہ خاص طور سے قیامت کے روز خدا کے حضور پیش ہوگا اور ان کے بارے میں وہ فیصلہ فرمائے گا۔ان تینوں چیزوں کو انسان کی زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔قرآن زندگی میں ایک روشنی اور رہنما کی

حیثیت رکھتا ہے۔ امانت داری اور صلۂ رحمی دین و اخلاق کا حاصل ہیں۔ اس لیے قیامت میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ان تینوں کے حقوق پہچانے اور انھیں ادا کرنے کی کوشش کرے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ قرآن ایک دلیل و حجت کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش ہوگا۔ جن لوگوں نے قرآن کے احکام اور اس کے متعین کیے ہوئے حدود اور ضوابط کا خیال رکھا ہوگا وہ اس دن کامیاب ہوں گے۔ مگر ان لوگوں کی کمر اس دن ٹوٹ جائے گی جو کبر و نخوت کے نشے میں قرآن کے احکام کو پس پشت ڈالتے اور اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن میں جہاں ظاہری احکام وضوابط وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہے وہیں اس میں ایسے معنوی علوم و حقائق کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہیں جن تک اپنے فہم و شعور کے لحاظ سے آدمی کی رسائی ہوتی ہے۔ اس کے لیے غور و فکر اور تدبر اور تزکیۂ نفس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

یہ حدیث اس کی واضح دلیل ہے کہ دین میں رشتہ اور قرابت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جو لوگ اس کا حق ادا کریں گے ان پر خدا کی رحمت ہوگی۔ اور جو لوگ اس کے حقوق کو پامال کریں گے وہ قیامت کے روز خاسر اور ناکام ہوں گے۔

﴿۱۷﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَالَ فِى الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (ترمذی، نسائی، احمد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص قرآن (کی تفسیر) میں علم کے بغیر کوئی بات کہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔“

تشریح: قرآن کی تفسیر صحیح وہی ہے جو علم و بصیرت کی بنیاد پر کی گئی ہو۔ جو لوگ قرآن کے مفہوم و معنی کے بیان میں علم کے بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ خدا کی کتاب پر ظلم کرتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہوسکتا ہے۔ قرآن میں فکر و تدبر سے کام لینا غلط نہیں ہے۔ قرآن نے خود فکر و تدبر سے کام لینے کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴) ”تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر سے کام نہیں لیتے یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟“ جس چیز سے ہمیں روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم یہ رویہ

اختیار نہ کریں کہ بجائے قرآن کی پیروی کرنے کے خود قرآن کو اپنے ذاتی خیالات و رجحانات کا تابع بنانے لگ جائیں۔ قرآن کی کسی آیت کا جو مفہوم بھی ہم لیں وہ ایسا ہونا چاہیے جس کی تائید سیاق و سباق اور نظم کلام سے ہوتی ہو۔ اس کے لیے زبان و ادب کا علم اور دین کی گہری بصیرت درکار ہے۔ جو لوگ نہ تو عربی زبان و ادب سے پورے طور پر واقف ہوتے ہیں اور نہ جن کے اندر خدا کا خوف اور ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے وہ جب قرآن کی تفسیر کرنے بیٹھیں گے تو ظاہر ہے وہ قرآن کو مسخ کر کے رکھ دیں گے۔

قرآن مجید کی آیات کے بارے میں جو کچھ کہا جائے علم و بصیرت کی بنیاد پر کہا جائے، محض قیاس و گمان کی بنیاد پر قرآن کے بارے میں کچھ کہنا بہت ہی غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ ایک روایت میں حضورؐ نے فرمایا ہے: مَنْ قَالَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِرَأْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ۔ (ابوداؤد، ترمذی) ”جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اور وہ صحیح نکلے جب بھی وہ گنہگار ہوگا۔“

تلاوتِ قرآن

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ ھٰذِہِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ کَمَا یَصْدَأُ الْحَدِیْدُ اِذَا اَصَابَہُ الْمَآءُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا جِلَاءُ ھَا قَالَ: کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَ تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دِلوں کو بھی زنگ لگ جاتے ہیں جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جبکہ اس پر پانی پہنچ جائے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ان (دلوں) کو جلا بخشنے والی کیا چیز ہے؟ فرمایا: ”موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن کی تلاوت۔“

تشریح: موت کی یاد خواہشاتِ نفس کی غلامی سے آزاد کرے گی اور قرآن کی تلاوت حقیقت آشنا اور آگاہِ راز کرے گی۔ قلوب کے تزکیہ کے لیے یہ دونوں چیزیں درکار ہیں۔ خواہشاتِ نفس پر جب تک آدمی کو قابو حاصل نہ ہو مطلوبہ جذبات دل میں پرورش نہیں پاسکتے۔ دل کبھی غفلت اور کدورت سے پاک نہیں ہوسکتا۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت بخشو۔“

تشریح: یعنی خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھو۔ اسے بگاڑ کر نہ پڑھو۔ قرآن جہاں معانی و حقائق کے لحاظ سے عظیم کتاب ہے وہیں اس کتاب میں صوتی ہم آہنگی اور جمال بھی پایا جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے: مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی) ”اللہ کسی چیز کو بھی اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے وہ نبی کو قرآن گنگناتے ہوئے سنتا ہے۔“ ایک دوسری حدیث ہے: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ۔ (بخاری) ”وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن کو اچھی آواز سے نہ پڑھے۔“ ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کو جہاں تک ممکن ہو عمدہ طریقہ سے پڑھنا چاہیے۔ دل میں سوز و گداز ہو، لہجہ میں خوش آہنگی ہو۔ الفاظ کے ساتھ ساتھ قرآن کے معانی و مطالب کی طرف بھی توجہ ہو۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ طَاؤُسٍ مُرْسَلاً قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: اَيُّ النَّاسِ اَحْسَنُ صَوْتًا لِّلْقُرْاٰنِ وَ اَحْسَنُ قِرَاءَةً؟ قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهُ يَقْرَاُ اُرِيْتَ اَنَّهُ يَخْشَى اللّٰهَ قَالَ طَاؤُسٌ: وَ كَانَ طَلْقٌ كَذَالِكَ۔ (دارمی)

ترجمہ: طاؤس مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ قرآن پڑھنے میں کون شخص زیادہ خوش آواز ہے؟ فرمایا: ”وہ شخص کہ جب تو اسے پڑھتا ہوا سنے تو تجھے محسوس ہو کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔“ طاؤس کہتے ہیں کہ طلق ایسے ہی تھے۔

تشریح: درحقیقت حسنِ صوت میں اسی وقت جان پڑتی ہے جب کہ اس میں دل کی کیفیات بھی شامل ہوں۔ ایسی آواز جس میں دل کی کیفیات ملی ہوں براہِ راست دوسرے دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کیفیاتِ دل میں سب سے بڑھ کر معنوی حسن و رعنائی کی حامل کیفیت خشیتِ الٰہی ہے، کیونکہ یہ کیفیتِ عبودیت کی اصل روح ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهٗ: لَقَدْ اُوْتِيْتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيْرِ اٰلِ دَاوٗدَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ ''تمھیں آلِ داؤد کے مزامیر میں سے مزمار عطا فرمایا گیا ہے۔''

تشریح: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ غیر معمولی طور پر خوش آواز تھے۔ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ نبی ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا تو آپؐ ان کی آواز سن کر کھڑے ہوگئے اور دیر تک قرآن سنتے رہے۔ جب وہ ختم کر چکے تو آپؐ نے وہ بات فرمائی جو اس روایت میں بیان ہوئی ہے۔ آپؐ نے ابوموسیؓ کی خوش الحانی، خوش آوازی اور نغمگی کی حلاوت کو مزمار کی آواز سے تشبیہ دی۔ حضرت داؤدؑ بھی نہایت خوش الحان تھے۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں داؤدؑ کی خوش آوازی کا حصہ ملا ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ **قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ** ﷺ: **اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔** (ترمذی، دارمی، حاکم)

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے اندر قرآن میں سے کچھ نہ ہو وہ ویران گھر کے مانند ہے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ قرآن دلوں کی آبادی کا سبب بنتا ہے۔ پاکیزہ سے پاکیزہ کلام بھی قرآن کا بدل نہیں ہوسکتا۔ قرآن ہمیں ہماری فطرت اور اس ذوق سے آشنا کرتا ہے جس کے بغیر ہماری زندگی بے کیف رہتی ہے۔

قرآن دل ہی کی رونق نہیں ہے بلکہ ہمارے گھروں کی بھی زینت اور بہار ہے، چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْفُرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَأُ فِیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔ (مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداؤد، احمد) ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، یقیناً شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہو۔'' معلوم ہوا کہ جس گھر میں قرآن کی تلاوت نہ ہو وہ گھر مثل قبرستان کے ویران ہے۔ اس میں کوئی زندگی نہیں ہے۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ لوگ حقیقی زندگی سے دنیا اور آخرت میں محروم ہی رہیں۔ لیکن اگر گھر میں تلاوتِ قرآن ہوتی ہے تو شیطان کا مکر وفریب وہاں نہیں چل سکتا۔ سورۃ البقرہ قرآن کی سب سے بڑی سورہ ہے اور اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کے ذریعہ سے آدمی شیطانی حربوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس مناسبت سے اس حدیث میں سورۃ البقرہ کا خاص طور سے ذکر کیا گیا۔

تلاوتِ قرآن اور نماز میں گہرا تعلق اور مناسبت ہے۔ اسی لیے احادیث میں تلاوتِ قرآن کی طرح نماز کے بارے میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ آدمی اس کے ذریعہ سے اپنے گھر کو آباد رکھے۔ اس کو ویرانہ نہ بنائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اپنی نمازوں کا کچھ حصہ اپنے گھروں میں ادا کرو اور انھیں قبرستان نہ بناؤ۔ (مسند احمد) حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: '' آدمی کی گھر میں نماز میری اس مسجد سے افضل ہے، علاوہ فرض نماز کے۔'' (ابوداؤد) مسجد کے علاوہ اپنے گھر میں بھی نماز پڑھتے رہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نماز آدمی کی زندگی میں پورے طور پر شامل ہو چکی ہے، اس کی حیثیت محض کسی ضمیمہ کی نہیں ہے۔

〈۶〉 وَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ اِمْرِئٍ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَجْذَمَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: سعد بن عبادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قرآن پڑھے اور پھر اسے بھلا دے وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ قرآن سے غافل ہو کر آدمی خود اپنی شخصیت اور اپنے وجود کو نقصان پہنچاتا ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: جندب بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن پڑھو جب تک تمھارے دلوں کا میلان اس کی طرف باقی رہے اور جب اکتا جاؤ تو اٹھ کھڑے ہو۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کو دلی لگاؤ اور نشاط کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ طبیعت میں اکتاہٹ پیدا ہو تو اس وقت تلاوت بند کر دینی چاہیے۔

〈۸〉 وَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِیْ وَ مَسْاَلَتِیْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّآئِلِيْنَ وَ فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلٰی سَآئِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ۔

(ترمذی، دارمی، بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رب تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا اور اسے اتنی فرصت نہ دی کہ وہ میرا ذکر کرتا یا مجھ سے سوال کرتا، میں اس کو اس سے بہتر عطا کروں گا جو سوال کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں۔ دوسرے کلاموں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسی خود اللہ کی فضیلت و برتری اس کی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں ہے۔''

تشریح: یعنی اگر کسی شخص کو قرآن مجید سے ایسا شغف ہے کہ اس کا زیادہ وقت قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے تدبر و تفکر میں گزرتا ہے دوسرے اذکار اور دعاؤں کے لیے اس کے پاس کم ہی وقت رہتا ہے تو وہ یہ خیال نہ کرے کہ وہ کچھ خسارے میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے شخص کا مرتبہ نہایت بلند ہے جو قرآن سے گہرا ربط و تعلق رکھتا ہے ایسے شخص کو خدا اس سے کہیں بڑھ کر عطا فرمائے گا جو ذکر کرنے والوں اور دعا مانگنے والوں کو عطا فرمائے گا۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ وَ كَانَتْ لَهٗ صُحْبَةٌ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَافْشُوْهُ وَ تَغَنُّوْهُ وَ تَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تُعَجِّلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا۔

(البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبیدہؓ ملیکی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اہلِ قرآن تم قرآن سے تکیہ نہ کرو۔ شب و روز قرآن کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، اسے پھیلاؤ۔ اسے خوش آوازی سے پڑھو اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس میں تدبر کرو۔ شاید کہ تم فلاح یاب ہو جاؤ۔ اس کے ثواب میں جلدی نہ کرو اس کا اجر و ثواب تو رکھا ہوا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں کئی باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ (۱) قرآن کی طرف سے ہرگز غافل نہ ہو، اس کے حقوق کو پہچانو اور انھیں ادا کرنے کی کوشش کرو۔ (۲) قرآن کی اشاعت میں حصہ لو، درس و تدریس اور تعلیم و تفسیر وغیرہ کے ذریعہ سے قرآن کی تعلیمات کو عام کرو۔ (۳) مضامینِ قرآن میں فکر و تدبر سے کام لو کیونکہ اس کے بغیر قرآن کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہو پاتا اور نہ قرآن کے گہرے معانی و مطالب تک آدمی کی نظر پہنچ پاتی ہے۔ قرآن سے پورے طور پر فیض یاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اس میں فکر و تدبر سے کام لے، قرآن ہماری پوری توجہ کا

طالب ہے۔ اس کے بغیر ہماری رسائی قرآن کے بلند اور پاکیزہ مقاصد تک نہیں ہو سکتی۔ اس طریقے سے امید کی جاسکتی ہے کہ تمھیں دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہو سکے گی۔

قرآن پر عمل

﴿۱﴾ عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍؓ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَقَالَ ذَالِكَ عِنْدَ اَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ، قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَ نَحْنُ نَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَ نُقْرِئُهُ اَبْنَآءَ نَا وَ يُقْرِئُهُ اَبْنَآءُ نَا اَبْنَآءَ هُمْ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا زِيَادُ اِنْ كُنْتُ لَاَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ، اَوَ لَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَؤُنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِّمَّا فِيْهَا۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: زیاد بن لبیدؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک (خوفناک) چیز کا ذکر فرمایا اور کہا کہ یہ اس وقت ہوگا جب کہ (دین کا) علم اٹھ جائے گا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! علم کیسے مٹے گا جبکہ ہم قرآن پڑھ رہے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھا رہے ہیں اور ہمارے بیٹے اسے اپنی اولاد کو پڑھائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ”تمھیں تمھاری ماں کھوئے زیاد! میں تو تمھیں مدینہ کا انتہائی سمجھ دار آدمی سمجھتا تھا۔ کیا یہ یہود اور نصاریٰ تورات اور انجیل کو نہیں پڑھتے مگر ان میں سے کسی چیز پر کچھ بھی عمل نہیں کرتے۔“

تشریح: یعنی جب علم پر عمل نہ ہو رہا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ علم باقی نہیں رہا۔ علم سے جب فائدہ نہ اٹھایا جائے تو اس کا کتاب کے صفحات میں باقی رہنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ اگر قرآن پر ہمارا عمل ہے تو یقیناً قرآن کی بدولت ہمیں آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی، قرآن ہماری کامیابی کا ضامن ثابت ہوگا لیکن اگر قرآن سے بے پروا ہو کر ہم زندگی گزارتے ہیں تو پھر یہی قرآن ہمارے خلاف حجت ہوگا۔ ہم اپنی بے عملی کا کوئی عذر خدا کے سامنے پیش نہ کر سکیں گے، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے: وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ۔ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دارمی) ”قرآن تمھارے حق میں حجت ہوگا یا تمھارے خلاف حجت ہوگا۔“

﴿۲﴾ وَ عَنْ صُهَيْبٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جس نے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرلیا۔''

تشریح: ایسا بے ضمیر شخص جس کے ذہن وفکر اور اخلاق وکردار میں قرآن پڑھنے کے بعد کوئی تبدیلی نہ ہو، قرآن پڑھنے کے بعد بھی وہی کچھ کرتا ہے جس سے قرآن منع کرتا ہے، ایسا شخص حقیقت میں قرآن کو نہیں مانتا۔ قرآن کے ماننے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بالکل قرآن کی رہنمائی میں دے دے اور ان تمام چیزوں سے باز آجائے جن سے قرآن روکتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ اِلْخُدْرِیِّؓ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: یَخْرُجُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَلَمْ یَقُلْ مِنْهَا قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلٰوتَكُمْ مَعَ صَلٰوتِهِمْ یَقْرَءُ وْنَ الْقُرْاٰنَ لاَ یُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ اَوْ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِیَّةِ فَیَنْظُرُ الرَّامِیْ اِلٰی سَهْمِهٖ اِلٰی نَصْلِهٖ اِلٰی رِصَافِهٖ فَیَتَمَارٰی فِی الْفُرْقَةِ هَلْ عَلِقَ مِنَ الدَّمِ شَیْءٌ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: ''اس امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے، ان کی نماز کے سامنے تم اپنی نماز کو حقیر سمجھوگے، وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے وہ اس طرح صاف نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جائے۔ تیر انداز اپنے تیر کی لکڑی، اس کے لوہے اور پروں کو دیکھتا ہے اور اس کے پچھلے حصے کو دیکھتا ہے کہ اس میں کچھ خون بھی لگا (یا نہیں)۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح شکار کے جسم کو پھاڑ کر کوئی تیر نکل جائے اور اس میں کچھ بھی خون کا دھبہ نہ لگ سکے۔ یہاں تک کہ شکاری تیر کو بغور دیکھے پھر بھی اسے اس بات میں شبہ ہی رہے کہ اس پر خون کا کچھ نشان لگا بھی یا نہیں۔ ٹھیک اسی طرح کچھ لوگ دین سے بالکل نکل بھاگیں گے، وہ دین کے اثرات کو کچھ بھی قبول نہ کریں گے، قرآن پڑھیں گے مگر قرآن کا ان کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوگا حالانکہ نمازیں ان کی دیکھنے میں ایسی کامل ہوں گی کہ دیکھنے والوں کو ان پر رشک ہو۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ بُرَیْدَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ یَتَاَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ وَجْهُهٗ عَظْمٌ لَیْسَ عَلَیْهِ لَحْمٌ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قرآن پڑھے اور اس کے ذریعہ سے لوگوں سے کھائے۔ وہ قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی ہی ہڈی ہوگا۔ اس پر گوشت نہ ہوگا۔''

تشریح: یعنی قرآن کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔ خدا ایسے شخص کا وقار اور آبرو اور اس کے چہرے کی آب و تاب و رونق چھین لیتا ہے جو قرآن کی بے حرمتی کرتا اور اسے پست قسم کے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کی ذلت و خواری آخرت میں پورے طور پر ظاہر ہو جائے گی۔ دنیا میں بھی اس کی ذلت و پستی اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں رہتی۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَيَقُوْمُ بِهٖ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ وَ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دارمی)

ترجمہ: ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رشک کے قابل دو ہی شخص ہیں، ایک وہ جسے خدا نے قرآن (کا علم) دیا تو وہ رات دن کے اوقات میں اسے قائم کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ جسے اللہ نے مال دیا تو وہ اسے روز و شب (خدا کے راستے میں) خرچ کرتا ہے۔''

تشریح: خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے والے کی طرح وہ شخص بھی قابل رشک ہے جو قرآن کا حق پہچانتا اور اس کا حق ادا کرنے میں لگا رہتا ہے، اس کی تلاوت کرتا، نمازوں میں اسے پڑھتا، اس کی تعلیمات پر عمل کرتا، اس کی دعوت اور پیغام کو دنیا میں عام کرتا اور اسے نافذ کرنے کی سعی و جہد کرتا ہے۔ قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام کی پیروی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے اس کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے: بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَ لَوْ كَانَ اٰيَةً۔ (بخاری، ترمذی، احمد، دارمی) ''میری طرف سے (دوسروں تک) پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔''

عقیدۂ آخرت

آخرت سے مراد وہ زندگی ہے جو موت کے بعد انسانوں کو عطا کی جائے گی۔ موجودہ دنیا کو اللہ تعالیٰ توڑ پھوڑ کر ختم کر دے گا۔ اور نئے سرے سے ایک پائدار اور اعلیٰ درجہ کی دنیا وجود لائی جائے گی۔ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور ان سے ان کے کارناموں کا حساب لیا جائے گا اور ان کے اعمال کے لحاظ سے خدا ان کے انجام کا فیصلہ فرمائے گا۔ آخرت کے عقیدہ میں ان بہت سے سوالوں کا جواب مل جاتا ہے جو انسان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

دنیا میں اس پر تو کم ہی لوگ غور کرتے ہیں کہ یہ دنیا کیا ہے؟ کس نے اسے وجود بخشا؟ زندگی کیا ہے؟ اس کا کیسے آغاز ہوا؟ اس زندگی کا اصل مقصد اور اس کی غرض وغایت کیا ہے؟ ان سوالوں پر گہری فکر کے لوگ ہی غور کرتے ہیں لیکن موت کا حادثہ خاص وعام سبھی کو چونکا دیتا ہے۔ ہر ایک یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ موت کے بعد کیا ہوگا؟ یہ خواہش ہر ایک کے دل میں پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ جھانک کر دیکھ سکتا کہ موت کے اس پار کیا ہے؟ مر کر آدمی کہاں جاتا ہے؟ کیا موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے؟ یا مرنے کے بعد انسان ہمیشہ کے لیے خاک میں مل جاتا ہے؟ انسان کے دلوں میں پیدا ہونے والے ان سوالوں کے انسانی ذہن نے مختلف جوابات دیے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ آخرت کی شکل میں ان سوالوں کا جو جواب اسلام نے دیا ہے وہی جواب سب سے زیادہ دل کو لگتا ہے۔ اس کائنات میں پھیلی ہوئی خدا کی نشانیوں سے بھی اسی عقیدے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس عقیدے کی تعلیم خدا کے سبھی نبیوں نے دی ہے۔

یہ انسان کی فطری خواہش ہے کہ اسے ایسی زندگی حاصل ہو جو کبھی ختم ہونے والی نہ ہو، جس میں ہر طرح کی راحت اور سامانِ عیش موجود ہو اور اسے کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ انسان ایک بہار کا خواب دیکھتا ہے جو خزاں نا آشنا ہو۔ انسان کی یہ آرزو موجودہ زندگی میں نہیں پوری ہو سکتی۔ یہاں کسی شخص کو ہمیشہ کی زندگی میسر نہیں ہے اور نہ اس کا موجودہ

نظامِ کائنات میں کوئی امکان پایا جاتا ہے کہ کوئی ہمیشہ زندہ رہ سکے، پھر اس زندگی میں جہاں آرام ہے وہیں تکلیف بھی ہے، صحت کے ساتھ بیماری اور جوانی کے ساتھ بڑھاپے کی مصیبت بھی لگی ہوئی ہے، کسی بھی چیز کو یہاں ثبات حاصل نہیں ہے۔ انسان کی خواہشات اگر پوری ہوسکتی ہیں اور اس کے خوابوں کی اگر تعبیر ممکن ہے تو وہ کسی ایسی زندگی میں ممکن ہے جو اس کے بعد آنے والی ہو۔

ایک اور پہلو سے غور کیجیے۔ اس دنیا میں انسان اگر انصاف کرتا ہے تو بہت سے ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جن کا پیشہ ہی یہ ہے کہ وہ دنیا کو ظلم وستم اور فتنہ وفساد سے بھر دینا چاہتے ہیں، پھر اس کے ساتھ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ظالم اور مفسد شخص دنیا میں عیش وآرام کی زندگی بسر کرتا ہے اور سچائی کے راستے پر چلنے والا شخص مصائب ومشکلات کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے اور مصلح اور حق کے پرستار کو اس کی خدمات کا پورا بدلہ دیا جائے۔ عدل وانصاف کا یہ تقاضا اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جبکہ یہ مان لیا جائے کہ اس زندگی کے بعد بھی کوئی زندگی ہے جس میں ہر ایک شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

انسان کی یہ خواہش بھی آخرت کی زندگی میں ہی پوری ہوسکتی ہے کہ وہ ان حقیقتوں کو جان لے جن کا مشاہدہ اس دنیا میں ممکن نہیں۔ وہ حقیقتیں جو آج پردۂ غیب میں چھپی ہوئی ہیں آخرت ہی میں بے نقاب جلوہ گر ہوسکیں گی۔

جس خدا نے اتنی عظیم کائنات کو وجود بخشا ہے اور جس نے ہمیں اس دنیا میں زندگی عطا کی ہے اس کے لیے یہ کچھ بھی مشکل کام نہیں ہے کہ وہ اس کائنات کو توڑ پھوڑ کر نئے سرے سے ایک دوسری دنیا وجود میں لائے اور موت کے بعد انسانوں کو دوبارہ زندگی عطا کرے۔ جس خدا کی رحمت اور عدل کی بنیاد پر اس کائنات کا عظیم کارخانہ چل رہا ہے۔ اس کی رحمت اور اس کے عدل کا ہی تقاضا ہے کہ اس دنیا کے بعد وہ ایک دوسری دنیا وجود میں لائے اور اس زندگی کے بعد انسانوں کو ایک نئی زندگی عطا کرے۔ اس لیے وہ ضرور اس عالم کے درہم برہم ہوجانے کے بعد ایک دوسرا عالم وجود میں لائے گا اور انسانوں کو ان کے مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرے گا اور لوگوں کے آخری انجام کا فیصلہ ان کے اعمال کے لحاظ سے فرمائے گا۔ اچھے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں وہ آرام وراحت ہے جس کا تصور بھی آج کا انسان نہیں کرسکتا۔ برے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، دوزخ عذاب کا گھر ہے جہاں کسی قسم کا سکون وآرام نہیں۔

عقیدۂ آخرت کا مسئلہ محض ایک فلسفیانہ قسم کا مسئلہ نہیں ہے۔ عقیدۂ آخرت کا انسان کے اخلاق اور اس کی عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ عقیدۂ آخرت کو تسلیم کرنے کے بعد لازماً انسان اپنے آپ کو خدا کے آگے جواب دہ سمجھے گا۔ وہ دنیا میں یہ سمجھتے ہوئے سارے کام کرے گا کہ اسے ایک دن خدا کے یہاں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ اس کے اپنے اعمال پر ہی مستقبل کی سعادت و شقاوت کا اصل انحصار ہے۔ آخرت پر ایمان رکھنے والا کبھی بھی عدل، صداقت اور راست بازی کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ چاہے اس کی وجہ سے دنیا میں اسے نقصان ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ آخرت کا فائدہ ہی اصل فائدہ ہے اور آخرت کا خسارہ ہی اصل خسارہ ہے۔ دنیا کی زندگی عارضی اور ناپائیدار ہے اور آخرت کی زندگی اس سے بہتر اور پائیدار ہے اس لیے وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دے گا۔ اس کے نزدیک یہ بڑی نادانی کی بات ہے کہ آدمی دنیا کی لذتوں اور منفعتوں کے لیے اپنی آخرت کو تباہ کرلے۔ اس کے برخلاف جو شخص آخرت کو نہیں مانتا، جسے کسی آنے والی زندگی کے بننے بگڑنے کا اندیشہ نہیں ہے وہ بس اسی دنیوی زندگی کے نفع و نقصان کو اپنے پیشِ نظر رکھے گا۔ وہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے تو یقیناً باز رہے گا اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ آگ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی لیکن جھوٹ، ظلم، خیانت، غیبت، فریب، بدعہدی، زنا، بے حیائی اور فحش کاری اور ایسے ہی دوسرے ان افعال سے بچنا اس کے لیے مشکل ہے جن کے نتائج پورے طور پر موجودہ زندگی میں ظاہر نہیں ہوتے۔

آخرت پر ایمان

(۱) عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ یَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنِّیْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَ یُؤْمِنَ بِالْمَوْتِ وَ یُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ یُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ چار چیزوں کی شہادت نہ دے: خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں، میں اللہ کا رسول ہوں، مجھے حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے، موت پر اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔“

تشریح: یعنی مومن ہونے کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ آدمی توحید اور رسالت پر ایمان لائے اسی طرح اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس پر یقین رکھتا ہو کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے۔ مرنے کے بعد اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اس کے کارنامۂ حیات کا جائزہ لیا جائے گا اور اس کے اعمال کے لحاظ سے اسے جنت یا دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

عالمِ برزخ

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذْ مَاتَ عُرِضَ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اِنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُکَ حَتّٰى يَبْعَثَکَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو صبح و شام اس کے سامنے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر مرنے والا اہلِ جنت میں سے ہے تو اہلِ جنت کے مقام میں سے اور اگر وہ اہلِ جہنم سے ہے تو اہلِ جہنم کے مقام میں سے (اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیری منزل ہے، یہاں تک کہ اللہ قیامت کے روز تجھے دوبارہ اٹھا کر اس تک پہنچادے گا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ مرنے کے بعد آدمی بالکل ختم نہیں ہو جاتا، اس کی روح اپنی شخصی خصوصیات کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ صبح و شام اسے اس کا حقیقی ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ جنت کا منظر دیکھ کر اہلِ جنت کو جو شادمانی و مسرت ہوگی اس کا اندازہ کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ اسی طرح دوزخ دیکھ کر اہلِ دوزخ کی جو حالت ہوگی اور وہ جس رنج و حسرت میں مبتلا ہوں گے اس کا بھی ہم تصور نہیں کرسکتے۔ قرآن مجید سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ دیکھیے سورۂ یٰس: ۲۶، ۲۷، سورۃ المومن میں آلِ فرعون کے بارے میں کہا گیا ہے: فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَکَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ o اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ط ''تو جو چال وہ چل رہے تھے اس کی برائیوں سے اللہ نے اس (مردِ مومن) کو بچالیا اور فرعون کے لوگوں کو برے عذاب نے آگھیرا۔ آگ ہے

جس کے سامنے وہ صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن وہ (قیامت کی) گھڑی قائم ہوگی (کہا جائے گا): فرعون کے لوگوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔'' (آیت ۴۵، ۴۶) معلوم ہوا کہ موت کے بعد انسان بالکل ختم نہیں ہوجاتا۔ صرف اس کا موجودہ جسم اس سے چھین لیا جاتا ہے۔ اس کی شخصیت موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اسے دکھ سکھ کا احساس بھی ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الْمَیِّتَ یَصِیْرُ اِلَی الْقَبْرِ فَیَجْلِسُ الرَّجُلُ فِیْ قَبْرِهٖ غَیْرَ فَزِعٍ وَّلَا مَشْغُوْبٍ ثُمَّ یُقَالُ لَهٗ فِیْمَ کُنْتَ فَیَقُوْلُ کُنْتُ فِی الْاِسْلَامِ فَیُقَالُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَ نَا بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ رَاَیْتَ اللّٰهَ فَیَقُوْلُ مَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّرَی اللّٰهَ فَیُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَیَنْظُرُ اِلَیْهَا یَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَیُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَا وَقَاکَ اللّٰهُ ثُمَّ یُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَیَنْظُرُ اِلٰی زَهْرَتِهَا وَمَا فِیْهَا فَیُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُکَ عَلَی الْیَقِیْنِ کُنْتَ وَ عَلَیْهِ مُتَّ وَ عَلَیْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ یَجْلِسُ الرَّجُلُ السَّوْءُ فِیْ قَبْرِهٖ فَزِعًا مَّشْغُوْبًا فَیُقَالُ لَهٗ فِیْمَ کُنْتَ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ فَیُقَالُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ یَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلاً فَقُلْتُهٗ فَیُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَیَنْظُرُ اِلٰی زَهْرَتِهَا وَمَا فِیْهَا فَیُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَنْکَ ثُمَّ یُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ اِلَی النَّارِ فَیَنْظُرُ اِلَیْهَا یَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَیُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُکَ عَلَی الشَّکِّ کُنْتَ وَ عَلَیْهِ مُتَّ وَ عَلَیْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب مرنے والا قبر میں پہنچتا ہے (اگر وہ نیک ہے) تو وہ بغیر کسی خوف اور گھبراہٹ کے قبر میں بیٹھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تم کس (دین) میں تھے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اسلام میں تھا، پھر کہا جاتا ہے کہ یہ شخص کون ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ یہ محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں، جو اللہ کی طرف سے روشن دلائل لے کر تشریف لائے۔ ہم نے ان کی تصدیق کی، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم نے خدا کو دیکھا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ کسی کے ممکن نہیں کہ وہ (دنیا میں) خدا کو دیکھ سکے، پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک کھڑکی کھولی

جاتی ہے، یہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض حصے کو کھائے جا رہا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کو دیکھ لے جس سے اللہ نے تجھے بچا لیا، پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے۔ وہ اس کی تازگی اور رونق اور جو کچھ اس کے اندر ہے دیکھتا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تمھارا ٹھکانا ہے۔ تم یقین پر قائم رہے، اسی پر تمھیں موت آئی اور اسی پر ان شاء اللہ تم اٹھائے جاؤ گے۔''

''اور برا آدمی بھی اپنی قبر میں بیٹھتا ہے تو وہ خوف اور پریشانی کے عالم میں ہوتا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تو کس (دین) میں تھا؟ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ پھر کہا جاتا ہے کہ یہ کون شخص ہیں؟ کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو بات کہتے سنا وہی بات میں نے بھی کہہ دی۔ اس وقت اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس کی رونق اور تازگی اور جو کچھ اس کے اندر ہے دیکھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف دیکھو جسے اللہ نے تمھاری طرف سے پھیر دیا ہے، پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض حصے کو کھائے جا رہا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے، یہ تمھارا ٹھکانا ہے۔ تم شک میں مبتلا تھے اور اسی پر تمھاری موت آئی اور اسی پر ان شاء اللہ تعالیٰ تم اٹھائے جاؤ گے۔''

تشریح: مرنے کے بعد اپنے اعمال کے لحاظ سے آدمی کی روح یا تو آرام و راحت میں رہتی ہے یا تکلیف و مصیبت میں ہوتی ہے۔ جسم سے الگ ہونے کے بعد بھی روح میں تشخص باقی رہتا ہے۔ جسم سے الگ ہونے کے بعد روح فنا نہیں ہوتی بلکہ اپنی پوری شخصیت کے ساتھ جس کی تعمیر افکار و نظریات اور اکتسابِ عمل کے ذریعہ سے دنیا میں ہوتی ہے باقی رہتی ہے۔ مرنے کے بعد روح جس عالم میں رہتی ہے اور اسے جن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اسے پورے طور پر سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت کے روز تک روح جس عالم میں رہتی ہے اسے عالمِ برزخ کہتے ہیں۔ قبر کی تکلیف یا آرام سے مراد درحقیقت عالمِ برزخ کی تکلیف یا آرام ہے۔ مرنے والا خواہ زمین میں دفن ہو یا اس کی لاش کو جلا دیا جائے یا دریا میں ڈال دیا جائے اگر وہ عذاب کا مستحق ہے تو وہ عذاب میں گرفتار ہوگا اور اگر اس کے اعمال اچھے ہیں اور وہ خدا کی رحمت کا مستحق ہے تو اس کی روح کو وہ ساری آسائشیں میسر ہوں گی جن کا اندازہ کرنا بھی

ہمارے لیے مشکل ہے۔ مرنے کے بعد تکلیف و آرام کا تعلق براہِ راست آدمی کی روح سے ہوتا ہے جبکہ دنیا کی زندگی میں جسم درمیان میں واسطہ ہوتا ہے۔ عالم برزخ کی کیفیت کا اندازہ ایک خواب دیکھنے والے شخص کی راحت اور تکلیف کے احساس سے لگایا جا سکتا ہے، اگر خواب دیکھنے والے کی نیند نہ ٹوٹے تو خواب میں اس پر جو کچھ بھی گزرے گا وہ اس کے لیے واقعہ ہی ہوگا۔ قرآن و حدیث میں عالمِ برزخ کے حالات کو انھیں مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے جن سے ہم دنیا کی زندگی میں واقف ہیں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَيَجْلِسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ وَ يَقُوْلُ دَعُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے سورج کے قریبُ الغروب ہونے کا منظر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے نماز ادا کر لینے دو۔“

تشریح: قبر یا عالمِ برزخ میں اٹھنے اور گفتگو کرنے کا اصل تعلق جسم سے نہیں ہے بلکہ انسان کے روحانی وجود سے ہے۔ اس حدیث میں ایک مومن شخص کا تذکرہ ہے جسے دنیا میں نماز کی فکر لگی رہتی تھی۔ ایسے شخص کے پاس جب فرشتے آئیں گے تو اسے ایسا محسوس ہوگا جیسے شام ہو رہی ہے اور اس نے ابھی عصر کی نماز ادا نہیں کی ہے، اس کو سب سے پہلے اپنی نماز کی فکر ہوگی۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا حُضِرَ الْمُؤْمِنُ اَتَتْ مَلٰٓئِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِيْرَةٍ بَيْضَآءَ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِیْ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً عَنْكِ اِلٰی رَوْحِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ رَيْحَانٍ وَّ رَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَتَخْرُجُ كَاَطْيَبِ رِيْحِ الْمِسْكِ حَتّٰی اَنَّهٗ لَيُنَاوِلُهٗ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰی يَاْتُوْا بِهٖ اَبْوَابَ السَّمَآءِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَطْيَبَ هٰذِهِ الرِّيْحَ الَّتِیْ جَاءَتْكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَيَاْتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ اَشَدُّ فَرَحًا بِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ بِغَآئِبِهٖ يَقْدُمُ عَلَيْهِ فَيَسْاَلُوْنَهٗ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ فَيَقُوْلُوْنَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ كَانَ فِیْ غَمِّ الدُّنْيَا فَاِذَا قَالَ فُلَانٌ قَدْ مَاتَ مَا اَتَاكُمْ قَالُوْا ذُهِبَ بِهٖ اِلٰی اُمِّهِ الْهَاوِيَةِ وَ اِنَّ الْكَافِرَ اِذَا حُضِرَ اَتَتْهُ مَلٰٓئِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِیْ سَاخِطَةً مَّسْخُوْطًا عَلَيْكِ اِلٰی عَذَابِ اللّٰهِ

فَخَرَجَ کَاَنْتَنِ رِیحِ جِیفَةٍ حَتّٰی یَأْتُونَ بِهٖ بَابَ الْاَرْضِ فَیَقُولُونَ مَا اَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّیحَ حَتّٰی یَأْتُونَ بِهٖ اَرْوَاحَ الْكُفَّارِ۔ (نسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مومن کی موت کا وقت آجاتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشم کا کپڑا لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نکل آ، اس حال میں کہ تم اس سے (خدا سے) راضی ہو اور وہ تم سے راضی ہے۔ اللہ کی رحمت اور پھول پودوں کی طرف اور رب کی طرف جو غضب ناک نہیں ہے تو وہ نکلتی ہے نہایت عمدہ مشک کی خوشبو کی طرح یہاں تک کہ ہاتھوں ہاتھ اسے ایک دوسرے سے لیتے ہیں یہاں تک کہ آسمان کے دروازوں پر لے کر پہنچتے ہیں۔ (آسمان والے فرشتے) کہتے ہیں: کیا خوب ہے یہ خوشبو جو زمین کی طرف سے تمھارے پاس آئی ہے۔ پھر اسے مومنوں کی ارواح کے پاس لاتے ہیں۔ تو وہ اس سے مل کر اس سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں جتنی خوشی کہ تم میں سے کسی کو غائب شخص سے مل کر ہوتی ہے جو اس کے پاس آجائے۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے اور فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ تو (ان میں سے کچھ لوگ) کہتے ہیں کہ انھیں چھوڑو کہ یہ دنیا کے رنج و غم میں گرفتار تھے (انھیں کچھ آرام کرنے دو) پھر جب کہتا ہے کہ فلاں شخص مر گیا، کیا تمھارے پاس نہیں آیا؟ وہ کہتے ہیں: اسے اس کے ٹھکانے ہادیہ (دوزخ) کی طرف لے گئے۔''

''اور جب کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو عذاب کے فرشتے ٹاٹ لیکر آتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ نکلو اس حال میں کہ تم اس سے (خدا سے) ناخوش اور وہ تم سے ناخوش ہے۔ خدا کے عذاب کی طرف تو وہ مردار کی نہایت سخت بدبو کی طرح نکلتی ہے یہاں تک کہ اسے زمین کے دروازے پر لاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیسی یہ (سڑی ہوئی) بدبو ہے یہاں تک کہ اسے کافروں کی روحوں میں داخل کر دیتے ہیں۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ برزخ ایک جداگانہ عالم ہے جس کے نظام اور قوانین کا اس زندگی میں صحیح طور پر اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ حدیثوں میں اس عالم کے بارے میں جو باتیں بتائی گئی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عالمِ برزخ ایک وسیع عالم ہے، وہاں پہنچنے والی روح کی ان ارواح سے ملاقات بھی ہوتی ہے جو اس سے پہلے وہاں پہنچی ہوتی ہیں۔ وہ دنیا کے

حالات بھی دریافت کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا سے ان کا ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے۔ اس روایت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ عالمِ برزخ میں نیک لوگوں کا مقام اور ٹھکانا برے لوگوں سے الگ ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کو مقام بلند عطا ہوتا ہے۔ بروں کو پستی میں ڈال دیا جاتا ہے۔

آثارِ قیامت

﴿۱﴾ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری بعثت اور وہ (قیامت کی) گھڑی ان دونوں (انگلیوں) کی طرح ہیں۔''

تشریح: حضور ﷺ نے اپنی دونوں انگلیاں اٹھا کر یہ بات فرمائی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہ دو انگلیاں قریب قریب ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی تیسری انگلی نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح، میرے بعد قیامت ہی آئے گی۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى اَحَدٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ ایسا وقت نہ آجائے کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: قیامت قائم نہیں ہوگی کسی ایسے شخص پر جو اللہ اللہ کہتا ہو۔''

تشریح: یعنی جب تک زمین میں اللہ کا نام لینے والے موجود ہوں گے یہ زمین وآسمان قائم رہیں گے، قیامت برپا نہیں ہوگی۔ لیکن جب زمین پر خدا کا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا تو پھر اس دنیا کو ختم کردیا جائے گا۔ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ دنیا میں بالعموم وہی لوگ ظلم وستم کا نشانہ بنائے جاتے ہیں جن کے اللہ کا نام لینے کی وجہ سے یہ زمین وآسمان قائم ہیں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔''

تشریح: یعنی جس وقت قیامت برپا ہوگی تو اس وقت زمین پر وہی لوگ ہوں گے جو بدکردار اور خدافراموش ہوں گے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَ يَكْثُرَ الْجَهْلُ وَ يَكْثُرَ الزِّنَا وَ يَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَ يُقِلَّ الرِّجَالُ وَ يَكْثُرَ النِّسَآءُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَاَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ۔

(بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، احمد)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''قیامت کی علامات یہ ہیں کہ علم اٹھالیا جائے گا۔ جہالت زیادہ ہوگی، زنا کی کثرت ہوگی، شراب بہت پی جانے لگے گی۔ مرد کم عورتیں زیادہ ہوجائیں گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری کرنے والا ایک (مرد) ہوگا۔''

تشریح: علم سے مراد دین کا علم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین کا علم رکھنے والے اشخاص نایاب ہوں گے۔ لوگ علمِ دین پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ خدا کے احکام کے بجائے لوگ خواہشاتِ نفس کے پیرو ہوجائیں گے۔ جہالت کا دور دورہ ہوگا۔ ایسا علم جسے حاصل کر کے آدمی خدا سے بیگانہ ہی رہے وہ علم نہیں جہل ہے۔ خواہ اس کا نفسیات، فلسفہ، اخلاقیات وغیرہ حسین سے حسین نام کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ ان علوم کی کثرت اس بات کی علامت ہرگز نہیں ہے کہ علم موجود ہے۔ علم وہی ہے جس سے خدا کی معرفت حاصل ہو، جس سے آدمی خدا کی مرضی و نامرضی جان سکے اور زندگی کے تمام معاملات میں خدا کی طاعت وفرماں برداری کر سکے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِیُّ ﷺ يُحَدِّثُ اِذْ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ: كَيْفَ اِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔ (بخاری)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باتیں کر رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس

نے کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب امانت ضائع ہوجائے تو قیامت کا انتظار کرو۔'' اس نے کہا: وہ کیسے ضائع ہوگی؟ فرمایا: ''جب معاملات نااہل کے ہاتھ میں دے دیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔''

تشریح: یعنی جب حکومت واقتدار اور معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں جو نااہل اور خدا فراموش ہوں تو سمجھ لو کہ قیامت دور نہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب جہالت کا غلبہ ہوگا۔ ہر طرح کے فتنے سر اٹھائیں گے۔ آدمی اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہوگا، چنانچہ ایک روایت کے الفاظ ہیں: يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَ يَنْقُصُ الْعَمَلُ وَ يُلْقَى الشُّحُّ وَ تَظْهَرُ الْفِتَنُ وَ يَكْثُرُ الْهَرَجُ۔ (بخاری، مسلم) ''وقت جلد جلد آئے گا۔ عمل کم ہوجائے گا بخل وحرص کا غلبہ ہوگا، فتنوں کو فروغ حاصل ہوگا، قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوگا۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی...... جب تک تم اپنے امام (خلیفہ یا سلطان) کو قتل نہ کرو گے اور باہم ایک دوسرے پر تلواریں نہ چلاؤ گے اور تمھاری دنیا کے وارث تمھارے شریر اور بدکردار لوگ نہ ہوجائیں گے'' ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتُلُوْا اِمَامَكُمْ وَ تَجْتَلِدُوْا بِاَسْيَافِكُمْ وَ يَرِثُ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ۔'' (ترمذی)

〈۶〉 وَ عَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ اَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعَ۔ (ترمذی، بیہقی: دلائل النبوت)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک سب سے بڑھ کر نصیبہ ور وہ شخص نہ بن جائے جو کمینہ واحمق ہو اور کمینہ واحمق کا بیٹا ہو۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کمینگی اور نااہلی میں جو آگے ہوں گے وہی دنیا میں جاہ وعظمت اور دولت کے مالک بن بیٹھیں گے۔

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْمَالُ وَ يُفِيْضَ حَتّٰى يُخْرِجَ الرَّجُلُ زَكٰوةَ مَالِهٖ فَلَا يَجِدُ اَحَدًا يَّقْبَلُهَا مِنْهُ وَ حَتّٰى تَعُوْدَ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَّ اَنْهَارًا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ مال و دولت کی ریل پیل نہ ہو جائے یہاں تک کہ آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا تو اسے کوئی ایسا شخص نہ ملے گا جو اس کو قبول کرلے۔ اور قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ عرب کی (بے آب و گیاہ) زمین لہلہاتے سبزہ زاروں اور نہروں میں نہ تبدیل ہو جائے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ قربِ قیامت میں دنیا، دین اور اخلاق سے خالی ہوگی لیکن دنیوی ترقی اپنے نقطۂ عروج پر نظر آئے گی۔ عرب میں پٹرول اور سونے وغیرہ معدنی ذخائر کی دریافت سے دولت کی جو فراوانی ہو رہی ہے اور وہاں کے ریگ زاروں کی تہ میں پانی کے جس عظیم ذخیرے کا پتہ چلا ہے اس کے پیش نظر یہ بات کچھ بھی بعید نہیں معلوم ہوتی کہ مستقبل قریب میں عرب کی سرزمین لہلہاتے سبزہ زاروں میں تبدیل ہو جائے اور وہاں نہریں رواں ہو جائیں۔ سائنٹیفک ذرائع و وسائل کو اختیار کر کے بنجر اور ریگستانی علاقہ کو قابل کاشت بنایا جا سکتا ہے۔ اور نہریں نکالی جا سکتی ہیں۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاَعْرَابِ جُفَاةً يَّأْتُوْنَ النَّبِىَّ ﷺ فَيَسْئَلُوْنَهٗ مَتَى السَّاعَةُ فَكَانَ يَنْظُرُ اِلٰى اَصْغَرِهِمْ فَيَقُوْلُ اِنْ يَّعِشْ هٰذَا لَا يُدْرِكُهُ الْهَرَمُ حَتّٰى تَقُوْمَ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عرب کے درشت خو بدوی نبی ﷺ کے پاس آتے اور آپؐ سے دریافت کرتے کہ قیامت کب آئے گی؟ آپؐ ان میں سب سے کم عمر والے شخص کی طرف دیکھتے اور فرماتے کہ اگر یہ زندہ رہا تو یہ بوڑھا نہ ہو پائے گا کہ تم پر تمھاری قیامت طاری ہو جائے گی۔''

تشریح: یعنی تمھاری موت آجائے گی جو قیامت سے کم نہیں۔ دنیا کا خاتمہ کب ہوگا؟ اس کے بارے میں سوچنے کے بجائے آدمی کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اسے کتنی مہلتِ عمر حاصل ہے جس میں وہ آخرت کی تیاری کر سکتا ہے۔ زندگی میں اصل اہمیت رکھنے والی چیز آدمی کا فکر و عمل ہے نہ کہ کوئی دوسری چیز۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دِوَلًا وَّ الْاَمَانَةُ

مغنمًا وَّالزَّکٰوۃُ مغرمًا وَّ تُعلَّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَ اَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَہٗ وَ عَقَّ اُمَّہٗ وَ اَدْنٰی صَدِیْقَہٗ وَاَقْصٰی اَبَاہُ وَ ظَھَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَ سَادَ الْقَبِیْلَۃَ فَاسِقُھُمْ کَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَھُمْ وَ اُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَۃَ شَرِّہٖ وَ ظَھَرَتِ الْقَیِّنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَ شُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَ لُعِنَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِکَ رِیْحًا حَمْرَآءَ وَ زَلْزَلَۃً وَّ خَسْفًا وَّ مَسْخًا وَّ قَذْفًا وَّ اٰیَاتٍ تَتَابَعُ کَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْکُہٗ فَتَتَابَعُ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب فَے (مالِ غنیم جو بغیر لڑے حاصل ہو) کو دولت قرار دے لیا جائے اور امانت کو غنیمت قرار دے لیا جائے اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے اور علم کو دین کے سوا دوسری چیز کے لیے حاصل کیا جائے اور مرد عورت کی اطاعت کرنے لگے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے اور اسے رنج دے اور اپنے دوست کو ہم نشین بنائے اور اپنے باپ کو دور کر دے اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں اور قبیلہ کی سرداری قبیلہ کا ایک فاسق شخص کرے اور قوم کا سربراہ قوم کا ارذل اور کمینہ شخص ہو اور آدمی کی تعظیم اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے اور گانے والی لونڈیاں اور باجے پھیل جائیں اور شرابیں پی جانے لگیں اور اس امت کے پچھلے لوگ اس کے اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں تو اس وقت انتظار کرو سرخ آندھی، زلزلہ، زمین کے دھنسنے، صورتوں کے مسخ ہونے، پتھروں کے برسنے کا اور ان پے در پے نشانیوں کا گویا وہ موتیوں کی ایک ٹوٹی ہوئی لڑی ہے جس سے موتی پے در پے گر رہے ہوں۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ بات بھی قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ ہر طرح کی برائیاں پھیل جائیں، لہو ولعب، بے حیائی، کمینگی عام ہو جائے، سکون و عافیت زمانے سے رخصت ہو جائے، آفات ارضی وسماوی سے مامون ومحفوظ رہنا دشوار ہو جائے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ قَرِیْبًا مِّنْ ثَلٰثِیْنَ کُلُّھُمْ یَزْعُمُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک تیس دجّال، کذّاب نہ پیدا ہولیں، ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ وہ خدا کا رسول ہے (حالانکہ وہ جھوٹا اور مکّار ہوگا)۔''

تشریح: نبوت کے جھوٹے دعویدار تو نہ معلوم کتنے ہوں گے، تیس کے قریب تو وہ ہوں گے جو بڑے فتنہ پرداز اور سرکش ہوں گے، دجل وفریب میں جن کی ٹکر کا ملنا مشکل ہوگا۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ يَقْسِمُ الْمَالَ وَلاَ يَعُدُّهٗ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ: يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ اُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا وَلاَ يَعُدُّهٗ عَدًّا۔ (مسلم)

ترجمہ: جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال کو تقسیم کرے گا اور جمع کر کے (اپنے پاس) نہ رکھے گا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو ہاتھوں میں بھر بھر کر مال لٹائے گا اور اسے شمار نہ کرے گا۔''

تشریح: یہ اشارہ غالباً اس خلیفہ کی طرف ہے جس کے لیے بعض روایتوں میں ''المھدی'' کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ مہدی کے معنی ہدایت یافتہ کے ہوتے ہیں۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا خلیفہ خلافت کو منہاجِ نبوت پر قائم رکھے گا جب کہ زمین ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی اور خلافت علی منہاج نبوت کا نظام درہم برہم ہو چکا ہوگا۔ اس کے زمانے میں زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی اور اللہ اپنی برکتیں نازل فرمائے گا۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَكُوْنُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَّ يُمْسِيْ كَافِرًا وَّ يُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَّ يُصْبِحُ كَافِرًا وَّ يَبِيْعُ اَقْوَامٌ دِيْنَهُمْ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے پہلے فتنے برپا ہوں گے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے۔ آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا۔ کتنے ہی لوگ اپنے دین کو سامانِ دنیا کے بدلے فروخت کریں گے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کا دور انتہائی فتنہ وفساد کا دَور ہوگا۔...دین وایمان کی سلامتی حد درجہ مشکل ہوگی۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَقَارَبَ

الزَّمَانُ فَتَكُوْنُ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَ تَكُوْنُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَ يَكُوْنُ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَ تَكُوْنُ السَّاعَةُ كَالضَّرْمَةِ بِالنَّارِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ زمانہ قریب نہ ہوجائے گا۔ سال مہینے کے مانند ہوجائے گا۔ مہینہ ہفتہ جیسا ہوگا۔ ہفتہ ایک دن کی طرح ہوجائے گا اور دن ایک گھڑی کی طرح ہوجائے گا ـــــ اور گھڑی آگ کا ایک شعلہ اٹھنے کی طرح ہوجائے گی۔''

تشریح: یعنی زمانہ تیزی سے گزرنے لگے گا۔ خواہ یہ کائنات میں یا انسانی دنیا میں کسی اہم انقلاب کے سبب ہو یا یہ اس کی طرف اشارہ ہو کہ فتنے اور مشکلات کی وجہ سے وقت اپنی برکات کھودے گا۔ جس طرح آگ بھڑکنے پر شعلہ اٹھے اور فوراً ہی بیٹھ جائے اسی طرح ساعتیں چشم زدن میں گزر جائیں گی۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَالرُّوْمُ اَكْثَرُ النَّاسِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت مستوردؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس حال میں برپا ہوگی کہ اہلِ روم (یعنی نصاریٰ) سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔''

حشر و نشر

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ ِ الْخُدْرِيِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ اَنْعَمُ وَ صَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهٗ وَ اَصْغٰى سَمْعَهٗ وَقَنٰى جَبْهَتَهٗ يَنْتَظِرُ مَتٰى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَاذَا تَامُرُنَا؟ قَالَ: قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں کیسے عیش و راحت (اور بے فکری کے ساتھ) رہ سکتا ہوں جب کہ صورت حال یہ ہے کہ صور والے (فرشتہ حضرت اسرافیلؑ) صور منھ میں لیے، اپنا کان لگائے اور اپنی پیشانی جھکائے منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر آپؐ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: کہتے رہو: ''اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صور پھونکنے والا فرشتہ صور پھونکنے کے لیے بالکل تیار ہے، صرف حکم پانے کی دیر ہے، حکم پاتے ہی وہ صور پھونک دے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور پھر دوبارہ صور پھونکنے پر نئے سرے سے عالم وجود میں آئے گا اور سارے لوگ زندہ ہو کر میدانِ حشر میں اکٹھا ہوں گے اور انھیں ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ جب صورتِ حال اتنی نازک ہو تو کوئی باخبر شخص آرام وچین اور بے فکری کے ساتھ زندگی کیسے گزار سکتا ہے۔ اسے تو ہر وقت آخرت کی فکر دامن گیر ہوگی۔ نبی ﷺ اس نازک صورتِ حال کے پیش نظر فرما رہے ہیں کہ تم اپنے معاملہ کو خدا کے حوالہ کر دو اور اسی کی کارسازی پر بھروسہ کرو اور اسی سے مدد و استعانت کی دعا کرتے رہو۔ کامیاب وہی ہوں گے جو اس کی سرپرستی اور اس کی اطاعت و فرماں برداری میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهٗ رَاْىُ عَيْنٍ فَلْيَقْرَءْ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ (احمد، ترمذی)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی شخص قیامت کے دن کو آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے تو اسے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھنی چاہیے۔“

تشریح: قرآن کی ان تینوں سورتوں میں ایسا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ قیامت کا منظر بالکل نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا قیامت اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ برپا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَخْبِرْنِىْ مَنْ يَّقْوٰى عَلَى الْقِيَامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِىْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ فَقَالَ يُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْهِ كَالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔ (بیہقی)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

عرض کیا: مجھے بتائیے کہ کون قیامت کے دن کھڑا رہ سکے گا جس (دن) کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ''جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''وہ مومن کے لیے ہلکا ہوگا یہاں تک کہ وہ اس کے لیے فرض نماز جیسا ہو جائے گا۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ وہ دن کافروں اور خدا کے نافرمان لوگوں کے لیے نہایت سخت ہوگا۔ ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ اسے فرض نماز کی طرح ہلکا کردیں گے۔ نماز اور خدا کے سامنے اس دن کی حاضری میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یُبْعَثُ کُلُّ عَبْدٍ عَلٰی مَا مَاتَ عَلَیْهِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت میں ہر بندہ اس حال میں اٹھایا جائے گا جس حال میں وہ مرا ہوگا۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ اصل اعتبار کی چیز آدمی کا انجام اور اس کا خاتمہ ہے۔ اگر کسی کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے تو قیامت کے دن وہ ایک مومن کی حیثیت سے اٹھے گا۔ اور اگر وہ کفر پر مرتا ہے تو وہ قیامت میں ایک کافر ہی کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ آدمی کا آخری انجام ہی اس کی زندگی کا ماحصل ہوتا ہے۔ انسان ایک اخلاقی وجود رکھتا ہے، اس کی ایک شخصیت ہوتی ہے شخصیت ہی کی تعمیر زندگی کی ساری تگ و دو کا حاصل ہوتا ہے۔ آدمی کیا ہے؟ اس کی پہچان اس سے نہیں ہوتی کہ وہ کتنی دولت کا مالک ہے بلکہ اس سے ہوتی ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ خدا کے یہاں اصل سوال اس بات کا ہوگا کہ بندے کے لیے اس کی اپنی شخصیت کی تعمیر کا جو موقع دنیا کی زندگی میں فراہم کیا گیا تھا اس سے اس نے کتنا فائدہ اٹھایا۔ وہ دنیا سے کیا بن کر واپس ہوا ہے۔ انسان کے بننے بگڑنے کے امکانات زندگی کے آخری لمحات تک باقی رہتے ہیں اس لیے اصل اعتبار خاتمہ کا ہے۔ اصل قابلِ قدر شے آدمی کا حسن خاتمہ ہے، اس کی ہمیں خاص طور سے خدا سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب اللہ کسی قوم پر عذاب اتارتا ہے تو اس عذاب کی لپیٹ میں ہر وہ شخص آجاتا ہے جو اس قوم میں ہوتا ہے پھر (آخرت میں) لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا (ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰی اَعْمَالِهِمْ) (بخاری و مسلم)

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثَلٰثَةَ اَصْنَافٍ صِنْفًا مُّشَاةً وَّ صِنْفًا رُکْبَانًا وَّ صِنْفًا عَلٰی وُجُوْهِهِمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! کَیْفَ یَمْشُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ؟ قَالَ اِنَّ الَّذِیْ اَمْشَاهُمْ عَلٰی اَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَهُمْ عَلٰی وَجُوْهِهِمْ اَمَا اِنَّهُمْ یَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ کُلَّ حَدْبٍ وَ شَوْکٍ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز سارے لوگ تین قسموں میں اٹھائے جائیں گے۔ ایک قسم پیدل چلنے والے، ایک قسم سوار اور ایک قسم منھ کے بل چلنے والے۔'' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ منھ کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا: ''جس (خدا) نے انھیں پاؤں پر چلایا ہے وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ انھیں ان کے منھ کے بل چلائے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ اپنے منھ کے ذریعہ سے ہی ہر ٹیلے اور کانٹے سے بچیں گے۔''

تشریح: جن تین گروہوں کا تذکرہ اس حدیث میں کیا گیا ہے ان میں پیدل چلنے والا گروہ تو عام اہلِ ایمان کا ہوگا۔ جو لوگ سواریوں پر ہوں گے وہ خدا کے خاص مقرب بندے ہوں گے اور سر کے بل اور منھ کے بل گھسٹنے والے وہ بدنصیب ہوں گے جنھوں نے اپنی دنیا کی زندگی میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق سیدھا چلنے کے بجائے مرتے دم تک اُلٹے ہی چلتے رہے۔ قیامت کے دن وہ اپنی الٹی روش کا انجام دیکھ لیں گے۔ وہاں انھیں منھ کے بل چلنا ہوگا۔ وہ وہاں بیحد ذلیل ورسوا ہوں گے، جن تکلیفوں اور مصیبتوں سے انھیں دو چار ہونا پڑے گا وہ الگ ہے۔

﴿۶﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اِنْ کَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ ازْدَادَ وَ اِنْ کَانَ مُسِیْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ نَزَعَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص بھی مرے گا اسے ضرور ندامت اور پشیمانی ہوگی۔'' لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اسے ندامت کیوں ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر وہ (مرنے والا) نیکو کار ہے تو اسے حسرت وندامت ہوگی کہ اس نے اور زیادہ (نیکی) کیوں نہ کی اور اگر بدکار ہے تو اسے ندامت ہوگی کہ وہ (برائی سے) باز کیوں نہ رہا؟''

تشریح: اس لیے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی دنیا میں زیادہ سے زیادہ اچھے کام کرلے اور جہاں تک ہوسکے برائیوں سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُكَلِّمُهٗ رَبُّهٗ لَیْسَ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَهٗ تَرْجُمَانٌ وَّلَا حِجَابٌ یَحْجُبُهٗ فَیَنْظُرُ اَیْمَنَ مِنْهُ فَلَا یَرٰی اِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهٖ وَ یَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا یَرٰی اِلَّا مَا قَدَّمَ وَ یَنْظُرُ بَیْنَ یَدَیْهِ فَلَا یَرٰی اِلَّا النَّارَ تِلْقَآءَ وَجْهِهٖ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص سے خدا اس طرح گفتگو فرمائے گا کہ درمیان میں کوئی ترجمان نہ ہوگا اور نہ کوئی پردہ ہوگا جو اسے چھپا سکے۔ یہ شخص اپنی داہنی طرف دیکھے گا تو سوائے اس عمل کے جو اس نے بھیجا تھا اسے کچھ نظر نہ آئے گا، پھر اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو سوائے اس کے جو اس نے بھیجا تھا اسے کچھ دکھائی نہ دے گا اور اپنے سامنے دیکھے گا تو سوائے (دوزخ کی) آگ کے اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ تو اس آگ سے بچو، کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ سے ہی سہی!''

تشریح: یعنی اس دن معاملہ آدمی کا براہ راست اپنے خدا سے ہوگا۔ ایمان، اسلام اور اچھے اعمال کے سوا اس دن کوئی چیز نہ ہوگی جو آدمی کو اس دوزخ سے نجات دلا سکے جس کے شعلے اس کی آنکھوں کے سامنے بھڑک رہے ہوں گے۔ آدمی کو دوزخ کی آگ سے بچنے کی ہر وہ کوشش کرنی چاہیے جو وہ کرسکتا ہو یہاں تک کہ اگر وہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرسکتا ہے تو اس سے باز نہ رہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً یُعْطٰی بِهَا فِی الدُّنْیَا وَ یُجْزٰی بِهَا فِی الْاٰخِرَةِ وَ اَمَّا الْكَافِرُ فَیُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا اَفْضٰی اِلَی الْاٰخِرَةِ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ حَسَنَةٌ یُّجْزٰی بِهَا۔

(مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کسی مومن پر اس کی نیکی کے سلسلہ میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے، رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اللہ کے لیے کی تھیں ان کا پورا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے، یہاں تک

کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی ایسی نیکی باقی نہیں رہتی جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔"

تشریح: مومن اور مسلم شخص پر دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کی نوازش ہوتی ہے۔ اسے اعمال نیک کا فائدہ دنیا میں بھی پہنچتا ہے اور آخرت میں تو وہ اپنے نیک اعمال اور خدا پرستی کے بدلہ میں جنت کا وارث قرار پائے گا۔ رہا کافر تو اس کے پاس نیکیاں ہی کہاں ہوتی ہیں۔ نیکیاں تو صحیح معنوں میں انھی کاموں کو کہا جائے گا جو خدا کے لیے کیے گئے ہوں۔ اگر کافر نے کوئی کام خدا کے لیے کیا بھی ہے تو وہ دنیا میں خدا کی بخشی ہوئی کتنی چیزوں سے فائدہ بھی اٹھا چکا ہے۔ آخرت میں اس کے لیے عذاب کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے۔ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ عطا کرتا ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ؟ قَالَ: اَنْ يُّنْظَرَ فِيْ كِتَابِهٖ فَيُتَجَاوَزُ عَنْهُ اِنَّهٗ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ۔ (احمد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی بعض نمازوں میں یہ دعا کرتے سنا: "اے اللہ! میرا حساب آسان فرما۔" میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "یہ کہ بندے کے اعمالنامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگزر کی جائے۔ بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس دن جرح کی گئی، اے عائشہ! (اس کی خیر نہیں) وہ ہلاک ہوا۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس نازک موقع پر وہی لوگ کامیاب ہوں گے جن سے کوئی جرح اور مناقشہ نہ ہو، محض ان کے اعمال خدا کے سامنے پیش کر دیے گئے۔ یہی "حساب یسیر" (آسان حساب) ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے (الانشقاق: ۷-۸) لیکن جس کسی سے حساب میں پوچھ گچھ ہوئی وہ خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ وَ يَسْتُرُهٗ فَيَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُوْلُ: نَعَمْ اَيْ رَبِّ! حَتّٰى قَرَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَ رَاٰى فِيْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ قَالَ: سَتَرْتُهَا

لَکَ فِی الدُّنیَا وَ اَنَا اَغفِرُھَا لَکَ الیَومَ فَیُعطیٰ کِتَابَ حَسَنَاتِہٖ وَ اَمَّا الکُفَّارُ وَالمُنَافِقُونَ فَیُنَادیٰ بِھِم عَلیٰ رُءُ وسِ الخَلَائِقِ ھٰؤُلَاءِ الَّذِینَ کَذَبُوا عَلیٰ رَبِّھِم اَلاَ لَعنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِینَ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(قیامت کے روز) اللہ مومن کو قریب کرے گا اور پھر اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا اور اسے چھپا لے گا، پھر فرمائے گا: کیا تم اس گناہ کو جانتے ہو؟ کیا تم اس گناہ کو جانتے ہو؟ وہ کہے گا: ہاں اے رب! یہاں تک کہ وہ اس سے اس کے گناہوں کا اعتراف کرالے گا اور وہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں ہلاک ہوا، خدا فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا اور آج میں انھیں معاف کر دیتا ہوں۔ پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمالنامہ دے دیا جائے گا ـــــ رہے کافر اور منافق لوگ تو انھیں برسرِ عام آواز دی جائے گی کہ یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے جھوٹ گھڑ کر اپنے رب کی طرف منسوب کیا تھا۔ خبردار! اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔''

تشریح: یعنی ایسا مومن جو اپنے مجموعی اعمال و کردار کے لحاظ سے خدا کی مغفرت کا مستحق ہوگا خدا اس دن اس کے گناہوں کو عام لوگوں کی نگاہوں سے چھپائے گا۔ خدا کی رحمت اور ستاری اسے رسوا ہونے سے بچالے گی جس طرح اس نے دنیا میں اسے رسوائی سے بچایا تھا۔ اسے نیکیوں کا اعمالنامہ عطا فرمائے گا جسے وہ دوسروں کو بے جھجک دکھا سکے لیکن کافروں اور منافقوں کے لیے تو وہ دن ذلت اور رسوائی لے کر آئے گا، وہ برسرِ عام رسوا ہوں گے اور خلقِ خدا ان پر لعنت بھیجے گی۔ ان کے عیوب اور ان کی سیہ کاریوں کا پردہ اس دن چاک کر دیا جائے گا۔

〈۱۱〉 وَ عَن عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا اَنَّھَا ذَکَرَتِ النَّارَ فَبَکَت فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا یُبکِیکِ؟ قَالَت: ذَکَرتُ النَّارَ فَبَکَیتُ فَھَل تَذکُرُونَ اَھلِیکُم یَومَ القِیَامَۃِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَمَّا فِی ثَلٰثَۃِ مَوَاطِنَ فَلاَ یَذکُرُ اَحَدٌ اَحَدًا عِندَ المِیزَانِ حَتّٰی یَعلَمَ اَیَخِفُّ مِیزَانُہٗ اَم یَثقُلُ؟ وَ عِندَ الکِتَابِ حِینَ یُقَالُ ھَاؤُمُ اقرَءُ وا کِتَابِیَہ حَتّٰی یَعلَمَ اَینَ یَقَعُ کِتَابُہٗ فِی یَمِینِہٖ اَم فِی شِمَالِہٖ مِن وَرَآءِ ظَھرِہٖ؟ وَ عِندَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَینَ ظَھرَی جَھَنَّمَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھیں ایک دفعہ دوزخ کی آگ کا خیال آیا اور وہ رو پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھیں کس چیز نے رُلایا؟ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: مجھے دوزخ کی یاد آئی اور اسی نے مجھے رلایا تو کیا آپ لوگ قیامت کے روز اپنے اہل وعیال کو یاد رکھ سکیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین مواقع ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ میزان پر جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کا پلّہ بھاری ہے یا ہلکا۔ اور اعمالنامہ ملنے کے وقت ـــــ جبکہ دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ پانے والا کہہ اٹھے گا کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو ـــــ جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کا اعمالنامہ اس کے دائیں ہاتھ میں پڑتا ہے یا اس کے بائیں ہاتھ میں آتا ہے جسے پسِ پشت ڈال رکھا تھا۔ اور صراط پر جب کہ وہ جہنم کے اوپر رکھا جائے گا (اور لوگوں کو اس پر سے گزرنے کا حکم دیا جائے گا)۔''

تشریح: یہ تین مواقع بے حد نازک ہوں گے۔ ہر شخص کو اپنی فکر لگی ہوگی۔ اس لیے ہر شخص کو اس دن کی فکر کرنی چاہیے۔ کسی پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھ رہنا چاہیے۔ میزان سے مراد میزانِ عمل ہے۔ اس دن کامیاب وہی شخص ہوگا جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری رہا۔ وہ شخص اس دن ہلاکت سے دوچار ہوگا جس کا پلّہ اس دن ہلکا ٹھہرا (الانبیاء: ۴۷) (الاعراف: ۸) لوگوں کے اعمالنامے جن میں ان کی زندگی کے بھلے برے اعمال درج ہوں گے اس دن تقسیم ہوں گے۔ جس کے دائیں ہاتھ میں اس کا اعمالنامہ دیا گیا تو یہ اس کی کامیابی کی علامت ہوگی۔ اس کے برخلاف جس کا اعمالنامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ ناکام ونامراد ہوگا۔ (الانشقاق: ۷-۱۲) صراط کی حقیقت کو پورے طور پر سمجھنا اس دنیا میں مشکل ہے۔ قیامت کے روز ہر ایک شخص کو اس ''صراط'' سے گزرنا ہوگا۔ خدا کے اطاعت گزار بندے بے کھٹکے اس پر سے گزر جائیں گے لیکن جو لوگ خدا کے نافرمان اور سرکش ہوں گے وہ اسے پار نہ کر سکیں گے، وہ جہنم کی آگ میں جا گریں گے۔ خدا کے دکھائے ہوئے سیدھے راستے پر چل کر جس شخص نے زندگی گزاری ہوگی وہ اس صراط سے بآسانی گزر جائے گا لیکن جو شخص اپنی زندگی میں اس صراط مستقیم سے منھ موڑتا رہا جس کی طرف اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے رہنمائی فرمائی تھی۔ وہ جہنم میں گرے گا۔ خدا کی دکھائی ہوئی راہ کے سوا جو کچھ ہے وہ ہلاکت ہے۔ راہ راست سے روگردانی اختیار کرنے کا انجام اس دن سامنے آجائے گا۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ِالْخُدْرِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ:

يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهٖ فَيَسْجُدُ لَهٗ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَّ مُؤْمِنَةٍ وَ يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَآءً وَّ سُمْعَةً فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُوْدُ ظَهْرُهٗ طَبَقًا وَّاحِدًا۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ (قیامت کے دن) ''ہمارا رب اپنی پنڈلی کھولے گا۔ اس وقت ہر مومن مرد و عورت اسے سجدہ کریں گے اور وہ شخص سجدہ نہ کرسکے گا جس نے دنیا میں محض دکھانے اور سنانے کے لیے سجدہ کیا ہوگا۔ وہ سجدہ کرنا چاہے گا لیکن اس کی پشت تختے کی طرح ہوجائے گی (اور وہ جھک نہ سکے گا)۔''

تشریح: ''ہمارا رب اپنی پنڈلی کھولے گا'' اس کا مفہوم کیا ہے، اس کے بارے میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ یہ سختی اور شدت کا اظہار ہے۔ یعنی یہ اس وقت کا ذکر ہے جب خدا کی طرف سے سخت گھڑی آجائے گی اور لوگوں میں ہل چل پڑ جائے گی۔

قیامت کے روز منافق اور مجرم لوگ سجدہ کرنے سے محروم رہیں گے۔ وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختے کی طرح سخت ہوجائیگی۔ وہ سجدہ کے لیے جھک نہیں سکیں گے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ ۝ (القلم: ۴۲-۴۳) ''جس دن پنڈلی کھولی جائے گی (یعنی جس دن ہل چل پڑے گی) اور یہ سجدہ کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کرسکیں گے۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ اور یہ اس وقت بھی سجدہ کرنے کے لیے بلائے جارہے ہیں جب کہ یہ بھلے چنگے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ سجدہ ہمارے لیے آرامِ جاں ہے۔ اس سے محرومی ایک بڑی نعمت سے محرومی ہے۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَرِدُ النَّاسُ النَّارَ ثُمَّ يَصْدُرُوْنَ مِنْهَا بِاَعْمَالِهِمْ فَاَوَّلُهُمْ كَلَمْحِ الْبَرْقِ ثُمَّ كَالرِّيْحِ ثُمَّ كَحُضْرِ الْفَرَسِ ثُمَّ كَالرَّاكِبِ ثُمَّ كَشَدِّ الرَّجُلِ ثُمَّ كَمَشْيِهٖ۔ (ترمذی، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ (دوزخ کی) آگ پر حاضر ہوں گے (صراط سے گزرتے ہوئے) پھر اپنے اعمال کے لحاظ سے اس سے نجات

پائیں گے۔ ان میں جو سب سے بہتر ہوں گے وہ بجلی چمکنے کے مانند اس سے گزر جائیں گے، پھر ہوا کے مانند، پھر گھوڑے کی طرح، پھر اونٹ کی طرح پھر دوڑتے ہوئے آدمی کی طرح، پھر پیدل کی معمولی رفتار سے چلنے والے کی طرح۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا جتنا زیادہ دین پر عمل ہوگا وہ اسی لحاظ سے تیزی سے گزر جائے گا اور آگ سے نجات پا لے گا۔ دنیا کی زندگی میں جس کی رفتار خدا کے راستے میں سست رہی ہوگی اس کی سست رفتاری اس دن عیاں ہو جائے گی۔ اس طرح لوگوں کی زندگیوں اور ان کے اعمال کی پوری تصویر سامنے آئے گی۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ وَ مَنْ شَرِبَ لَمْ یَظْمَاْ اَبَدًا سَیَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَ یَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: سہیل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں حوض پر تمھارا میر ساماں ہوں گا۔ جو شخص میرے پاس سے گزرے گا (اس سے) سیراب ہوگا۔ اور جو سیراب ہوگا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ میرے پاس بہت سے لوگ آئیں گے جنھیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا: یہ تو میرے ہیں تو کہا جائے گا: آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کیں۔ (یہ سن کر) میں کہوں گا: دور ہوں دور۔ جنھوں نے میرے بعد (دین میں) تبدیلی پیدا کی۔"

تشریح: حضور ﷺ کی حیثیت اس دن میر ساماں کی ہوگی جو قافلے سے پہلے پہنچ کر آنے والوں کے لیے آرام و سہولت کا نظم کرتا ہے۔ آپؐ حوض پر جس کا نام حوض کوثر ہوگا اپنے پیرووں کا انتظار کریں گے۔ آپؐ کے پیرو اور اس کوثر سے فیض یاب ہونے والے لوگ جو دنیا میں آپؐ کو عطا ہوا تھا، حوض سے سیراب ہوں گے۔ پھر انھیں پیاس نہ ستائے گی لیکن جس نے دنیا میں آپؐ کے چشمۂ ہدایت سے سیرابی حاصل نہ کی بلکہ اسے گندہ ہی کرنے کی کوشش کی اور آپؐ کے لائے ہوئے دین میں نئی باتیں داخل کر کے اس کی صورت کو مسخ کرنا چاہا وہ حوض کے پانی سے محروم رہے گا۔ اسے آپؐ اپنے پاس سے دور کر دیں گے۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَدْخُلُ اَحَدُ ٛالْجَنَّةَ اِلَّا اُرِیَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ لَوْ اَسَآءَ لِیَزْدَادَ شُکْرًا وَّلَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ اِلَّا اُرِیَ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اَحْسَنَ لِیَکُوْنَ عَلَیْهِ حَسْرَةً۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اسے وہ ٹھکانا نہ دکھا دیا جائے جو اس کے لیے دوزخ میں مقرر تھا اگر وہ برے کام کرتا تا کہ اس کا جذبۂ شکر بڑھ جائے اور (اسی طرح) کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اسے وہ ٹھکانا نہ دکھا دیا جائے جو اس کے لیے جنت میں مقرر تھا اگر وہ اچھے کام کرتا تا کہ اس کی حسرت بڑھ جائے۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کو محض جنت پانے کی خوشی نہ ہوگی بلکہ انھیں اس بات کی بھی خوشی ہوگی کہ اللہ نے انھیں جہنم کے عذاب سے بچا لیا۔ اس طرح اہل دوزخ کو محض دوزخ میں جلنے ہی کا عذاب نہ ہوگا بلکہ جنت سے محروم رہ جانے کی حسرت بھی ان کے حصہ میں آئے گی۔ ان کی ہر طرح کی جسمانی وروحانی اذیت کا سامان فراہم کیا جائے گا۔

﴿۱۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ بَرْدَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حَتّٰی یُسْاَلَ عَنْ اَرْبَعٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِیْمَا اَفْنَاهُ؟ وَ عَنْ عَمَلِهٖ مَا عَمِلَ بِهٖ؟ وَ عَنْ مَالِهٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَهٗ وَ فِیْمَا اَنْفَقَهٗ؟ وَ عَنْ جِسْمِهٖ فِیْمَا اَبْلَاهُ؟ (ترمذی)

ترجمہ: ابو بردہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’آدمی قیامت کے روز ہٹنے نہیں پائے گا جب تک کہ چار باتیں (اس سے) نہ پوچھ لی جائیں۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کس کام میں ختم کیا اور اس کے عمل کے بارے میں کہ اس نے کیا عمل کیے اور اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے اسے کمایا اور کہاں اسے صرف کیا اور اس کے جسم کے بارے میں کہ کس کام میں اسے گلایا۔‘‘

تشریح: یعنی جب تک آدمی یہ اور اس طرح کی اہم باتوں کا جواب نہ دے لے گا وہ ہٹنے نہیں پائے گا۔ جن باتوں کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا ان میں آدمی کی پوری زندگی کی سرگرمیاں آجاتی ہیں۔ جب تک آدمی اپنی پوری زندگی کے نقشے کو درست نہ کرے اور ہر معاملہ

میں اللہ کے سامنے اپنے کو جواب دہ سمجھ کر کام نہ کرے وہ آخرت کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

〈۱۷〉 وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ حَتّٰی یُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ؟ وَ عَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ؟ وَ عَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ وَ فِیْمَا اَنْفَقَہٗ؟ وَمَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ؟ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''ابن آدم کے قدم (قیامت کے روز اپنی جگہ سے) ہٹ نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے اس نے کن کاموں میں گزارا۔ اس کے شباب کے بارے میں کہ اسے اس نے کہاں صرف کیا اور اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم اسے حاصل تھا اس پر کہاں تک اس نے عمل کیا۔''

〈۱۸〉 وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِہٖ اَوْ نَفْسِہٖ۔ (بخاری)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میری شفاعت سے وہی شخص بہرہ مند ہوگا جس نے اپنے دل و جان کے پورے خلوص کے ساتھ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں) کہا ہو۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی شفاعت اس شخص کو حاصل ہو سکے گی اور اس کے لیے آپؐ اللہ سے سفارش کرسکیں گے جو کفر و شرک کی گندگی سے پاک ہوگا اور اپنے اخلاص کی بنا پر اس بات کا مستحق ہوگا کہ اس کی خطاؤں سے چشم پوشی کی جائے اور اس کی مغفرت کردی جائے۔

〈۱۹〉 وَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثَلٰثَۃٌ: اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّھَدَآءُ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عثمانؓ بن عفّان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز تین قسم کے لوگ (خاص طور سے) شفاعت کریں گے: انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شفاعت کرنے کا شرف نبیوں کے علاوہ دوسرے

ذی مرتبت لوگوں کو بھی حاصل ہوگا۔ علماء اور شہداء کے علاوہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صالحین کو بھی اللہ تعالیٰ اس شرف سے نوازے گا۔ چھوٹے اور معصوم بچے بھی اپنے والدین کے حق میں شفاعت کریں گے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ شفاعت اور سفارش مستقل بالذات کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص شفاعت نہیں کر سکے گا نہ خدا کے آگے زبان کھول سکے گا (البقرہ: ۲۵۵) پھر شفاعت کی اجازت انھی لوگوں کے حق میں مل سکے گی جو واقعی اس کے مستحق ہوں گے، جن کی اللہ مغفرت کرنی چاہے گا۔ شفاعت کا موقع دے کر درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی عزت اور ان کے مرتبہ کا اظہار فرمائے گا۔

﴿۲۰﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَ مِنْھُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْقَبِیْلَۃِ وَ مِنْھُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْعُصْبَۃِ وَ مِنْھُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰی یَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”میری امت میں بعض لوگ ہوں گے جو ایک جماعت کی سفارش کریں گے، بعض ایک قبیلہ کی سفارش کریں گے، بعض ایک صلبی خاندان کی سفارش کریں گے اور بعض صرف ایک آدمی کی یہاں تک کہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔“

تشریح: یعنی لوگوں کو ان کے اپنے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ کوئی اتنا بلند مرتبہ ہوگا کہ اسے ایک بڑی جماعت کی سفارش کا حق حاصل ہوگا، کوئی ایک قبیلہ کی سفارش کا حق رکھتا ہوگا اور کوئی ایک خاندان ہی کے حق میں سفارش کر سکے گا، بعض لوگ ایسے ہوں گے کہ وہ صرف ایک آدمی کی سفارش کر سکیں گے۔

جنت و دوزخ

﴿۱﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَالاَ عَیْنٌ رَأَتْ وَلاَ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ فَلاَ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں اس کا خیال گزرا۔ اگر تم چاہو (تو آیت) پڑھ لو: فَلاَ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ۔ (السجدہ:۱۷) ''پھر جو کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں اور راتوں میں اللہ کی عبادت کرنے والوں) کے لیے چھپا رکھا گیا ہے اس کی کسی شخص کو خبر نہیں۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جنت میں اپنے فرماں بردار اور نیکوکار بندوں کے لیے جو نعمتیں اور سامانِ راحت وسکون فراہم کر رکھا ہے ان کا دنیا کی زندگی میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے طلب کرنے کی چیز درحقیقت جنت ہی ہے نہ یہ کہ آدمی دنیا کے پیچھے اپنی دائمی قیام گاہ کو بھول جائے۔ جنت میں وہی لوگ داخل ہو سکیں گے جو خدا کی بندگی کرنے والے اور اس کے عبادت گزار ہوں گے۔ اس کی راہ میں جدوجہد کرنے والے اور اس کی عبادت کے ذوق آشنا ہوں گے۔ خدا کی اطاعت وبندگی جن کے لیے اس دنیا میں آنکھوں کی ٹھنڈک نہ بن سکی جو سرکشی اور نافرمانی ہی میں مبتلا رہے وہ آخرت میں اس ٹھنڈک اور راحت وآرام سے محروم رکھے جائیں گے جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہوگی۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَا رَأَیْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ ھَارِبُھَا، وَلاَ مِثْلَ الْجَنَّۃِ نَامَ طَالِبُھَا۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے دوزخ جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والا سوتا ہو اور نہ جنت جیسی کوئی چیز دیکھی جس کا طالب سوتا ہو۔''

تشریح: دوزخ کی آگ سے بڑھ کر خوفناک اور ہلاکت خیز چیز کیا ہو سکتی ہے جس سے آدمی بھاگے لیکن انسان کا عجب حال ہے وہ اس سے بالعموم غافل ہی رہتا ہے، اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتا۔ اسی طرح جنت سے زیادہ محبوب ومرغوب چیز دوسری نہیں ہے جس کی طلب میں آدمی اپنی تمام قوتیں صرف کر دے اور اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہو لیکن انسان اس سے غافل ہی رہتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالاَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: یُنَادِیْ مُنَادٍ

اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلاَ تَسْقُمُوْا اَبَدًا وَّ اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَحْیُوْا فَلاَ تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَ اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَشُبُّوْا فَلاَ تَھْرِمُوْا اَبَدًا وَ اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلاَ تَبْاَسُوْا اَبَدًا۔

(مسلم)

ترجمہ: ابوسعیدؓ اور ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک پکارنے والا (اہل جنت کو مخاطب کر کے) پکارے گا کہ (یہاں) تم صحت مند رہو گے، کبھی بیمار نہ ہو گے، زندہ رہو گے تمھیں کبھی موت نہ آئے گی۔ جوان رہو گے کبھی تم پر بڑھاپا طاری نہ ہوگا اور عیش و آرام میں رہو گے کبھی بھی سختی اور دکھ نہ دیکھو گے۔''

تشریح: یعنی اہل جنت کو کسی بھی طرح کا خوف اور اندیشہ نہ ہوگا، جنت میں نہ کبھی وہ بیمار ہوں گے، نہ وہاں انھیں موت آئے گی اور نہ ان کی توانائی اور جوانی کبھی ختم ہوگی، عیش و نشاط اور راحت و مسرت ہی ان کی زندگی ہوگی، کسی سختی اور تکلیف سے انھیں سابقہ پیش نہ آئے گا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَاَحَدُھُمْ اَھْدٰی بِمَنْزِلِہٖ فِی الْجَنَّۃِ مِنْہُ بِمَنْزِلِہٖ کَانَ لَہٗ فِی الدُّنْیَا۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ ان میں سے (جنھیں جنت میں جانے کی اجازت مل جائے گی) ہر ایک اپنے جنت کے مکان کو اپنے دنیا کے مکان سے زیادہ پہچانتا ہوگا۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا مکان اس کا حقیقی مستقر ہوگا۔ اس کی یہ قیام گاہ اس کے اپنے ذاتی احساسات و جذبات اور تمناؤں کے عین مطابق ہوگی جس کو اگرچہ اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا پھر بھی اس سے اس کی روح پوری طرح آشنا تھی۔ اس طرح جنت کی شکل میں اسے اپنا ماضی بھی مل جائے گا۔ اپنا ماضی ہر ایک کو سہانا معلوم ہوتا ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْجَنَّۃُ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِّنْ شِرَاکِ نَعْلِہٖ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِکَ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت تمھاری جوتی کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور اسی طرح دوزخ بھی۔''

تشریح: یعنی آدمی کی نہ تو جنت اس سے دور ہے اور نہ دوزخ دور ہے۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہیں تو گویا جنت اس کے قریب آ گئی ہے، اس کے اور جنت کے درمیان ایک ظاہری حجاب کے سوا اور کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس کا قیام جنت کی فضاؤں میں ہی ہوگا۔ اور اگر اس کے اعمال برے ہیں تو جنت کے بجائے دوزخ اس سے قریب ہے، اس کے اور دوزخ کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ اگر وہ سنبھلتا نہیں تو کوئی چیز اسے دوزخ میں گرنے سے بچا نہیں سکتی بلکہ جنت اور دوزخ کی اصلیت تو ہمارے اچھے یا برے اعمال ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اعمال اور ان کی جزا وسزا میں گہری مناسبت ومماثلت پائی جاتی ہے۔ خود نبی ﷺ کا بھی ارشاد ہے:

اَلاَ وَ اِنَّ الْخیرَ کُلَّهٗ بِحذَافِیْرِهٖ فِی الْجَنَّةِ اَلاَ وَ اِنَّ الشَّرَّ کُلَّهٗ بِحذَافِیْرِهٖ فِی النَّارِ اَلاَ فَاعْمَلُوْا وَ اَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ عَلٰی حَذَرٍ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مَعْرُوْضُوْنَ عَلٰی اَعْمَالِکُمْ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ۔
(الشافعی)

”خبردار! تمام نیکیاں اور بھلائیاں اپنے اطراف وجوانب کے ساتھ جنت میں ہیں خبردار! تمام برائیاں اپنے اطراف وجوانب کے ساتھ دوزخ میں ہیں۔ پس تم عمل کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تمھیں اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہونا ہے۔ تو جو ذرّہ بھر بھی کوئی بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر بھی کوئی برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔“

یہ فقرہ ”جو ذرہ بھر بھی کوئی بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرّہ بھر بھی کوئی برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا، قرآن کی سورۃ الزلزال سے ماخوذ ہے۔ یہی بات قرآن میں ایک دوسرے مقام پر ہے ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لاَ تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَةٌ۔ ”اس دن تم لوگ پیش کیے جاؤ گے، تمھاری کوئی چیز چھپی نہ رہے گی۔“ (الحاقہ:۱۸)

﴿۲﴾ وَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فِی الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَةٍ وَّ دَرَجَةٍ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَاهَا دَرَجَةً وَ مِنْهَا تُفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْاَرْبَعَةُ وَ مِنْ فَوْقِهَا عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ۔
(ترمذی)

ترجمہ: عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے بیچ اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان اور زمین کے بیچ ہے۔ فردوس ان میں درجے کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ و برتر ہے اور اس سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے تو جب تم خدا سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو۔“

تشریح: اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مومن کو اعلیٰ درجہ کی جنت کا طالب ہونا چاہیے۔ اعلیٰ درجہ کی جنت کے مستحق وہی لوگ ٹھہریں گے جو ایمان و یقین اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے سب سے اونچے ہوں گے اس لیے فردوس کے طالب کو ایمان و اخلاق اور کردار و اعمال، ہر لحاظ سے اپنے کو اونچا اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص محض دعا پر اکتفا کرتا ہے اور اس سلسلہ کی دوسری ذمہ داریوں سے غافل ہے تو درحقیقت وہ جنت کا سچا طلب گار نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اہلِ جنت اپنے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم اس روشن ستارے کو دیکھتے ہو جو طلوع و غروب کے وقت افق میں ہوتا ہے۔ یہ اس فرق مراتب کے سبب ہوگا جو ان کے درمیان پایا جائے گا۔ (بخاری، مسلم)

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا مَّا فِيْهَا شِرَآءٌ وَلَا بَيْعٌ اِلَّا الصُّوَرُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ فَاِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُوْرَةً دَخَلَ فِيْهَا۔
(ترمذی)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں بازار ہے۔ اس میں خرید و فروخت نہ ہوگی بلکہ اس میں مردوں اور عورتوں کی صورتیں ہوں گی۔ جب کوئی شخص کسی صورت کی خواہش کرے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا۔ (تو اس کی وہی صورت ہو جائے گی)۔“

تشریح: اس طرح کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں آدمی کی ہر خواہش اور آرزو پوری ہوگی۔ ظاہری و باطنی ہر طرح کی نعمت ہائے فراواں سے وہاں اسے نوازا جائے گا۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: غَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَوْ اَنَّ اِمْرَأَةً مِنْ نِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى

الْاَرْضِ لَاَضَآءَ تْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَ لَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں صبح یا شام نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور اگر اہل جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے بیچ جو کچھ ہے اسے روشن کر دے اور اسے خوشبو سے بھر دے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔''

تشریح: سفر کے لیے بالعموم صبح یا شام کے وقت نکلتے تھے اس لیے آپؐ نے صبح و شام کا ذکر فرمایا۔

جنت کیا ہے؟ جنت کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جنت کی کوئی عورت اگر زمین کی طرف جھانک دے تو ساری فضا اس کے حسن سے چمک اٹھے گی اور اس کی خوشبو سے معطر ہو جائے گی۔ صرف اس کے سر کی اوڑھنی اتنی بیش قیمت ہوگی کہ ساری دنیا اس کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اس حدیث کے ابتدائی حصہ میں خدا کی راہ میں نکلنے اور اس کے دین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے اور آخر میں جنت کی حوروں کے حسن و جمال اور ان کے لباس کی قدر و قیمت کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ اس میں درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں نکلتے ہیں اور اپنے گھر والوں کی جدائی اختیار کرتے ہیں انھیں جنت میں ایسی بیویوں کی رفاقت حاصل ہوگی جن کا حسن و جمال سارے عالم کو حسن و نور بخش سکتا ہے اور جن کی زلفوں کی خوشبو سے ساری فضا معطر ہو جائے اور جن کے لباس، دنیا کی ساری چیزوں سے بہتر اور بیش قیمت ہوں گے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ يَنْعَمُ وَلَا يَبْأَسُ وَلَا يَبْلٰى ثِيَابُهٗ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ خوش اور چین و راحت سے رہے گا۔ نہ تو رنج و تکلیف سے دو چار ہوگا اور نہ اس کے کپڑے بوسیدہ اور پرانے ہوں گے اور نہ اس کا شباب ختم ہوگا۔''

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَسُوْقًا يَّاْتُوْنَهَا كُلَّ

جُمُعَةٍ فَتَهُبُّ رِيحُ الشِّمَالِ فَتَحْثُوا فِي وُجُوهِهِمْ وَ ثِيَابِهِمْ فَيَزْدَادُونَ حُسْنًا وَّ جَمَالاً فَيَرْجِعُونَ اِلٰى اَهْلِهِمْ وَ قَدِ ازْدَادُوا حُسْنًا وَّ جَمَالاً فَيَقُولُ لَهُمْ اَهْلُوهُمْ وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُّمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَّ جَمَالاً فَيَقُولُونَ وَ اَنْتُمْ وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُّمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَّ جَمَالاً۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں ایک بازار ہے جس میں ہر جمعہ کو اہل جنت جمع ہوں گے اور وہاں شمالی ہوا چلے گی جو ان کے منہ اور کپڑوں پر خوشبو بکھیر دے گی اور ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہو جائے گا۔ جب وہ اہل خانہ کے پاس لوٹ کر اس حال میں جائیں گے کہ ان کا حسن و جمال بڑھا ہوا ہوگا تو ان کے گھر والے ان سے کہیں گے: بخدا! ہم سے جدا ہو کر تو تم نے اپنے حسن و جمال کو بڑھا لیا۔ اس پر وہ کہیں گے: اور تم بھی خدا کی قسم ہمارے بعد حسن و جمال میں بڑھ گئے۔''

تشریح: یعنی ان کے اہل و عیال اور ان کی بیویوں کا حسن و جمال بھی پہلے کے مقابلے میں بڑھا ہوا ہوگا۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم: قَالَ يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِينَ اَبْنَاءَ ثَلٰثِيْنَ اَوْ ثَلٰثٍ وَ ثَلٰثِيْنَ سَنَةً۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل جنت جنت میں اس طرح داخل ہوں گے کہ ان کے جسم بالوں سے صاف ہوں گے وہ امرد ہوں گے آنکھیں سرمگیں ہوں گی اور تیس تینتیس سال کی عمر ہوگی۔''

تشریح: وہ ہمیشہ نوجوان اور خوبصورت ہی رہیں گے۔ جسم بالوں سے صاف ہوں گے، مسیں بھیگ رہی ہوں گی مگر ڈاڑھی نہ نکلی ہوگی، وہ گورے چٹے ہوں گے، جسم گٹھے ہوئے ہوں گے، آنکھیں حسین سرمگیں ہوں گی، ان کا حسن و شباب کبھی ختم نہ ہوگا۔ ترمذی میں یہ روایت حضرت ابوسعیدؓ سے بھی مروی ہے اور مسند احمد میں ابو ہریرہؓ کی مرویات میں بھی یہ حدیث ملتی ہے۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَيَنَامُ اَهْلُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ النَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ وَلاَ يَمُوْتُ اَهْلُ الْجَنَّةِ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ فرمایا: ’’نیند موت کی بہن ہے۔ اہل جنت مریں گے نہیں۔‘‘

تشریح: یعنی وہ ہمیشہ بیدار رہیں گے۔ یہ بیداری ان کے لیے موجب راحت ہوگی۔ وہ ہمیشہ تازہ دم رہیں گے نہ انھیں کسی قسم کی تکان آئے گی اور نہ ان پر غنودگی طاری ہوگی۔ دنیا میں بھی شہد کی مکھیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ زندگی بھر بیدار رہتی ہیں۔ کبھی سوتی نہیں۔ البتہ وہ آرام ضرور کرتی ہیں۔ سونے کی ضرورت انھیں پیش نہیں آتی۔

〈۱۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ: یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُوْنَ: لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَ سَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ، فَیَقُوْلُ: ھَلْ رَضِیْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: وَمَالَنَا لاَ نَرْضٰی یَا رَبِّ وَ قَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ، فَیَقُوْلُ: اَلاَ اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذَالِکَ فَیَقُوْلُوْنَ: یَا رَبِّ وَ اَیُّ شَیْئٍ اَفْضَلُ مِنْ ذَالِکَ؟ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلاَ اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے جنت والو! وہ عرض کریں گے۔ حاضر ہیں ہم اے ہمارے رب! تیری خدمت میں حاضر ہیں اور ساری نعمتیں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ پھر وہ فرمائے گا: کیا تم راضی اور خوش ہو؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں نہ راضی ہوں گے جب کہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں بخشا تھا۔ وہ فرمائے گا: کیا میں تمھیں اس سے بھی بہتر ایک چیز نہ دوں؟ وہ عرض کریں گے: اے رب! وہ کیا شے ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں تمھیں اپنی خوشنودی اور رضامندی عطا کرتا ہوں، اس کے بعد اب کبھی بھی میں تم سے ناراض نہ ہوں گا۔‘‘

تشریح: خدا کی دائمی رضا اور اس کی خوشنودی سب سے بڑی دولت ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگی۔ قرآن مجید میں بھی اس نعمت کا تذکرہ دیگر نعمتوں کے ساتھ ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:
وَعَدَ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا وَ مَسَاکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط (التوبہ: ۷۲) ’’ایمان والے

مردوں اور ایمان والی عورتوں سے اللہ نے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ سدا بہار باغوں میں (ان کے لیے) رہنے کے گھر پاکیزہ ہوں گے۔ اور اللہ کی خوشی اور رضامندی تو سب سے بڑی چیز ہے۔''

﴿۱۴﴾ وَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهٗ نَعْلَانِ وَ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَ اِنَّهٗ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہلِ دوزخ میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے جن سے ان کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح دیگچی (چولھے پر) کھولتی ہے اور وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ کوئی اس سے بڑھ کر عذاب میں ہے حالانکہ وہ تمام اہلِ دوزخ سے ہلکے عذاب میں ہوگا۔''

تشریح: جب ہلکے عذاب کی شدت اور تکلیف کا یہ حال ہے تو سخت عذاب کی کیا کیفیت ہوگی۔ خدا ہم سب کو دوزخ کے عذاب سے مامون و محفوظ رکھے۔ آمین!

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يُؤْتٰى بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صِبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ: يَا ابْنَ اٰدَمَ! هَلْ رَاَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ! وَ يُؤْتٰى بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صِبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ يَا ابْنَ اٰدَمَ! هَلْ رَاَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ وَ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ! مَا مَرَّ بِيْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَاَيْتُ شِدَّةً قَطُّ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن اہلِ دوزخ میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا کا بڑا ہی خوش عیش اور آسودہ حال تھا اور پھر اسے (دوزخ کی) آگ میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تم نے کبھی کوئی اچھی حالت بھی دیکھی ہے؟ کیا کبھی تم پر عیش و راحت کا وقت بھی گزرا ہے؟ وہ کہے گا: کبھی نہیں۔ خدا کی قسم اے رب!''

”اور اہل جنت میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ سختی اور دکھ اٹھانے والا ہوگا اور اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا: کیا تم نے کبھی کوئی دکھ دیکھا ہے؟ کیا کبھی تم پر کوئی سخت وقت گزرا ہے؟ وہ کہے گا: خدا کی قسم اے رب! نہ تو مجھ پر کبھی کوئی تکلیف کا دور گزرا ہے اور نہ مجھے کبھی کسی سختی سے سابقہ پیش آیا ہے۔“

تشریح: ”آگ میں ایک غوطہ دیا جائے گا“ یعنی جہنم میں ڈال کر اسے فوراً نکال لیں گے۔ وہ سارے عیش و آرام کو بھول جائے گا جو دنیا میں اُسے حاصل تھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جہنم کا عذاب کتنا سخت ہوگا۔ جہنم کا ایک لمحہ بھی آدمی کے سارے عیش و آرام کو بھلا دے گا، اسے یاد بھی نہیں رہے گا کہ کبھی اس کے عیش و راحت کے دن بھی رہے ہیں۔

ایک شخص کو جس نے دنیا میں بڑی تکلیفیں جھیلی ہوں گی اسے جنت کی فضاؤں میں پہنچا کر فوراً اسے واپس لائیں گے، جنت میں ایک لمحہ گزارنے کی یہ کیفیت ہے کہ آدمی زندگی بھر کے شدائد و آلام کو بھول جائے گا۔ جو ہمیشہ کے لیے جنت کے وارث قرار پائیں گے ان کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔

﴿۱۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبٍ وَ هُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِیْ مِنْهَا دِمَاغُهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اہل دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ وہ آگ کے جوتے پہنے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔“

تشریح: ابو طالب حضور ﷺ کے چچا تھے۔ جب تک وہ زندہ تھے آپ کے ساتھ رہے لیکن چونکہ وہ ایمان نہیں لائے تھے اس لیے عذابِ جہنم سے انھیں کبھی نجات نہیں مل سکے گی۔ اگر آدمی کے پاس ایمان نہیں ہے تو خواہ خاندان کے لحاظ سے کتنا ہی مرتبہ والا کیوں نہ ہو خدا کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

خدا کا دیدار

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَ جَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَ بَيْنَ اَنْ يَّنْظُرُوْا

اِلٰی رَبِّهِمْ اِلَّا رِدَآءُ الْکِبْرِیَآءِ عَلٰی وَجْهِهٖ فِیْ جَنَّةِ عَدْنٍ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ ظروف اور جو چیزیں ان میں ہیں سب چاندی کی ہیں۔ اور دو جنتیں سونے کی ہیں، ان کے برتن اور جو چیزیں ان میں ہیں سب سونے کی ہیں۔ (جنت کے) لوگوں اور ان کے اپنے رب کی طرف دیکھنے میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے کبریائی کی چادر کے جو اس کے رُخ پر ہوگی جنتِ عدن میں۔“

تشریح: یعنی اہل جنت اور ان کے رب کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا۔ اگر کوئی پردہ ہوگا تو وہ صرف خدا کی عظمت اور اس کے جلال کا پردہ ہوگا۔ اس کی عظمت اور اس کے جلال کے سبب سے اس کی طرف دیکھنا معمولی بات نہ ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اہل جنت کو اپنے دیدار سے محروم نہ رکھے گا۔ انھیں ایسی بینائی عطا فرمائے گا کہ وہ اپنے معبود کے دیدار کی تاب لا سکیں۔

نبی ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک دعا میں یہ الفاظ آئے ہیں: وَ اَسْئَالُکَ قُرَّةَ عَیْنٍ لاَ تَنْقَطِعُ، وَ اَسْئَالُکَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَ اَسْئَالُکَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ اَسْئَالُکَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِکَ الْکَرِیْمِ الشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلاَ فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ۔ ”اے اللہ! تجھ سے آنکھ کی ایسی ٹھنڈک کا طالب ہوں جسے کبھی زوال نہ ہو، تجھ سے تیرے فیصلوں پر تسلیم و رضا کی توفیق مانگتا ہوں۔ تجھ سے موت کے بعد پُر آسائش زندگی کا سوال ہے۔ تجھ سے تیرے رخِ زیبا کی لذتِ دیدار چاہتا ہوں۔ تیری ملاقات کے اشتیاق کا طالب ہوں جو کسی پریشان کن سختی اور گمراہ کن فتنہ کے بغیر حاصل ہو جائے۔“ دعا کے ان کلمات سے ظاہر ہے کہ لقائے الٰہی اور دیدار جلوۂ ربانی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کے حاصل ہونے کا اشتیاق بجائے خود ایک بڑی نعمت اور جانِ حیات ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لاَ تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَاَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: جریر بن عبداللہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے چاند کی طرف دیکھا، چودھویں رات تھی۔ پھر فرمایا: ''یقیناً تم اپنے رب کو صاف طور سے دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تمھیں کوئی زحمت نہ ہوگی۔ تو اگر تم سے ہو سکے تو سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے کی نماز کے مقابلہ میں کوئی چیز تمھیں مغلوب نہ کرے تو ضرور ایسا کرو۔ پھر آپؐ نے پڑھا: وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِھَا۔'' اور تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کی سورج نکلنے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔''

تشریح: یعنی جس طرح چاند کے دیکھنے میں تمھیں کوئی دقت اور زحمت پیش نہیں آتی، تم سب اس کو ایک ساتھ بغیر کسی کشمکش اور مزاحمت کے پورے سکون واطمینان سے دیکھتے ہو اسی طرح بغیر کسی پریشانی اور زحمت کے قیامت کے روز تم جمالِ حق کے نظارہ سے شادکام ہوگے۔ دنیا کی زندگی میں تو خدا کا دیدار ممکن نہیں ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو جہاں اور بہت سی خصوصیات بخشے گا وہیں وہ انھیں اس کی قوت اور برداشت بھی عطا کرے گا کہ وہ اپنے رب کے دیدار سے شادکام ہوسکیں۔

ایک روایت میں ہے: اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ عِیَانًا۔ ''تم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔''

اس حدیث میں یہ اشارہ فرمایا گیا کہ اگر تم دیدارِ حق کے مستحق بننا چاہتے ہو تو صبح و شام کی نماز کا خاص طور سے اہتمام کرو اور اس کی قدر پہچانو۔ یہ نماز درحقیقت خدا کی تسبیح وتحمید ہے۔ تمھیں اس سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ دیدارِ حق کے مستحق وہی لوگ ٹھہریں گے جو صبح و شام اپنے رب کے حضور کھڑے ہوتے اور اس کی حمد وستائش کرتے ہیں۔ جو آج اس کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے وہ کل بھی اس کے قرب اور دیدار سے محروم ہوں گے۔ آخرت ہماری دنیوی زندگی کا فطری نتیجہ ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ صُھَیْبٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی: تُرِیْدُوْنَ شَیْئًا اَزِیْدُکُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: اَلَمْ تُبَیِّضْ وُجُوْھَنَا؟ اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ وَ تُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ: فَیُرْفَعُ الْحِجَابُ فَیَنْظُرُوْنَ اِلٰی وَجْہِ اللّٰہِ

فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِّنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ، ثُمَّ تَلاَ: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت صہیب رومیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ ”جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم چاہتے ہو کہ تمھیں مزید ایک چیز عطا کروں؟ وہ (اہل جنت) عرض کریں گے: کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے؟ کیا آپ نے ہمیں دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل نہیں فرمایا؟ (اب کیا چیز باقی ہے جس کی ہمیں خواہش ہو) آپؐ فرماتے ہیں کہ پھر حجاب اٹھ جائے گا اور وہ روئے خداوندی کو (بے پردہ) دیکھ رہے ہوں گے۔ تو کوئی بھی چیز اپنے رب کو دیکھنے سے زیادہ محبوب انھیں نہ ملی ہوگی۔“ پھر آپؐ نے (اس آیت کی) تلاوت فرمائی: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ۔ ”جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے اچھا انجام ہے اور اس کے سوا اور بھی۔“

تشریح: روئے حق اور جمالِ الٰہی کے دیدار کی لذت جنت کی ساری ہی لذتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت اور جمالِ الٰہی کا مشاہدہ ممکن نہیں۔ یہاں چند خاص قوانین ہیں جن کے تحت انسان کے حواس کام کرتے ہیں۔ جو چیزیں ان قوانین کے دائرہ سے باہر ہوتی ہیں۔ انسان کو ان کا ادراک نہیں ہو پاتا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ نے جب دیدار کی خواہش ظاہر کی تو اللہ نے فرمایا: تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن آخرت میں کارفرما قوانین دنیا کے قوانین سے مختلف ہوں گے، وہاں انسان کے حواس کا پیمانہ بھی اس سے مختلف ہوگا۔

آپؐ نے جس آیت کی تلاوت فرمائی اس آیت میں اللہ کے ایسے ہی فضل و کرم کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اہل جنت میں خدا کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہوگا جسے صبح و شام دیدار الٰہی کا شرف حاصل ہوگا (اَكْرَمُهُمْ عَلَى اللّٰهِ مَنْ يَّنْظُرُ اِلٰى وَجْهِهٖ غَدْوَةً وَّ عَشِيَّةً)۔ اس کے بعد آپ نے تلاوت فرمایا: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ ”کتنے چہرے اس دن کھلے ہوئے ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“

(احمد، ترمذی، عن ابن عمرؓ)

﴿۴﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمِهِمْ اِذَا سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ اَلسَّلَامُ

عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ، قَالَ وَ ذَالِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی: سَلَامٌ قَوْلاً مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍo قَالَ فَنظَرَ اِلَیْھِمْ وَ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ فَلاَ یَلْتَفِتُوْنَ اِلٰی شَیْئٍ مِّنَ النَّعِیْمِ مَا دَامُوْا یَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ حَتّٰی یَحْتَجِبَ عَنْھُمْ وَ یَبْقٰی نُوْرُہٗ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جب اہلِ جنت اپنی خوشیوں اور راحتوں میں ہوں گے اچانک انھیں ایک روشنی نظر آئیگی۔ وہ اپنے سر کو اٹھائیں گے تو کیا دیکھیں گے کہ ان کا رب ان کے اوپر جلوہ گر ہے۔ خدا فرمائے گا: تم پر سلام ہو اے اہلِ جنت! حضورؐ نے فرمایا: کہ یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب ہوتا ہے۔ سَلَامٌ قَوْلاً مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ (ربِّ رحیم کی طرف سے سلام فرمایا گیا ہے، سورہ یٰس: ۵۸) آپؐ نے فرمایا کہ پھر اللہ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ (اہل جنت) خدا کی طرف دیکھیں گے اور وہ جنت کی نعمتوں میں سے کسی شے کی طرف بھی متوجہ نہ ہوں گے (یعنی وہ دیدار الٰہی میں محو ہو کر رہ جائیں گے)۔ وہ خدا کی طرف دیکھ رہے ہوں گے یہاں تک کہ وہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو جائے گا اور اس کا نور باقی رہ جائے گا۔‘‘

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ دیدارِ حق کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز قابلِ التفات نہ ہوگی۔ دیدارِ حق کے اثرات ظاہر و باطن پر باقی رہیں گے۔

انسان کے افکار و اعمال پر عقیدۂ آخرت کا اثر

⟨۱⟩ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ: اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: بِمَنْکِبَیَّ فَقَالَ: کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ۔ (بخاری)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: ’’تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم پردیسی ہو یا راہ چلتے مسافر۔‘‘

تشریح: دنیا میں انسان کی اصل حیثیت مسافر کی ہے۔ اسے یہاں اس طرح زندگی نہیں گزارنی چاہیے جیسے اسے یہاں ہمیشہ رہنا ہے بلکہ اسے دنیا میں ایک مسافر ہی کی طرح رہنا چاہیے۔ مسافر پردیس میں دل نہیں لگاتا۔ اس کا دل اپنے وطن میں لگا رہتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح آدمی کو دار آخرت کی طرف دل لگانا چاہیے جو اس کا حقیقی وطن اور ٹھکانا ہے۔ دنیا کو بالکل پردیس

سمجھنا چاہیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر ہوسکے تو وہ اس راہ رو کی طرح زندگی بسر کرے جو راستہ چل رہا ہوتا ہے، کہیں ٹھہرا ہوا نہیں ہوتا بلکہ ہر لحہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اگر آدمی اس کیفیت کے ساتھ دنیا میں اپنی زندگی گزارے تو پھر دنیا اسے اس کے اصل مقصد سے کبھی غافل نہیں کرسکتی اور نہ کوئی طمع اور حرص اسے راہ راست سے ہٹا سکتی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّؓ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: عِظْنِیْ وَ اَوْجِزْ فَقَالَ: اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُکَلِّمْ بِکَلَامٍ تَعْذَرُ مِنْهُ غَدًا وَاجْمَعِ الْاِیَاسَ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ۔ (احمد)

ترجمہ: ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا مجھے مختصر انداز میں نصیحت فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم نماز میں کھڑے ہو تو اس شخص کی سی نماز ادا کرو جو رخصت کیا جارہا ہو اور کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالو جس کے بارے میں کل تمھیں عذرخواہی کرنی پڑے اور جو کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے بالکل مایوس ہوجاؤ۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم اپنے کو ہر وقت سفرِ آخرت کے لیے تیار رکھو، کسی وقت بھی غفلت نہ ہونے پائے، نماز ادا کرو تو اس طرح گویا یہ آخری نماز ہے، اس کے بعد پھر نماز پڑھنے کا موقع میسر نہ آسکے گا۔ اور کوئی بات کہو تو پوری ذمہ داری کے ساتھ کہو۔ یہ احساس ہمیشہ زندہ رہنا چاہیے کہ تمھیں اپنی ہر بات کا خدا کے یہاں حساب دینا ہے۔ دنیا میں لوگوں کو جو کچھ مال و دولت کی فراوانی اور عیش و راحت حاصل ہے اس سے اپنے کو بے نیاز کرلو۔ اس کے لیے دل میں کسی طرح کی طمع اور حرص نہ ہونی چاہیے۔ تمھیں امید صرف ایک خدا کی ذات سے رکھنی چاہیے۔ یہی توحید کا تقاضا ہے اور یہی آخرت پر ایمان لانے کا منشا بھی ہے، اس کے بغیر سکون و اطمینان کی وہ زندگی بھی نہیں حاصل ہوسکتی جس کی ہر ایک کو ضرورت ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِذَا رَاَیْتَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یُعْطِی الْعَبْدَ عَلٰی مَعَاصِیْهِ مَا یُحِبُّ فَاِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ (احمد)

ترجمہ: عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ عزوجل بندے کی نافرمانی کے باوجود اس کی پسند اور خواہش کے مطابق دنیا کی چیزیں دے رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ (خدا کی طرف سے) ڈھیل ہے۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ o (الانعام: ۴۴) ''پھر جب ایسا ہوا کہ جس سے انھیں یاددہانی کرائی گئی تھی انھوں نے اسے بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اس پر اترانے لگے جو کچھ انھیں ملا تھا تو اچانک ہم نے انھیں پکڑلیا۔ اب تو وہ بالکل مایوس تھے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ کسی شخص یا قوم کی مادی اعتبار سے خوشحالی اور اس کا صاحبِ اقتدار ہونا اس بات کی قطعاً دلیل نہیں ہے کہ اس سے خدا راضی اور خوش ہے۔ یہ خدا کی جانب سے ڈھیل بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد خدا کا عذاب مجرموں کو اچانک آدبوچتا ہے کہ انھیں کوئی جائے فرار نظر نہیں آتی اور وہ تباہ و برباد ہوکر رہ جاتے ہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لاَ دَارَ لَهٗ وَ مَالُ مَنْ لاَ مَالَ لَهٗ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لاَ عَقْلَ لَهٗ۔ (احمد، البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہیں اور اسے وہی جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخرت میں اس شخص کے لیے کوئی ٹھکانا اور سامانِ راحت نہیں جس نے دنیا ہی کو اپنا سب کچھ سمجھا اور دنیا کی زندگی میں آخرت کی طرف سے بالکل غافل رہا۔ اس سے بڑھ کر نادانی کی کونسی بات ہوسکتی ہے کہ کوئی مال و دولت کے پیچھے دیوانہ بنا رہے اور اپنی آخرت کے لیے کچھ بھی سامان نہ کرے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَ مَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى۔

(احمد، البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنی دنیا کو عزیز رکھا،

اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو عزیز رکھا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ تو تم باقی رہنے والی چیز کو اس پر ترجیح دو جو فنا ہونے والی ہے۔''

تشریح: یعنی دانش مندی کی بات یہی ہے کہ آخرت کی زندگی کو عزیز رکھے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ دنیا کے پیچھے اپنی آخرت کو تباہ نہ کرے۔ دنیا کی زندگی میں اکثر ایسے مواقع آتے ہیں کہ جہاں آدمی کو آخرت کے لیے دنیا کا نقصان گوارا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے مواقع پر آدمی کو دنیا اور آخرت دونوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا پڑتا ہے۔ کامیاب شخص وہی ہے جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے مفاد کو ترجیح نہ دے۔ لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب کہ آدمی کے دل سے دنیا کی محبت نکل گئی ہو اور آخرت کا شوق اس کے دل میں پیدا ہو گیا ہو۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دانا شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور نادان شخص وہ ہے جو اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی اختیار کرے اور اللہ سے غلط آرزوئیں وابستہ رکھے۔''

تشریح: یعنی یہ حد درجہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی حق کو چھوڑ کر پیروی تو باطل خواہشات کی کرے اور امید اس کی رکھے کہ خدا اسے آخرت میں درجۂ بلند عطا فرمائے گا اور اسے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا حالانکہ آخرت کی کامیابی انھی لوگوں کے لیے ہے جو ہر حالت میں حق کے متبع ہوتے ہیں، خواہشاتِ نفس کے غلام نہیں ہوتے۔

﴿۷﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: تَلاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ يُعْرَفُ بِهٖ؟ قَالَ: نَعَمْ: اَلتَّجَافِيْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ۔

(البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ۔ ''اللہ جسے ہدایت دینی چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔'' اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''جب نور سینہ کے اندر داخل ہوجاتا ہے تو سینہ کشادہ ہوجاتا ہے۔'' کہا گیا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا کوئی ایسی چیز ہے جس سے اس کی پہچان ہوسکے؟ فرمایا: ''ہاں دھوکے کے گھر سے دل کا اٹھ جانا اور ہمیشہ رہنے والے گھر کا مشتاق ہونا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیار ہوجانا۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب بندے کے دل کی تاریکی دور ہوجاتی ہے اور اسے نورِ ہدایت حاصل ہوجاتا ہے تو فطری طور پر آخرت سے لگاؤ اور شوق اس کے اندر پیدا ہوجاتا ہے۔ دنیا جسے ثبات نہیں اس کی محبت اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ اور وہ اس زندگی کی تعمیر میں لگ جاتا ہے جو موت کے بعد حاصل ہونے والی ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا۔ (بخاری)

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمھیں معلوم ہوجائے تو روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔''

تشریح: یعنی حقیقت اگر اس طرح تم پر منکشف ہوجائے جس طرح مجھ پر منکشف ہے اور تمھیں خدا کے قہر وجلال اور آخرت کے ہولناک اور روح فرسا مناظر کا علم ہوجائے تو تمھارا آرام وسکون سب رخصت ہوجائے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَ مَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ غَالِیَۃٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ الْجَنَّۃُ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو ڈرتا ہے وہ رات کے ابتدائی حصے میں چل دیتا ہے اور جو رات کے شروع ہی میں چل پڑتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ جان لو اللہ کا سودا گراں ہے، جان لو اللہ کا سودا جنت ہے۔''

تشریح: عرب میں عام طور سے قافلے رات کے آخری حصے میں چلتے تھے۔ اس کی وجہ سے رہزنوں اور ڈاکوؤں کے حملے بھی اوقاتِ سحر میں ہوتے تھے۔ جس مسافر یا قافلے کو رہزنوں کا خوف ہوتا وہ رات کے آخری حصے میں چلنے کے بجائے رات کے شروع ہی میں چل دیتا تھا اور

اس تدبیر سے بعافیت اپنی منزل پر پہنچ جاتا تھا۔ اس مثال کے ذریعہ سے حضور ﷺ لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ جس طرح منزل کی فکر رکھنے والے اور رہزنوں سے ڈرنے والے مسافر اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے رات کے ابتدا ہی میں چل دیتے ہیں اسی طرح آخرت کے مسافر کو بھی چاہیے کہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے فکر مند ہو اور غفلت کو اپنے پاس نہ آنے دے، اپنے عیش و آرام اور خواہشات کو اس کے لیے قربان کرے، بندے کو اپنے خدا سے جو چیز حاصل کرنی ہے وہ نہایت گرانقدر ہے۔ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ خدا نے اپنے وفادار بندوں کے لیے ایسی جنت تیار کر رکھی ہے جسے حاصل کرنے کے لیے سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔ اس جنت کی اصل قیمت یہی ہے کہ بندہ اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ خدا کے لیے وقف کر دے اور ہر طرف سے کٹ کر صرف ایک خدا کا ہو جائے۔ یہی بات قرآن میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:۱۱۱) بے شک اللہ نے مومنوں کی جان اور ان کے مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔''

〈۱۰〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَجُلٌ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَ اَحْزَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِّلْمَوْتِ وَ اَكْثَرُهُمْ اسْتِعْدَادًا اُولٰٓئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَ كَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ۔ (طبرانی فی المعجم الصغیر)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے نبیؐ! لوگوں میں سب سے بڑھ کر دانش منداور دور اندیش کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جو ان میں موت کو زیادہ یاد کرتا اور ان میں سب سے زیادہ اس کی تیاری کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگ دانشمند ہیں۔ انھوں نے دنیا کی عزت و شرافت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔''

تشریح: دنیا میں عزت کا مقام بھی ایسے ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو دنیا پرست نہیں، بلکہ آخرت کے طالب ہوتے ہیں اور آخرت کا اعزاز و اکرام تو صرف انھی کے لیے مخصوص ہے۔ دنیا پرستوں کے لیے آخرت کی زندگی میں ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

〈۱۱〉 وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" اَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَ يَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ: لَا يَا ابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَ لٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ وَ يَتَصَدَّقُوْنَ وَ هُمْ

یَخَافُوْنَ اَنْ لَّا یُقْبَلَ مِنْھُمْ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَ قُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ۔ ''اور جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں اس حال میں کہ دل ان کے کانپ رہے ہوتے ہیں'' کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ نیکیاں نامقبول نہ ہو جائیں۔ یہی لوگ ہیں جو بھلائیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں۔''

تشریح: قرآن کا وہ ٹکڑا جو اس حدیث میں نقل ہوا ہے سورۃ المومنون کا ہے۔ سورۃ المومنون میں ایک جگہ ان لوگوں کے اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں جنھیں بھلائیوں سے انتہائی لگاؤ ہوتا ہے جو اللہ کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل ڈر سے کانپ رہے ہوتے ہیں۔ اس آیت میں دینے سے مراد صرف مادی چیزوں کا دینا ہی نہیں ہے بلکہ عربی زبان میں دینے (ایتاء) کا لفظ غیر مادی اور باطن سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے دینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اور جو نیکی اور عبادت بھی کرتے ہیں، اس حال میں کرتے ہیں کہ دل ان کے لرزاں رہتے ہیں کہ معلوم نہیں خدا کے یہاں یہ نیکیاں شرفِ قبولیت حاصل کرسکتی ہیں یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس آیت کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن ان کے دل خدا سے بالکل بے خوف نہیں ہوتے۔ حضورؐ نے فرمایا: نہیں، اس آیت میں تذکرہ ان مومنوں کا ہے جو اچھے اعمال کرتے ہیں، پھر خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: دراصل ایسے ہی لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ بھلائیوں کے لیے تیز گامی دکھاتے ہیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ یہ کیفیت دین میں مطلوب ہے کہ آدمی کسی حال میں بھی بے خوف اور مطمئن ہو کر نہ بیٹھ رہے۔ اسے خدا سے اچھی امید بھی ہو، مگر وہ خدا کی بے نیازی سے ہر وقت لرزاں و ترساں بھی رہے۔ ایسے ہی لوگ دین کی راہ میں آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ نہ وہ کسی جمود کا شکار

ہوتے ہیں نہ انھیں تعطل کی بیماری لگتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کام کرنے کے بعد بھی وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی کچھ نہیں کر سکے ہیں۔ ابھی تو بہت سے کام ہیں جو کرنے کو پڑے ہیں۔ نیوٹن نے اس وقت جب کہ سائنس کی دنیا میں اس کی دریافتوں کی شہرت تھی کہا تھا: ''ہم جو کچھ معلوم کر سکے ہیں وہ اس کے مقابلہ میں بہت کم ہیں جن سے ہم ابھی ناواقف ہیں۔ ہماری حالت اس شخص کی ہے جس کے ہاتھ میں سمندر کی چند گھونگھیاں آ گئی ہوں جبکہ سمندر میں ابھی بے شمار بیش قیمت موتی موجود ہیں۔'' نیوٹن کو اس کا احساس ہو گیا تھا کہ فطرت کے جو قوانین اس نے دریافت کیے ہیں وہ ان قوانین کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں جو ابھی انسان کے لیے سربستہ راز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح جب مومن کو اس کا احساس ہو جاتا ہے کہ اس کے ذمہ کتنے کام ہیں جو وہ کر سکتا تھا مگر وہ یوں ہی پڑے ہیں اور جو کام اس نے کیے ہیں معلوم نہیں ان میں کتنی خامیاں موجود ہیں تو اس حالت میں اس کے دل کا وہی حال ہوتا ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔

''یہی لوگ ہیں جو بھلائیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں'' ''یہ قرآن کا حصہ ہے'' بندوں کا پسندیدہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ مُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اَصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ۔ (مسلم)

ترجمہ: مستورد بن شدادؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: ''خدا کی قسم دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے اور پھر دیکھے کہ کتنا پانی اس میں لگ کر آیا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں اتنی بے حقیقت ہے جتنا سمندر کے مقابلہ میں انگلی میں لگا ہوا پانی۔ آپ نے یہ مثال محض سمجھانے کے لیے بیان فرمائی ہے ورنہ دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی حاصل نہیں۔ آخرت لامحدود ہے اور دنیا محدود اور متناہی ہے۔ جو چیز محدود ہو اس کی غیر متناہی شے سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ اس لیے آخرت کو چھوڑ کر دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لینا انتہا درجہ کی ناعاقبت اندیشی اور نادانی ہے۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر شخص کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔“

تشریح: آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔اس لیے یہاں منکرین اور کفار کو بھی فائدہ اٹھانے کا موقع مل رہا ہے۔آخرت میں کافر یا کسی دشمن حق کو پانی کا ایک قطرہ بھی پیاس بجھانے کو نہ مل سکے گا۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ عُمَرَؓ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهٗ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ الْفَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰٓئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ ایک کھرّی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور اس کے اور آپؐ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہ تھا۔ چٹائی نے پہلو پر نشانات ڈال دیے تھے۔آپؐ چمڑے کے ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیے کہ وہ آپؐ کی امت پر وسعت فرمائے۔ یہ فارس اور روم بھی تو ہیں، انھیں کتنی فراخی حاصل ہے، حالانکہ یہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔آپؐ نے فرمایا: ”اے ابن خطاب! کیا ابھی تک تم اسی خیال میں ہو۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کی نعمتیں دنیا ہی کی زندگی میں دیدی گئیں (آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے)“ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ (آپؐ نے فرمایا:) ”کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت۔“

تشریح: حضور ﷺ نے ہمیشہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دی۔ دنیا میں جس چیز کو آپ

نے ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھا وہ خدا کی خوشنودی اور آخرت کی طلب تھی۔ دنیا کمانے کی فکر کبھی آپ نے نہیں کی اور نہ آپ نے عیش و تنعّم کی زندگی کو پسند فرمایا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ محمدؐ کے اہلِ بیت نے کبھی دو روز مسلسل جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ (بخاری و مسلم)

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔‘‘

تشریح: یعنی آخرت میں مومن کو جو زندگی حاصل ہو گی اس کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی ایک قید خانہ کی زندگی ہے۔ جو شخص قید خانہ میں ہوتا ہے اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اس قید سے نجات ملے اور وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔ ٹھیک اسی طرح جن لوگوں نے دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے وہ اس سے دل نہیں لگاتے، وہ تو اس جنت کی آرزو لیے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں جس کا ان سے ان کے رب نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے برخلاف ایک کافر جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اس کے لیے دنیا ہی سب کچھ ہے۔ یہی اس کی جنت ہے۔ یہاں وہ جتنا چاہے چر چُگ لے۔ آخرت میں تو اسے ایک سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہے جس کا آج تصور بھی کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔

﴿۱۶﴾ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَوَ اللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْكُمْ وَ لٰكِنْ اَخْشٰی عَلَیْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْكُمُ الدُّنْیَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ كَانَ عَلَیْكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَ تُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ۔

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: عمرو بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’خدا کی قسم میں تم پر فقر و افلاس آنے سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے تمھارے بارے میں ڈر ہے کہ دنیا تم پر وسیع کر دی جائے جیسے کہ وہ ان لوگوں پر وسیع کی گئی تھی جو تم سے پہلے تھے۔ پھر تم اسے ایک دوسرے سے بڑھ کر چاہنے لگو جیسا کہ انھوں نے اُسے چاہا تھا اور وہ تمھیں اسی طرح ہلاک کر دے جیسے کہ انھیں ہلاک کیا۔‘‘

تشریح: یعنی میں تمھارے بارے میں فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا، بلکہ مجھے اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں تمھیں دنیا کی فراوانی حاصل ہو اور تم اپنی ذمہ داری اور آخرت سے غافل ہو جاؤ اور انجام کار ہلاکت سے دوچار ہو۔ تم سے پہلے پچھلی قوموں کا یہی حال ہوا کہ انھیں دنیا کی خوش حالی حاصل ہوئی تو انھوں نے اپنے اصل مقصدِ زندگی کو بھلا دیا۔ وہ دنیا کی پرستش میں لگ گئیں۔ ان میں طرح طرح کی اخلاقی بیماریاں پیدا ہوگئیں۔ جب ان کی سرکشی حد سے آگے بڑھ گئی تو خدا نے انھیں ہلاک کر دیا۔

﴿۱۷﴾ وَ عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَ فِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ۔ (ترمذی)

ترجمہ: کعب بن عیاضؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: ”ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں مال کو فتنہ کہا گیا ہے۔ قرآن میں بھی مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا گیا ہے (الانفال: ۲۸، التغابن: ۱۵) اس لیے کہ مال و اولاد کی محبت میں پڑ کر اکثر لوگ حق و صداقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مال تو انسان کی خدمت کے لیے ہے۔ لیکن جب اس کی حرص آدمی کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو الٹے وہ دولت ہی کا پرستار ہو جاتا ہے اور یہ حرص کسی حد پر جا کر ختم نہیں ہوتی۔ مال و دولت کے پیچھے پڑ کر آدمی اپنے دین و ایمان کے تقاضوں کو بھول جاتا ہے اسی لیے آپؐ نے مال کو فتنہ یا آزمائش قرار دیا ہے۔ اس آزمائش میں کم ہی لوگ پورے اترتے ہیں۔ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جو دولت پا کر خدا سے غافل نہ ہوں اور دین کے تقاضوں کو فراموش نہ کریں۔ مال کی زکوٰۃ دیں اور غریبوں اور محتاجوں کے کام آئیں اور اجتماعی فلاح و بہبود کے کاموں میں اپنے مال سے تعاون کریں۔ موجودہ دَور میں تو کتنی ہی تحریکوں کی بنیاد ہی معاش کے مسئلہ پر ہے۔ ان تحریکوں نے معاشی مسائل کو زندگی کا اصل اور بنیادی مسئلہ قرار دیا ہے جس کے نتیجہ میں مسائل حل ہونے کے بجائے اور زیادہ پریشان کن شکل اختیار کرتے جاتے ہیں۔

﴿۱۸﴾ وَ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ۔

(ترمذی، دارمی)

ترجمہ: کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں میں چھوڑ دیے گئے ہوں، ان (بکریوں) کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کرتے جتنا آدمی کی مال وجاہ کی حرص اس کے دین کو تباہ کرتی ہے۔''

تشریح: حضور ﷺ نے ایک واضح مثال سے یہ بات ذہن نشین کرائی ہے کہ آدمی کے اندر جب مال و دولت اور جھوٹی عزت وشہرت کی حرص پیدا ہوجاتی ہے تو اس کا دین تباہ وبرباد ہوجاتا ہے اس لیے دین تو درحقیقت اسی چیز کا نام ہے کہ آدمی کو دنیا کی بے ثباتی کا پورا احساس اور خدا کی عظمت وکبریائی کا پورا شعور ہو۔ جب آدمی کے دل میں دنیا کی عظمت اور اپنی جاہ وعزت کی خواہش ابھر آئی تو پھر اس کا دین کہاں محفوظ رہا۔ ایسے شخص سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دین کے تقاضوں کو پورا کرے گا اور اپنی زندگی میں حدودِ الٰہی کا خیال رکھے گا۔

﴿۱۹﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ؟ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِ وَارِثِهٖ۔ قَالَ فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَ مَالَ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ۔ (بخاری)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے تو ہر ایک کو اپنے وارث کے مال سے زیادہ اپنا ہی مال محبوب ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس کا مال تو وہی ہے جو اس نے آگے بھیجا اور وہ اس کے وارث کا مال ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا۔''

تشریح: آدمی کو اپنے ہاتھ میں مال آنے سے زیادہ محبوب یہ نہیں ہوتا کہ مال اس کے ورثاء کے ہاتھ میں آئے۔ کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنے مال سے زیادہ ورثاء کے مال کو عزیز رکھے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ حقیقت میں آدمی کا اپنا مال تو بس اتنا ہی ہے جس کو اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آگے بھیجا، جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑا وہ اس کا نہیں ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے سرمایہ دار شخص وہ نہیں ہے جو دنیا میں مال ودولت کا مالک ہے بلکہ سرمایہ دار صرف وہ ہے جس نے زیادہ سے زیادہ مال خدا کے راستہ میں خرچ کر کے آنے والی زندگی کے لیے جمع کیا ہو۔

﴿۲۰﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ یَبْلُغُ بِهٖ قَالَ: اِذَا مَاتَ الْمَیِّتُ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ مَا قَدَّمَ وَ قَالَ بَنُوْ اٰدَمَ: مَا خَلَّفَ؟ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: اس شخص نے آگے کیا بھیجا ہے؟ جب کہ عام لوگ (ایسے موقع پر) کہتے ہیں: اس نے کیا چھوڑا؟“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد جو چیز دیکھنے کی ہوتی ہے وہ یہ نہیں کہ آدمی نے اپنے پیچھے کیا مال چھوڑا ہے جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں بلکہ دیکھنے کی چیز صرف یہ ہوتی ہے کہ اس نے کیا نیک اعمال کیے اور کیا سرمایہ آنے والی زندگی کے لیے بھیجا ہے۔

﴿۲۱﴾ وَ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ نُفَیْرٍ مُّرْسَلاً قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَجْمَعَ الْمَالَ وَ اَکُوْنَ مِنَ التَّاجِرِیْنَ وَ لٰکِنْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ کُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ۔ (شرح السنہ)

ترجمہ: جبیر بن نفیرؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی ہے کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بنوں بلکہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ کُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَo وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ۔ (سورہ حجر: ۹۸-۹۹)

”اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرو اور سجدہ گزاروں میں شامل ہو اور اپنے رب کی عبادت کیے جاؤ یہاں تک کہ یقینی چیز (موت) تمھارے سامنے آجائے۔“

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا منصب و مقام اور میرا اصل مشن یہ نہیں ہے کہ میں دنیا میں مال و دولت جمع کروں اور ایک کامیاب تاجر بننے کی کوشش کروں بلکہ خدا نے مجھے جس چیز کی وحی کی ہے وہ کچھ دوسری ہی چیز ہے۔ میری زندگی کا اصل مقصد تو خدا کی حمد و ثنا اور اس کی اطاعت و عبادت ہے اور یہ حمد و ثنا اور خدا کی بڑائی کا اظہار اور اس کی بندگی اور سجدہ مجھے زندگی کے آخری لمحے تک کرتے رہنا ہے۔ یہی میرا اصل سرمایہ ہے نہ کہ وہ جسے اہل دنیا اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں۔

حضورؐ کا یہ محض زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ آپؐ نے اسی کے مطابق اپنی پوری زندگی بسر کی۔

یہ آپؐ کے ایک سچے نبی ہونے کا بین ثبوت ہے۔ جس شخص کی زندگی آپؐ کی زندگی سے جتنی زیادہ مشابہ ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ اپنی زندگی میں کامیاب سمجھا جائے گا۔

﴿۲۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ کَانَتْ نِیَّتُهٗ طَلَبَ الْاٰخِرَةِ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِیْ قَلْبِهٖ وَ جَمَعَ لَهٗ شَمْلَهٗ وَ اَتَتْهُ الدُّنْیَا وَ هِیَ رَاغِمَةٌ وَ مَنْ کَانَتْ نِیَّتُهٗ طَلَبَ الدُّنْیَا جَعَلَ اللّٰهُ الْفَقْرَ بَیْنَ عَیْنَیْهِ وَ شَتَّتَ عَلَیْهِ اَمْرَهٗ وَلَا یَاْتِیْهِ مِنْهَا اِلَّا مَا کُتِبَ لَهٗ۔ (ترمذی، دارمی، احمد)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کی نیت طلبِ آخرت کی ہو خدا اس کے دل کو غنا عطا فرماتا ہے اور اس کے امورِ متفرق کو جمع کر دیتا ہے، دنیا اس کے پاس آتی ہے اور وہ اس کی نظر میں ذلیل وخوار ہوتی ہے اور جس کی نیت دنیا حاصل کرنے کی ہو خدا افلاس کو اس کی نگاہوں کے سامنے کر دیتا ہے اور اس کے کاموں میں انتشار اور پراگندگی پیدا کر دیتا ہے اور دنیا اسے بس اسی قدر ملتی ہے جتنی اس کے لیے مقدر ہوتی ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ جسے دنیا حاصل کرنے کی فکر لگی رہتی ہے، اسے ہر وقت فقر وافلاس کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔ دل جمعی اور اطمینانِ خاطر کی نعمت سے وہ محروم رہتا ہے۔ ان تمام پریشانیوں کے باوجود دنیا اسے اس سے زائد نہیں ملتی جو اس کے لیے خدا کے یہاں سے مقدر ہو چکی ہوتی ہے۔ اطمینان اور سکونِ قلب کو کھو کر بھی وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں پاتا جو اسے بہر صورت ملنا ہی تھا۔

اس حدیث کو امام احمد اور دارمی نے اَبان سے اور زید بن ثابت انصاریؓ سے روایت کیا ہے۔

﴿۲۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اَغْبَطُ اَوْلِیَائِیْ عِنْدِیْ لَمُؤْمِنٌ خَفِیْفُ الْحَاذِ ذُوْ حَظٍّ مِّنَ الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَ اَطَاعَهٗ فِی السِّرِّ وَ کَانَ غَامِضًا فِی النَّاسِ لَا یُشَارُ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ وَ کَانَ رِزْقُهٗ کَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰی ذَالِکَ ثُمَّ نَقَدَ بِیَدِهٖ فَقَالَ عُجِلَتْ مَنِیَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاکِیْهِ قَلَّ تُرَاثُهٗ۔

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوامامہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''میرے دوستوں میں سب سے زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو سبک سار ہو، نماز میں اس کا حصہ ہو، اپنے رب کی عبادت حسن وخوبی کے ساتھ کرتا ہو اور اس کی اطاعت اخفاء کے ساتھ کرتا ہو اور لوگوں میں گم نامی کی حالت میں ہو، اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کیے جاتے ہوں، اس کی روزی بقدرِ کفاف ہو اور وہ اس پر صابر وقانع ہو۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کی چٹکی بجائی اور فرمایا: جلد آ گئی اس کی موت، اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں اور اس کا ترکہ بھی تھوڑا ہے۔''

تشریح: آپؐ کے ارشاد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زندگی میں قابلِ لحاظ چیز یہ نہیں ہے کہ آدمی کے پاس مال ودولت کی فراوانی اور کثرت ہو اور جس طرف سے وہ گزرے لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھتی ہوں۔ لوگ اس کی طرف اشارے کر کے کہتے ہوں کہ یہ فلاں بن فلاں ہیں بلکہ جو چیز زندگی میں قدر وقیمت کی حامل ہے وہ آدمی کا اپنے رب سے رشتہ اور تعلق ہے۔ یہ اگر درست ہے تو پھر اس کی زندگی قابلِ رشک ہے۔ ایسا آدمی اگر سبک بار ہے تو وہ اپنے دین کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت نکال سکے گا، وہ زیادہ سے زیادہ خدا کی بندگی اور عبادت میں اپنے کو لگا سکے گا، موت اسے دنیا سے رخصت کرنے کے لیے آئے گی تو وہ گراں بار ہو کر نہیں بلکہ ہلکا پھلکا ہو کر خدا کے حضور میں حاضر ہو سکے گا۔ نہ اس کے پیچھے جائداد اور ترکہ کا کوئی جھگڑا کھڑا ہو گا اور نہ اس کے یہاں رونے والی زیادہ عورتوں کا مسئلہ ہو گا۔

﴿۲۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ وَ اَبِیْ خَلّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا رَأَیْتُمُ الْعَبْدَ یُعْطٰی زُهْدًا فِی الدُّنْیَا وَ قِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهُ یُلَقَّی الْحِكْمَةَ۔

(البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابوہریرہؓ اور ابوخلاّد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم سخنی کی دولت عطا ہوئی ہے تو اس کی قربت اختیار کرو، کیونکہ اس کی طرف حکمت کا القاء ہوتا ہے۔''

تشریح: یعنی ایسا شخص حقیقت شناس ہوتا ہے، اس کی زبان پر ایسی باتیں آتی ہیں جو علم وحکمت کا جوہر ہوتی ہیں، ایسے شخص کی صحبت اور ہم نشینی کیمیا کا اثر رکھتی ہے، اس کے برخلاف غافل شخص

جو دنیا کی حرص و ہوس میں گرفتار ہو اس کی آواز بھی غفلت میں ڈوبی ہوئی ہوگی۔ اس کی ہم نشینی آدمی کے لیے بیحد خطرناک ہوسکتی ہے لیکن ایسے شخص کی صحبت جس کی طرف حکمتوں کا القاء ہوتا ہو بے حد نافع اور مفید ہے اس لیے آپ ایسے شخص کی قربت اختیار کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ دنیا کی رغبت اور فضول گوئی دل کی زندگی کے لیے سمِّ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ لایعنی گفتگو اور دنیا کی بڑھتی ہوئی محبت آدمی کے دل کو مردہ بنا دیتی ہے، ایسے دل کی روشنی بالکل مدھم پڑ جاتی ہے، ایسے دلوں میں حکمت کا القاء نہیں ہوتا، ایسے شخص کی گفتگو ایمان کو تازگی نہیں بخشتی۔ حکمت درحقیقت خدا کی جانب سے ایک نقد انعام اور بندے کے لیے خیر کثیر کا موجب ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط (البقرہ:۲۶۹) ”جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر بخشا گیا۔“

﴿۲۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِی الدُّنْيَا اِلَّا اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِیْ قَلْبِهٖ وَ اَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهٗ وَ بَصَّرَهٗ عَيْبَ الدُّنْيَا وَ دَوَآءَ هَا وَ اَخْرَجَهٗ سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بندہ دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور بے رُخی اختیار کرے اللہ ضرور اس کے دل میں حکمت اُگائے گا اور اس کی زبان پر اس (حکمت) کو جاری کرے گا۔ اور دنیا کا عیب، اس کا روگ اور اس کا علاج اسے سمجھا جائے گا اور اسے وہاں سے سلامتی کے ساتھ نکال کر دارالسلام (جنت) میں پہنچا دے گا۔“

﴿۲۶﴾ وَ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ اِلَی الْيَمَنِ قَالَ: اِيَّاکَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ۔ (احمد)

ترجمہ: معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: ”اپنے آپ کو خوش عیشی سے بچانا کیونکہ اللہ کے خاص بندے خوش عیش (اور آرام طلب) نہیں ہوتے۔“

تشریح: یعنی خدا کے خاص بندوں کی نگاہ میں تو آخرت کی زندگی ہوتی ہے، وہ اس کی تعمیر میں لگے ہوتے ہیں، وہ دنیا میں تنعم اور عیش کوشی میں نہیں لگے ہوتے ہیں، وہ دنیا پر فریفتہ نہیں ہوتے،

ان کے ذہن پر فکرِ آخرت کے سوا اور کوئی چیز طاری نہیں ہونے پاتی۔ اگر آدمی کو صحیح معنوں میں آخرت کی فکر ہو جائے تو فطری طور پر عیش و تنعم کے لیے اس کے پاس وقت ہی نہیں رہے گا، اس کی ساری توجہ آخرت کی تیاری میں لگ جائے گی، وہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا مگر اس طرح نہیں جس طرح ایک دنیا پرست انسان اٹھاتا ہے، بلکہ وہ اس طرح اس سے فائدہ اٹھائے گا جس طرح ایک ذمہ دار اور امانت دار شخص کسی چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسے ہر وقت اس کا کھٹکا رہے گا کہ ایک دن اسے خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا حساب دینا ہے۔

﴿۲۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلزَّهَادَةُ فِی الدُّنْیَا لَیْسَتْ بِتَحْرِیْمِ الْحَلَالِ وَلَا بِاِضَاعَةِ الْمَالِ وَ لٰکِنَّ الزَّهَادَةَ فِی الدُّنْیَا اَنْ لَّا تَکُوْنَ بِمَا فِیْ یَدَیْکَ اَوْثَقَ مِمَّا فِیْ یَدِی اللّٰهِ وَ اَنْ تَکُوْنَ فِیْ ثَوَابِ الْمُصِیْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ مِنْکَ فِیْهَا لَوْ اَنَّهَا اُبْقِیَتْ لَکَ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوذرؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”دنیا کے بارے میں زہد اور اس کی طرف سے بے رغبتی، حلال کو اپنے اوپر حرام کر لینے اور مال کو برباد کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ دنیا کے سلسلہ میں زہد یہ ہے کہ جو کچھ تمھارے ہاتھ میں ہو اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تمھیں اس پر ہو جو خدا کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ جب تم مصیبت میں مبتلا ہو تو اس مصیبت کا ثواب تم کو اتنا مرغوب ہو کہ تم اس کی خواہش کرو کہ کاش یہ مصیبت باقی رہے۔“

تشریح: بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ زہد اور پرہیزگاری اس چیز کا نام ہے کہ آدمی خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں اور راحتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ حضورؐ نے زہد کے اس تصور کی اصلاح فرمائی اور بتایا کہ زہد اپنی روح کے اعتبار سے کسی ظاہری چیز کا نام نہیں ہے بلکہ اس ایمانی کیفیت کا نام ہے کہ آدمی کا اصل بھروسہ ان چیزوں سے زیادہ جو اس کے ہاتھ میں ہیں اس چیز پر ہو جو خدا کے ہاتھ میں ہے، جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے، اسی کی زیادہ سے زیادہ خواہش آدمی کے اندر ہونی چاہیے جس کا وعدہ اللہ نے اپنے وفادار بندوں سے کیا ہے۔ اگر یہ کیفیت آدمی کے اندر پیدا ہو جائے تو فطری طور پر وہ دنیا پرستی اور عیش کوشی سے نجات پائے گا۔ اس کی زیادہ سے زیادہ کوششیں اس کے لیے صرف ہوں گی کہ وہ اس چیز کا حق دار بن سکے جو اس کے

خدا کے ہاتھ میں ہے، اس کا اعتماد ہمیشہ خدا کے فضل اور اس کے غیر فانی خزانے پر ہوگا نہ کہ فانی اور ناقابلِ اعتبار چیزوں پر۔ زہد کی دوسری علامت اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ آدمی پر جب کوئی مصیبت آجائے تو اللہ نے اس مصیبت کی وجہ سے جو اجر و ثواب بندے کے لیے رکھا ہے اس کی چاہت اور رغبت وہ اپنے اندر بہ نسبت اس خواہش کے کہ وہ مصیبت اور ناگواری کی بات اسے پیش نہ آئی ہوتی، زیادہ محسوس کرے۔ یہ بات آدمی کے اندر اسی وقت پیدا ہوسکے گی جب کہ عیشِ دنیا کے مقابلہ میں آدمی کہیں زیادہ آخرت کے لیے فکر مند ہو۔ فکرِ آخرت ہی درحقیقت زہد کی اساس ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی تکلیف و مصیبت کی تمنا کرے بلکہ اس حدیث کا اصل منشا یہ ہے کہ آدمی کے لیے سب سے زیادہ محبوب چیز وہ اجر و ثواب ہو جو آخرت میں اسے ملنے والا ہے۔

﴿۲۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَّ فِیْ رِوَایَةٍ كَفَافًا۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! محمد کے متعلقین کی روزی بقدر کفاف ہو۔''

تشریح: یعنی ان کے لیے اتنی روزی عطا کر جتنے سے ان کا کام چل سکے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں اگر آدمی کو بقدر ضرورت روزی حاصل ہے تو اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

﴿۲۹﴾ وَ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِیْدٍ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِثْنَانِ یَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَیْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَ یَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَ قِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ۔ (احمد)

ترجمہ: محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دو چیزیں ایسی ہیں جنھیں آدمی ناپسند کرتا ہے۔ موت اسے ناگوار ہوتی ہے حالانکہ موت مومن کے حق میں فتنہ سے بہتر ہے۔ اور وہ مال کی کمی اور ناداری کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی (آخرت کے) حساب کو بہت ہی مختصر کر دیتی ہے۔''

تشریح: کسی فتنہ و شر میں گرفتار ہونے سے یہ بہتر ہے کہ آدمی کی زندگی تمام ہوجائے اور وہ ہر

طرح کے فتنوں سے محفوظ ہو جائے۔ نادار شخص کو مال و دولت کی قلت کا احساس ستاتا ہے حالانکہ اسے سوچنا چاہیے کہ مال اپنے ساتھ بڑی ذمہ داریاں اور آزمائشیں لے کر آتا ہے۔ مال اگر مختصر ہے تو قیامت میں اس کا حساب بھی مختصر ہوگا اور قیامت میں بہت جلد حساب کے سخت مرحلہ سے فراغت حاصل کر لے گا۔

﴿۳۰﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَامَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَ قَدْ اَثَّرَ فِیْ جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَکَ وَ نَعْمَلَ، فَقَالَ: مَا لِیْ وَ لِلدُّنْیَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَهَا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ چٹائی پر سوئے۔ جب اٹھے تو آپؐ کے جسم پر اس (چٹائی) کے نشانات پڑے ہوئے تھے تو ابن مسعودؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش آپؐ ہمیں حکم دیں تو ہم آپؐ کے لیے بستر بچھا دیں اور کوئی کام کریں۔ آپؐ نے فرمایا: ”مجھے دنیا سے کیا غرض؟ میرا اور اس دنیا کا تعلق تو بس ایسا ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کو ٹھہرے اور پھر اسے چھوڑ کر (اپنی منزل کی طرف) چل دے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب دنیا ہماری اصل منزل و مقام نہیں ہے تو پھر یہاں کی راحت اور آرام کے لیے ہم زیادہ فکرمند کیوں ہوں۔ کیا وہ سوار جو سایہ لینے کے لیے کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتا ہے، درخت کے نیچے آرام گاہ تعمیر کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے یا اسے آگے اپنی منزل کی طرف بڑھنے کی فکر ہوتی ہے۔ اس لیے عقلمندی کی بات تو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی راحتوں اور آسائشوں کو فراہم کرنے کی فکر میں اپنے اوقات کو صرف کرنے کے بجائے اپنے اوقات اور اپنی قوتوں کو آخرت کی تعمیر میں صرف کرے۔

﴿۳۱﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَاِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا یَمُوْتُ۔

(البغوی فی شرح السنہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم کسی فاسق و فاجر کی کسی نعمت و خوش عیشی

پر رشک نہ کرنا، اس لیے کہ تم نہیں جانتے کہ اسے اپنی موت کے بعد کس چیز سے سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اللہ کے یہاں (آخرت میں) اس کے لیے ایسا قاتل ہے جسے موت نہیں۔"

تشریح: یعنی ایسا شخص جسے انجام کار جہنم کی آگ میں جلنا ہے، اس کے عارضی عیش و آرام پر رشک کرنا، نادانی کی بات ہے۔ اصلاً قابلِ لحاظ چیز آدمی کا انجام اور اس کی آخرت ہے نہ کہ دنیا کا چند روزہ عیش و تنعم۔ کیا پھانسی کی سزا پانے والے مجرموں کو پھانسی کی تاریخ سے پہلے جو سہولتیں دی جاتی ہیں اور کھانے پینے کے سلسلے میں اس کی خواہش معلوم کر کے اسے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اسے دیکھ کر کوئی شخص اس پر رشک کر سکتا ہے۔ ٹھیک یہی مثال اللہ کے نافرمانوں اور اس کے باغیوں کی ہے، انھیں دنیا میں اگر کچھ سہولتیں حاصل ہیں تو ان کی حیثیت بس سزائے موت پانے والے مجرم کو ملنے والی سہولتوں کی ہے جس کو کوئی شخص حریصانہ نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اس کے سامنے تو اس مجرم کا ہولناک اور وحشت ناک انجام ہوتا ہے۔ اس حدیث میں قاتل سے مراد غالباً دوزخ کی آگ ہے جو کبھی ٹھنڈی نہ ہوگی۔

﴿۳۲﴾ وَ عَنْ مُعَاوِيَةَؓ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَؓ اَنِ اكْتُبِىْ اِلَىَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِىْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِىْ فَكَتَبَتْ: سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَّلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہؓ کو خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں جو زیادہ نہ ہو (یعنی بات مختصر اور جامع ہو) تو (حضرت عائشہؓ نے) لکھا:

سلام ہو تم پر۔ امابعد۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپؐ فرماتے تھے: "جو شخص لوگوں کو خفا کر کے اللہ کو راضی کرنا چاہے تو اللہ اسے لوگوں کی فکر سے مستغنی کر دے گا اور جو شخص اللہ کو ناراض کر کے انسانوں کو راضی کرنا چاہے گا، اللہ اسے لوگوں کے ہی سپرد کر دے گا۔" "والسلام"

تشریح: حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کا جو ارشاد اپنے خط میں نقل فرمایا ہے وہ اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے بیحد مختصر ہے لیکن اپنے مفہوم اور مقصد کے لحاظ سے پورا دفتر ہے۔ آپ کے ارشاد کا

حاصل یہ ہے کہ آدمی کو اصل فکر اس کی ہونی چاہیے کہ اسے دنیا و آخرت میں خدا کی خوشنودی و رضا حاصل ہو۔ اسے ایسے کام میں دل کھول کر حصہ لینا چاہیے جس سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ اگر اس سے دوسرے لوگ ناخوش ہوتے ہیں تو ہوا کریں۔ ایسے موقع پر جب کہ لوگوں کی خوشی خدا کی خوشی سے ٹکرا رہی ہو آدمی کو خدا کی خوشی کا لحاظ کرنا چاہیے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو خدا اسے مستغنی کر دے گا، اس کی ضرورتوں اور حاجتوں کی خود کفالت کرے گا، اس کی ضروریات کو اس طرح پوری کرے گا کہ وہ پہلے سے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن اگر اسے خدا کی رضا اور خوشنودی کی فکر نہیں ہے، بلکہ وہ بندوں کو راضی کرنے میں اپنی کامیابی سمجھ رہا ہے تو ایسے شخص کا ذمہ دار خدا نہیں ہے، وہ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ ان کی غلامی سے کبھی نجات نہیں پا سکتا۔ خدا کی سرپرستی سے محروم ہو کر وہ ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو اسی کی طرح کمزور و بے بس ہوتے ہیں۔

﴿۳۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَ سَعْیًا عَلٰی اَهْلِهٖ وَ تَعَطُّفًا عَلٰی جَارِهٖ لَقِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ وَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا مُکَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِیًا لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰی وَ هُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانٌ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دنیا کی حلال نعمتوں کو اس غرض سے حاصل کرنا چاہے کہ اسے دوسروں سے سوال نہ کرنا پڑے اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی اور آرام و آسائش کا سامان فراہم کر سکے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ سلوک و احسان کر سکے تو وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح (روشن) ہوگا اور جو شخص دنیا کی حلال نعمتیں اس غرض کے لیے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے اور دوسروں کے مقابلہ میں اپنی شان اونچی دکھا سکے اور (لوگوں کی نگاہ میں بڑا بننے کے لیے) نمود و نمائش کے کام کر سکے تو (قیامت کے روز) وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک ہوگا۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ نیت اگر درست ہے اور مقصد نیک ہے تو حلال طریقہ سے مال و دولت

حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ ایسا شخص خدا کے حضور کامیاب و بامراد ہوگا لیکن اگر اس کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا میں دولت مند بن جائے اور لوگوں پر اپنی بڑائی جتائے اور نمود ونمائش کے کام کرے تو خواہ جائز اور حلال طریقے سے ہی دولت حاصل کرے قیامت کے روز وہ خدا کے غضب سے بچ نہیں سکتا اور اگر وہ حرام اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے لیے سخت ہلاکت اور رسوائی ہے۔

﴿۳۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَؓ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَ حَسُنَ عَمَلُہٗ، قَالَ: اَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَ سَاءَ عَمَلُہٗ۔

(احمد)

ترجمہ: ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور عمل اس کا اچھا رہا۔“ اس نے عرض کیا: لوگوں میں برا کون ہے؟ فرمایا: ”جس کی عمر لمبی ہوئی اور عمل اس کا برا رہا۔“

تشریح: بڑی عمر پانا ایک نعمت ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ آدمی کے اعمال بھی اچھے ہوں لیکن اگر اعمال اچھے نہیں ہیں تو نعمت ہونے کے بجائے اس کی عمر اس کے لیے موجبِ خسران و حسرت ہی ہوگی۔

﴿۳۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَبْدٌ اَذْھَبَ اٰخِرَتَہٗ بِدُنْیَا غَیْرِہٖ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن درجہ کے لحاظ سے بدترین آدمی وہ بندہ ہے جس نے اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے پیچھے ضائع کر دیا۔“

﴿۳۶﴾ وَ عَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِیَۃِؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: وَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ وَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ وَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ام العلاء انصاریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخدا میں نہیں جانتا، بخدا مجھے نہیں معلوم اگرچہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا (معاملہ) کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کا دن بہت ہی ہولناک ہے۔ وہاں کیا کچھ پیش آئے گا اور کن مراحل سے گزرنا ہوگا، اس کا پورا اور تفصیلی علم دنیا میں ممکن نہیں ہے۔

﴿۳۷﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَآءَ وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَآءَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو وہاں رہنے والوں میں اکثریت مجھے غریبوں کی نظر آئی اور دوزخ کو جھانک کر دیکھا تو وہاں رہنے والوں میں اکثریت مجھے عورتوں کی دکھائی دی۔''

تشریح: مال و دولت کا نشہ ایسا ہے کہ اکثر لوگ اس میں پڑ کر اپنی ذمہ داریوں کو بھول جاتے ہیں اور انجام کار جہنم کے مستحق قرار پاتے ہیں، غریبی اور فقر میں ہدایت یاب ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں، غریبوں کے دل بالعموم نرم ہوتے ہیں، دولت و اقتدار کا حجاب ان کے سامنے نہیں ہوتا اس لیے وہ جلد خدا کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ آخرت کے تصوّر کی وجہ سے وہ اپنا دل چھوٹا نہیں کرتے۔

عورتیں بالعموم اپنی کوتہ نظری اور جذباتیت کی وجہ سے ایسا انداز اختیار کرتی ہیں جو خدا کو پسند نہیں ہوتا۔ اگر خدا نے انھیں اچھی شکل و صورت بخشی ہے تو انھیں اپنے حسن کا غرہ ہو جاتا ہے، انھیں اس کا احساس بہت کم ہو پاتا ہے کہ حسنِ ظاہر کے ساتھ اگر حسنِ اخلاق نہیں ہے تو حسنِ ظاہر بے معنی ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ حسنِ اخلاق سے ناآشنا عورتیں اپنے شوہروں کی بھی ناشکری کرتی ہیں اور خدا کی بھی ناشکر گزار ہوتی ہیں۔ ذہن و فکر میں سطحیت آ جانے کے بعد غیبت و چغلی اور حسد و نفرت ہی ان کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ جہنم کا عذاب اپنے سر لے لیتی ہیں اور انھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ کس انجام کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

☙❧

ایمان واسلام

ایمان کے آثار وثمرات

〈۱〉 عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایمان کے ستّر سے اوپر کچھ شعبے ہیں۔ ان میں سب سے افضل تو لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں) کا قائل ہونا ہے۔ اور (اس کے مقابلہ میں) ان میں ادنیٰ تکلیف دینے والی چیز کا راستہ سے ہٹا دینا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''

تشریح: ایمان کے بہت سے شعبے ہیں۔ ایمان مومن کی زندگی کے پورے رویے میں ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ افکار ونظریات سے لے کر چھوٹے بڑے ہر عمل میں وہ روح کی طرح جاری وساری رہنا چاہتا ہے۔ ایمان سے مومنانہ اخلاق وجود میں آتا ہے اور پھر اس اخلاق سے عملی زندگی ظہور میں آتی ہے۔ ایمان کی حیثیت ایک ایسے تخم کی ہے جو نفسِ انسانی میں جڑ پکڑتا ہے، پھر اس کے مطابق عملی زندگی کا درخت اپنی شاخوں اور پتیوں کے ساتھ وجود میں آتا ہے۔ اسلام نے ایمان باللہ یعنی توحید اور خدا پرستی کی جو تعلیم دی ہے اس کا تعلق زندگی کے کسی محدود گوشے سے نہیں ہے بلکہ اس کا ظہور انسانی زندگی کے ہر ہر پہلو اور زندگی کے انفرادی اور اجتماعی تمام رویہ میں ہوتا ہے۔ اسلام میں ایمان، اخلاق اور عمل کا ایسا امتزاج پایا جاتا ہے جس کے حسن وکمال کا ہر فہم وبصیرت رکھنے والے شخص کو اعتراف ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃؓ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: مَا الْاِیْمَانُ؟ قَالَ: اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَ سَآءَ تْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ: فَمَا الْاِثْمُ قَالَ: اِذَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ شَیْءٌ فَدَعْہُ۔ (احمد)

ترجمہ: ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”جب تمھیں اپنے اچھے کام سے خوشی اور اپنے برے کام سے تکلیف اور افسوس ہوتو تم مومن ہو۔“ اس نے عرض کیا: گناہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: ”جب تیرے دل میں کوئی چیز تردد پیدا کردے اور مشتبہ معلوم ہوتو اسے چھوڑ دے۔“

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ ایمان کا انسان کے عمل سے گہرا ربط و تعلق ہے۔ یہ آدمی کے ایمان ہی کا تقاضا ہے کہ اچھے عمل کی توفیق پر اسے خوشی اور مسرت ہو اور اگر اس سے کوئی غلط کام ہوجائے تو اسے پچھتاوا اور غم ہو۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ثَلٰثٌ مَّنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا وَ اَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَ اَنْ یَّکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ۔
(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوں اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ اسے جس شخص سے محبت ہو اللہ ہی کے لیے محبت ہو۔ اور کفر کی طرف پلٹنا اسے اتنا ہی ناگوار ہو جتنی ناگوار اسے یہ بات ہے کہ اس کو آگ میں ڈال دیا جائے۔“

تشریح: اس حدیث سے حقیقی ایمان اور اس کے آثار و ثمرات پورے طور پر ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ ایمان کامل، سراپا راحت و لذت ہوتا ہے۔ اس حدیث میں جن تین بنیادی باتوں کا تذکرہ ہے وہ ایمان کامل کی پہچان ہیں۔ مومن پر اللہ اور اس کے رسول کی محبوبیت عیاں ہوجاتی ہے اس لیے اس کی نگاہ میں اللہ اور رسول سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں، وہ بس اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اس کی زندگی کا مرکز و محور صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے، اس کی رضا اور خوشنودی

اسے جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، اللہ کی رضا میں ہی اسے حقیقی راحت ملتی ہے، جس کسی سے بھی اس کی دوستی ہوگی اللہ ہی کے لیے ہوگی، جس سے وہ کٹے گا اللہ ہی کے لیے کٹے گا، جو کام بھی کرے گا اللہ کے لیے کرے گا، اللہ کا حکم ہی اس کے سارے پروگرام کا اصل ماخذ قرار پائے گا، ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا اسے اتنا ہی ناگوار اور ناقابلِ برداشت ہوگا جتنا آگ میں ڈالا جانا۔ دنیا میں بھی کفر انسانی فطرت کے لیے تباہی وہلاکت ہے، آخرت میں اس کا انجام دوزخ کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: ''ایمان کا مزہ اس نے چکھ لیا جو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہوگیا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ ایمان کوئی بے مزہ چیز نہیں ہے بلکہ وہ انسان کے لیے ایک راحت بخش اور لذیذ شے ہے۔ لذیذ شے ہم اسی کو کہتے ہیں جس سے ہماری امنگوں اور ہماری فطری خواہشات اور ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ ایمان درحقیقت انسانی زندگی کی ایک ضرورت ہے۔ اس کے بغیر آدمی ایک بڑی نعمت سے محروم رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے اپنی محرومی کا احساس نہ ہو۔ جس کسی کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا وہ ایمان کی لذت سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔ حقیقی اور کامل ایمان کی دولت آدمی کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ اسے اپنے رب کی اور اس کے اتارے ہوئے دین (اسلام) کی معرفت حاصل ہو اور رسالت کی عظمت کو وہ پہچانتا ہو۔ پھر تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے رب کو دل وجان سے رب نہ مانے یا اسلام کو بہ رضا ورغبت اپنا دین نہ بنالے اور محمد ﷺ کو اپنا رسول اور رہنما تسلیم نہ کرے۔ اللہ کی ربوبیت کا اعتراف انسانی فطرت کی پکار ہے۔ اسلام وہ فطری راہ ہے جسے اختیار کرنے کے بعد ہی درحقیقت انسانی فطرت کے مطالبات پورے ہوتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ وہ رہنما ہیں جو زندگی کی فطری راہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ، قَالَ: اَنْ

تُحِبَّ لِلّٰہِ وَ تُبۡغِضَ لِلّٰہِ وَ تُعۡمِلَ لِسَانَکَ فِیۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ قَالَ: وَ مَاذَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ! قَالَ: وَ اَنۡ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفۡسِکَ وَ تَکۡرَہُ لَھُمۡ مَّا تَکۡرَہُ لِنَفۡسِکَ۔

(احمد)

ترجمہ: معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضلِ ایمان کے بارے میں پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ اللہ ہی کے لیے تم کسی سے محبت کرو اور اللہ ہی کے لیے تم کسی سے بغض اور نفرت رکھو اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں لگائے رہو۔ (حضرت معاذؓ نے) عرض کیا: اور کیا یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا: ”اور یہ کہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور ان کے لیے بھی اس کو ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان کی بہترین حالت یہ ہے کہ آدمی کا تعلق اللہ اور اس کے بندوں کے ساتھ درست ہو۔ اس کا دل خدا کی محبت سے معمور اور اس کی زبان خدا کے ذکر سے تر ہو۔ اس کے ارادہ وعمل کے پیچھے صرف خدا طلبی کا جذبہ کام کر رہا ہو۔ اس کی دوستی اور دشمنی، محبت اور نفرت سب کچھ خدا کے حکم اور فیصلے کے تابع ہو، اس کی زندگی میں خدا اس طرح داخل وشامل ہو کہ اس کی زندگی کا مفہوم خدا کی رضا طلبی کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

〈۶〉 وَ عَنۡ اَبِیۡ اُمَامَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنۡ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبۡغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعۡطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسۡتَکۡمَلَ الۡاِیۡمَانَ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے اللہ ہی کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے دینے سے رُکا تو اس نے (اپنے) ایمان کو کامل کرلیا۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ آدمی کے ایمان کو کامل اسی وقت کہا جاسکتا ہے جبکہ اس کی عملی زندگی ایمان کے سانچے میں ڈھل گئی ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آدمی کے ایمان میں تو کوئی نقص نہ ہو لیکن اس کی عملی زندگی ناقص رہ جائے۔

〈۷〉 وَ عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَکۡمَلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِیۡمَانًا اَحۡسَنُھُمۡ خُلُقًا۔ (ابوداؤد، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا اخلاق ان میں سب سے بہتر ہو۔''

تشریح: آدمی کا اخلاق اس کے ایمان کی واضح علامت ہے۔ اگر کسی کے ایمان نے اس کا اخلاق بلند نہیں کیا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ابھی اس کے ایمان میں نقص ہے۔ اس کی ایمانی حالت جتنی زیادہ بہتر ہوگی اس کا اخلاق بھی اتنا زیادہ بہتر ہوگا۔ لوگوں میں جس کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہوگا اس کا اخلاق بھی سب سے بہتر ہوگا۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ، هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ۔ (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلم وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔'' یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ بہترین مسلم کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ شخص جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

تشریح: یعنی جو نہ تو اپنی زبان سے کسی مسلمان کو ایذا اور نقصان پہنچائے اور نہ اپنے ہاتھوں سی کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے، وہی حقیقی مسلم ہے۔

معلوم ہوا کہ ہجرت صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں گھر بار چھوڑ دے بلکہ حقیقی ہجرت تو یہ ہے کہ آدمی ان تمام چیزوں کو ترک کر دے جو اللہ کو ناپسند ہیں جن سے اس نے ہمیں منع فرمایا ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَآئِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ زَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ بِرِوَايَةِ فُضَالَةَ الْكَامِلِ

وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ۔
(ترمذی، نسائی، بیہقی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلم وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور ان کے اموال محفوظ رہیں۔'' یہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں فضالہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ مزید ہیں: ''اور مجاہد وہ ہے جس نے خدا کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے خطاؤں اور گناہوں کو ترک کر دیا۔''

تشریح: یعنی حقیقت میں مسلم وہی ہے جو نہ لوگوں کا ناحق خون بہائے نہ ان کے اموال کو نقصان پہنچائے۔ لوگوں کو اس سے کسی طرح کا اندیشہ نہ ہو۔

اور حقیقی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے اور اسے خدا کا تابع فرمان بنائے۔ خدا کی طاعت و بندگی سے کبھی منحرف نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ جہاد کا موقع صرف میدان جنگ ہی میں نہیں ہوتا بلکہ اس کا موقع ہر وقت اور ہر آن رہتا ہے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْقِطْعَةِ مِنَ الذَّهَبِ نَفَخَ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا فَلَمْ تَغَيَّرْ وَلَمْ تَنْقُصْ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ النَّحْلَةِ اَكَلَتْ طَيِّبًا وَ وَضَعَتْ طَيِّبًا وَ وَقَعَتْ فَلَمْ تُكْسِرْ وَلَمْ تُفْسِدْ۔

(احمد)

ترجمہ: عبداللہ بنؓ عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے: مومن کی مثال سونے کے ٹکڑے کی سی ہے جس کے مالک نے اسے تپایا پھر نہ تو اس میں کوئی تغیر ہوا اور نہ اس میں کوئی کمی ہوئی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے: مومن کی مثال اس شہد کی مکھی جیسی ہے جس نے عمدہ پھولوں کا رس چوسا اور عمدہ شہد بنایا اور جس شاخ پر بیٹھی نہ تو اسے توڑا اور نہ خراب کیا۔''

تشریح: یعنی مومن اصلی سونے کی طرح کھرا ہوتا ہے۔ تپانے سے نہ تو اس کے رنگ میں کوئی

فرق واقع ہوتا ہے اور نہ وزن میں، مومن کی غذا پاکیزہ ہوتی ہے، بھلائی اور خیر کے علاوہ کوئی چیز اس سے ظہور میں نہیں آتی، وہ کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ۔ (ابن ماجہ، ترمذی، بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بات آدمی کے اسلام کی خوبی اور حسن میں سے ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔''

تشریح: آدمی کا دین و ایمان جتنا زیادہ کامل اور بہتر ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کے اخلاق و اعمال میں پاکیزگی اور حسن و کمال پایا جائے گا۔ آدمی اگر فضول اور لایعنی باتوں کو ترک کر دیتا ہے تو وہ اپنے اس عمل سے اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کی دینی حالت بہتر ہے۔ دین و ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے انسان درحقیقت اپنی فطرت ہی کے مطالبات کو پورا کرتا ہے، اپنے اسلام کو درست کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ اس طرح آدمی اپنی زندگی کو سنوارتا اور اسے بہتر بناتا ہے۔ اپنے اسلام کے حسن میں داغ لگا کر انسان اپنی زندگی کو داغ دار کرتا اور حسن و خوبی سے اپنے آپ کو محروم کرتا ہے۔ انسان کو خدا کی طاعت و بندگی اور اس کے احکام کی پابندی میں حقیقی زندگی اور حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا (زندگی پاتا ہے) جو خداوند کی طرف سے آتا ہے (لوقا کی انجیل ۱۱: ۱۳) یعنی خدا کے احکام ہی انسان کو زندگی بخشتے ہیں۔ یہ حقیقت قرآن میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمَاتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام: ۱۲۲) ''کیا جو مردہ ہو پھر ہم نے اسے زندگی بخشی ہو اور اس کو روشنی دی ہو جس کو لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہو، کیا اس کی طرح ہوگا جو تاریکیوں میں ہو، ان سے نکلنے والا نہ ہو۔'' اس آیت میں ایمان کو زندگی اور خدا کے احکام کی پیروی کو روشنی لے کر چلنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ دونوں چیزیں لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: فَلَمَّا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا قَالَ: لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ ''اس میں ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور اس میں دین نہیں جو عہد کا پابند نہیں۔''

تشریح: یعنی یہ آدمی کے ایمان و یقین ہی کا تقاضا ہے کہ وہ امانت دار اور اپنے عہد کا پابند ثابت ہو۔ بدعہدی، خیانت اور مکر و فریب کا حقیقی ایمان کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے۔ ایسے شخص کا ایمان بے حد کمزور اور ناقص ہے جو اللہ پر اور زندگی کی ان حقیقتوں پر ایمان بھی رکھتا ہے جن کی خبر اللہ کے رسول نے دی ہے اور اسی کے ساتھ نہ اسے امانت کا خیال رہتا ہے اور نہ وہ اپنے کیے ہوئے عہد کا پاس و لحاظ کرتا ہے۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَؓ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْاِسْلَامُ؟ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ، فَقُلْتُ: مَا الْاِيْمَانُ قَالَ: اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ قُلْتُ: اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ: قُلْتُ: اَیُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: خُلُقٌ حَسَنٌ، قَالَ: قُلْتُ: اَیُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ، قَالَ: قُلْتُ اَیُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ قَالَ فَقُلْتُ فَاَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَ اُهْرِيْقَ دَمُهٗ، قَالَ: قُلْتُ: اَیُّ السَّاعَاتِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ۔ (احمد)

ترجمہ: عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ فرمایا: خوش گفتاری اور کھانا کھلانا۔ میں نے عرض کیا: ایمان کیا ہے۔ فرمایا: صبر اور فراخ دلی۔ میں نے عرض کیا: کون سا اسلام افضل ہے؟ فرمایا: (اس کا) جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذا رسانیوں) سے مسلمان محفوظ رہیں۔ میں نے عرض کیا: کون سا ایمان افضل ہے؟ فرمایا: بہترین اخلاق۔ میں نے عرض کیا: کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا: جو طویل قنوت کی حامل ہو۔ میں نے عرض کیا: کون سی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا: ان چیزوں کو چھوڑ دینا جن کو تیرا رب ناپسند کرتا ہو۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ فرمایا: اس کا جس کا گھوڑا (جہاد میں) مارا جائے اور خود اس کا بھی خون بہایا جائے۔ میں نے عرض کیا: کون سی ساعت افضل ہے؟ فرمایا: رات کا آخری نصف حصہ۔

تشریح: دوسری احادیث کی طرح یہ حدیث بھی بتاتی ہے کہ اسلام و ایمان کا تعلق انسان کے محض فکر و نظر سے نہیں ہے بلکہ انسان کی عملی زندگی سے بھی ان کا گہرا ربط و تعلق ہے۔ آدمی کا دین اور اس کا ایمان اس کے اخلاق و اعمال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ آدمی کی دینی اور ایمانی حالت اگر بہتر ہے تو اس کی زندگی بہترین اخلاق کا نمونہ ہوگی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہترین نماز وہ ہے جس میں طویل قیام اور طویل قرأت ہو اور جس میں خشوع و خضوع بھی بدرجۂ اتم پایا جائے جو نماز کی اصل روح ہے۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اَلْحَیَاءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حیا اور کم سخنی ایمان کے دو شعبے ہیں اور بدزبانی اور زبان آوری نفاق کے دو شعبے ہیں۔''

تشریح: مومن کبھی بھی فحش گو اور زبان دراز نہیں ہوسکتا۔ بے حیائی، بدتہذیبی اور بدتمیزی منافق ہی کو زیب دیتی ہے۔ شرم و حیا اور دوسروں کا لحاظ و احترام اور گفتار و کردار میں تہذیب اور شائستگی کا خیال رکھنا، یہ ایمان ہی کی علامات ہیں۔ ایمان حقیقت میں جملہ اوصاف و محاسن کی روح ہے۔ ایمان سے محرومی کو ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَ جَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ''وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہ جائے۔''

تشریح: ایمان کا انسان کے اخلاق و اعمال سے گہرا ربط و تعلق ہے، یہ آدمی کے ایمان کے تقاضے کے سراسر منافی ہے کہ وہ خود تو پیٹ بھر کر کھائے لیکن اس کے پہلو ہی میں اس کا پڑوسی بھوکا رہ جائے۔

﴿۱۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَسَمَ بَیْنَکُمْ اَخْلَاقَکُمْ کَمَا قَسَمَ بَیْنَکُمْ اَرْزَاقَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُعْطِی الدُّنْیَا مَنْ یُّحِبُّ وَ

مَنْ لَّا یُحِبُّ وَلَا یُعْطِی الدِّیْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّ فَمَنْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ الدِّیْنَ فَقَدْ اَحَبَّهٗ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُسْلِمُ عَبْدٌ حَتّٰی یُسْلِمَ قَلْبُهٗ وَ لِسَانُهٗ وَلَا یُؤْمِنُ حَتّٰی یَاْمَنَ جَارُهٗ بَوَآئِقَهٗ۔ (احمد)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان اخلاق کو اس طرح تقسیم فرمایا ہے جس طرح اس نے تمھارے رزق کو تمھارے درمیان تقسیم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اس شخص کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے بھی جس سے محبت نہیں کرتا۔ لیکن دین صرف اس کو عطا فرماتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ پس جس کو اللہ نے دین دیا ہے اسے وہ محبوب رکھتا ہے۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بندہ اس وقت تک مسلم نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلم نہ ہو اور وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہو۔''

تشریح: اس روایت میں دین کا لفظ اخلاق کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین حقیقت میں اخلاق ہی کا دوسرا نام ہے۔ دین و اخلاق جس کے حصہ میں آئے سمجھ لیجیے اس پر خدا کی خاص عنایت ہے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ آدمی کا اسلام اسی وقت کامل ہوتا ہے جب کہ اس کا دل اور اس کی زبان بھی مسلم ہو۔ اس کے دل میں خدا کی طاعت و بندگی کے جذبہ کے سوا اور کوئی جذبہ نہ ہو۔ اس کی زبان سے حق و صداقت کی بات کے سوا اور کوئی بات نہ نکلتی ہو۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ دل باطل عقائد سے پاک اور زبان خدا کی کبریائی اور آقائی کا اقرار کرتی ہو۔

〈۱۷〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَبِیْ ذَرٍّ: یَا اَبَا ذَرٍّ اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ؟ قَالَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاةُ فِی اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا: اے ابوذر! ایمان کی کون سی شاخ زیادہ مضبوط ہے؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''لوگوں سے اللہ کے لیے دوستی رکھنا، اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے دشمنی رکھنا۔''

تشریح: حقیقی ایمان بھی یہ ہے کہ پڑوسی ہماری ایذا رسانیوں سے محفوظ رہے۔ اسے ہم سے

کوئی خطرہ نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ ایمان کا اخلاق اور انسان کی عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ ایمان کو اگر انسان کی اخلاقی و عملی زندگی سے الگ کر دیا جائے تو وہ محض ایک بے جان تصور ہو کر رہ جائے گا۔

﴿۱۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْحَیَآءُ مِنَ الْاِیْمَانِ فِی الْجَنَّةِ وَالْبَذَآءُ مِنَ الْجَفَآءِ وَالْجَفَآءُ فِی النَّارِ۔ (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حیا ایمان کا ایک جزو ہے اور ایمان کی جگہ جنت ہے اور بے حیائی بدی میں سے ہے اور بدی کا ٹھکانا دوزخ ہے۔“

تشریح: اہل ایمان کی دائمی قرارگاہ جنت اور برے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ شرم و حیا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ جس شخص کو ایمان عزیز ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بے حیائی اور بدکرداری کو کبھی بھی اختیار نہ کرے۔ کیونکہ اس سے ایمان مجروح ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے چھن جانے کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔

﴿۱۹﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الْحَیَآءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَآءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ فِیْ رِوَایَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْاٰخَرُ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حیا اور ایمان کو ایک ساتھ رکھا گیا ہے۔ ان میں سے جب ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔“ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے: ”جب ان میں سے ایک سلب کیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے ساتھ جاتا رہتا ہے۔“

تشریح: یعنی جس طرح یہ ضروری ہے کہ جہاں چراغ ہو وہاں لازماً روشنی بھی ہو اسی طرح حیا اور ایمان میں بھی قریبی ربط و تعلق ہے۔ اگر ایمان نہیں تو کسی حیا و شرم کی توقع رکھنی حماقت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس حیا نہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ یا تو وہ ایمان کی دولت سے محروم ہے یا پھر اس کا ایمان اس درجہ ضعیف اور کمزور ہے کہ زندگی میں اسے کسی مؤثر قوت کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

یقین کی کیفیت

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِّلنَّبِیِّ ﷺ یَوْمَ اُحُدٍ اَرَأَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَیْنَ اَنَا؟ قَالَ فِی الْجَنَّةِ فَاَلْقٰی تَمَرَاتٍ فِیْ یَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جنگ احد کے موقع پر ایک شخص نے نبی ﷺ سے کہا: فرمائیے، اگر میں مارا جاؤں تو میں کہاں ہوں گا؟ فرمایا: جنت میں۔ یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

تشریح: جہاد کے موقع ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں اس جنگ میں مارا گیا تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سننے کے بعد کہ اگر وہ حق و باطل کی لڑائی میں حق کی حمایت میں لڑتا ہوا مارا جاتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، وہ میدان جنگ میں کود پڑا اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں، ان کو اس نے پہلے ہی پھینک دیا تھا، اسے جس چیز کی امید دلائی گئی تھی اس نے اسے کھجوروں کی لذت سے بے نیاز کر دیا تھا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَیْئَةِ فَقَالَ یَا اَبَا مُوْسیٰ! اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ هٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ۔ فَرَجَعَ اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَقْرَءُ عَلَیْکُمُ السَّلَامَ ثُمَّ کَسَرَ جَفْنَ سَیْفِهٖ فَاَلْقَاهُ ثُمَّ مَشٰی بِسَیْفِهٖ اِلَی الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهٖ حَتّٰی قُتِلَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔'' یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور کہا: اے ابوموسیٰ! کیا تم نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا: میرا اسلام لو۔ پھر اس نے اپنی تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی اور اپنی تلوار لے کر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

تشریح: ''جنت تلواروں کے سایہ میں ہے'' یعنی ان لوگوں کے لیے جنت یقینی ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کریں اور اپنی تلواروں اور اپنے ہتھیاروں سے باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کریں خواہ اس سلسلہ میں انھیں اپنی جان تک کی قربانی دینی پڑے۔ ایک شکستہ حال شخص کو جب یہ یقین ہو گیا کہ یہ خبر حضور ﷺ نے دی ہے کہ جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے تو اس کے حق ہونے میں اسے

کوئی شبہ نہیں رہا، پھر تو اسے کوئی چیز فرض کے ادا کرنے سے باز نہ رکھ سکی، وہ دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور اپنی جان خدا کی راہ میں دیدی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَ اَصْحَابُهٗ حَتّٰی سَبَقُوا الْمُشْرِكِیْنَ اِلٰی بَدْرٍ وَ جَآءَ الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قُوْمُوْا اِلَی الْجَنَّةِ عَرْضُهَا السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْضُ قَالَ عُمَیْرُ بْنُ الْحُمَامِؓ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَا یَحْمِلُكَ عَلٰی قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ؟ قَالَ لاَ وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا رِجَاءَ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ: فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِّنْ قَرَنِهٖ فَجَعَلَ یَاْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ: لَئِنْ اَنَا حُیِیْتُ حَتّٰی اٰكُلَ تَمَرَاتِیْ اِنَّهَا لَحَیٰوةٌ طَوِیْلَةٌ قَالَ: فَرَمٰی بِمَا كَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰی قُتِلَ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ (جنگ کے لیے) نکلے یہاں تک کہ وہ بدر میں مشرکوں سے پہلے جا پہنچے۔ پھر مشرک لوگ بھی آ گئے۔ تو آپؐ نے (اپنے ساتھیوں سے) فرمایا: اس جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کے مانند ہے۔ عمیر بن حمام بولے: خوب، خوب! آپؐ نے فرمایا: تم نے یہ الفاظ کیوں کہے۔ انھوں نے عرض کیا: بخدا یا رسول اللہ! صرف اس امید و آرزو میں کہ شاید اہل جنت میں میں بھی ہو جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا: تم انھیں اہلِ جنت میں سے ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد عمیر بن حمامؓ نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور انھیں کھانے لگے۔ پھر بولے: اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ اپنی کھجوروں کو کھالوں تو یہ تو طویل زندگی ہوگی۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکوں سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

تشریح: یہ جنگ بدر کے موقع کی بات ہے۔ جنگ بدر شعبان ۲ھ میں ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی فوج ۳۱۹ مجاہدوں پر مشتمل تھی۔ مقابلہ میں ایک ہزار کی فوج تھی۔ مسلمانوں کے پاس لڑائی کا سامان بھی ٹھیک طور سے نہ تھا۔ حضور ﷺ کو صورتِ حال کی نزاکت کا پورا احساس تھا۔ آپؐ نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیے اور بلند آواز سے فرمانے لگے: اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِیْ مَا وَعَدْتَّنِیْ اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لاَ تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ" خدایا! تو نے جو وعدہ مجھ سے

کیا تھا اسے پورا کر۔ خدایا! اگر تو اسلام کی اس مختصر سی جماعت کو ہلاک کر دے گا تو اس زمین پر تیری پرستش و عبادت نہ ہوگی۔'' آپ برابر اسی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے بآواز بلند دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ کے شانوں سے ردائے مبارک نیچے گر پڑی۔ (مسلم۔ بروایت عمر بن الخطابؓ)

اس جنگ میں خدا کی مدد سے مسلمان فتح یاب رہے، کفار و مشرکین کو منھ کی کھانی پڑی، وہ بری طرح پسپا ہوئے۔ ان کے ستر ۷۰ سردار مارے گئے۔

اس جنگ کے موقع پر آپؐ نے مسلمانوں کو جہاد کے لیے ابھارا اور انھیں اس حقیقت سے آگاہ فرمایا تھا کہ اس لڑائی کے لیے بڑھنا درحقیقت خدا کی وسیع و عریض جنت کی طرف بڑھنا ہے۔ قرآن مجید میں جنت کی وسعت کا تذکرہ انھی الفاظ میں فرمایا گیا ہے اور اہل ایمان کو اسے حاصل کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ہے: سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لا اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ط (الحدید:۲۱) ''بڑھو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت کے مانند ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔''

حضرت عمیر بن حمامؓ کو اپنے جنتی ہونے کی خبر سن کر اتنی تاخیر بھی گوارا نہ ہوئی کہ وہ کھجوروں کو کھا کر دشمن کے مقابلہ میں نکلیں، جنت کی آرزو میں دنیا میں تھوڑی دیر کا قیام بھی بھاری معلوم ہوا، اتنی سی تاخیر کہ کھجوریں کھا سکیں انھیں ایک طویل زندگی کی طرح سخت محسوس ہوئی، بالآخر انھوں نے کھجوریں پھینک دیں اور مشرکوں پر ٹوٹ پڑے اور خدا کی راہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

یہاں چند روایتیں درج کی گئی ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب یقین دلوں میں گھر کر لیتا ہے تو آدمی کی کیا حالت ہوتی ہے۔ صحابۂ کرامؓ کے اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں ایمان و یقین کی مطلوبہ کیفیت حاصل تھی۔ آدمی کو یقین کی دولت حاصل ہو اور زندگی کا اصل مقصد اس کے سامنے ہو تو اس کے جذبات و احساسات عام لوگوں سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں جس محنت و مشقت کے کام کو لوگ بار محسوس کرتے ہیں، اسے وہ زندگی کا حاصل سمجھتا ہے اور جو عمل عام نگاہوں میں بے لذت اور خشک ہوتا ہے وہ اس کا محبوب ترین مشغلہ قرار پاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی جس چیز کو بھی اپنا مقصد اور اپنی کامیابی کا نشانہ سمجھتا ہے

اس کے لیے وہ حد درجہ حساس ہو جاتا ہے، مقصد سے شیفتگی اور والہانہ تعلق کا اظہار یوں تو علوم و فنون اور تجارت و کاروبار وغیرہ کی دنیا میں بھی ہوا ہے لیکن اس کا سب سے بڑھ کر اظہار دین و اخلاق کی دنیا میں ہوا ہے۔ جن لوگوں نے دین و اخلاق کو زندگی کا مقصد قرار دیا اور خدا کے وعدہ پر ایمان لائے ان کی زندگیاں بدل کر رہ گئیں۔ خاک و خون سے بنے ہوئے انسان کسی اور دنیا کی مخلوق معلوم ہونے لگے۔ انھوں نے اپنے کردار سے دنیا کو وہ روشنی بخشی جس کی دنیا کو ہر آن ضرورت ہے۔ ان کے ایمان نے انھیں ایسا فراغ اور قلبی نشاط اور اطمینان بخشا تھا جس کے تصور سے روحیں وجد میں آجاتی ہیں۔ جنگ تبوک کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا سارا ہی اثاثہ لا کر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔ حضورؐ کے دریافت فرمانے پر کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں ''گھر پر خدا اور رسول کو چھوڑا ہے۔'' ہمارے گھر کی آبادی مال و دولت سے نہیں اللہ اور اس کے رسول سے ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے کچھ بچا کر رکھنا ہمارے لیے ممکن ہی نہیں۔ جس چیز نے حضرت صدیقؓ کو اتنا اونچا اٹھایا تھا وہ ایمان کی اعلیٰ کیفیات کا شعور و احساس تھا۔ حضرت ابن عباسؓ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: مَا سبقکم ابوبکر بکثرة صوم ولا صلوٰة وَ لٰکن بشیٍٔ وقر فی قلبه ''ابوبکر نماز اور روزے کی کثرت کے سبب سے سبقت نہیں لے گئے بلکہ ایک چیز کی وجہ سے جو ان کے دل میں راسخ ہو گئی۔''

حضرت خبیبؓ کو ان کے دشمن قتل کرنے کی غرض سے حدودِ حرم سے باہر لے گئے تو انھوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: جی تو چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھوں لیکن تم سمجھتے کہ موت سے ڈر گیا۔ پھر انھوں نے یہ شعر پڑھا:

وَمَا ان ابالی حین اقتل مسلما عَلٰی ای شق کان فی اللّٰہ مصرعی
و ذالک فی ذات الالٰه و ان یشا یبارک علی اوصال شلو ممرع

''جب میں اسلام کے لیے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی پروا نہیں کہ میں کس پہلو قتل کیا جاتا ہوں۔ جو کچھ ہے خالصاً خدا کے لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔''

حضرت خبیبؓ خدا کی راہ میں جان دے کر اپنے بعد آنے والوں کو منزل کا پتہ دے گئے۔ ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے کامیاب ہیں خواہ وہ حسن البنا ہوں یا عبدالقادر عودہ ہوں یا

سید قطب اور ان کے ساتھی۔ زندگی کا طالب ہر شخص ہے۔ خدا جس کو زندگی عطا کرنی چاہتا ہے اسے یوں زندگی مرحمت فرماتا ہے۔ سطحی اور پست قسم کے اغراض و مقاصد تو آدمی کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔ ان کے پیچھے پڑ کر آدمی چاہے سب کچھ حاصل کر لے لیکن شخصیت اور عزتِ نفس نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں رہ سکتی۔ شخصیت اور کردار کے مالک تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو کسی بلند مقصد کے لیے جینے اور اس کے لیے مرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ قلعوں کو فتح کر لینا اور دشمنوں کو شکست دینا آسان ہے لیکن خواہشاتِ نفس کو زیر کرنا اور مستقل طور پر اپنے آپ کو ایک راہ پر لگا دینا بے حد مشکل کام ہے۔ لیکن یہ مشکل ان کے لیے آسان ہو جاتی ہے جو فکر بلند کے حامل اور کسی منزل کے جویا ہوتے ہیں۔ ایمان کی طاقت ابھرتی ہے تو وہ ہر چیز کو زیر کر لیتی ہے۔ آدمی اگر اس مقام کو اپنے پیشِ نظر رکھے جو انسانی سعادت کا سب سے اونچا مقام ہے تو اس سے اس کے کردار میں طاقت اور اس کی سیرت میں پختگی آسکتی ہے۔ جب ہماری نگاہ منزل کے سوا دوسری طرف بہکی ہو اور ہمارا دل اصل مقصد کے علاوہ کہیں اور اٹکا ہوا ہو تو حق کی طرف ہمارا ایک قدم بھی اٹھنا مشکل ہے۔ منزل مقصود نگاہ میں ہو اور آدمی کو ایمان کی اصل کیفیت حاصل ہو تو وہ اس چیز کا آرزومند ہو جائے جس کی آرزو وہ کل مرنے کے بعد کرے گا۔ مومن کی نگاہ تو سطحی چیزوں پر نہیں ٹکتی۔ وہ ان چیزوں کو جویا ہوتی ہے جو مستقل قدر کی حامل ہوں۔

مومن کی تصویر

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلاَ خَیْرَ فِیْمَنْ لاَ یَأْلَفُ وَلاَ یُؤْلَفُ۔ (احمد، البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مومن محبت و الفت کا مسکن ہوتا ہے۔ اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ کسی سے محبت کرے اور نہ جس سے کوئی محبت کرے۔“

تشریح: مومن سب کا ہمدرد و غم گسار ہوتا ہے، وہ خود غرض اور تنگ نظر نہیں ہوتا، اسے سب سے الفت و محبت ہوتی ہے۔ سارے انسان اس کی نگاہ میں خدا کے عیال ہوتے ہیں، ایسے شخص کے اندر لازماً شانِ محبوبی پائی جائے گی جسے سارے لوگوں سے محبت اور ہمدردی ہوگی۔ یہی محبت کی فطرت ہے۔ ایسا شخص جو نہ لوگوں سے محبت و ہمدردی رکھتا ہے اور نہ اس سے کسی کو کوئی لگاؤ اور

محبت ہے، ایمان کی لذت سے نا آشنا ہے، اس کا وجود بے معنی ہے، وہ ایک ایسے پھول کے مشابہ ہے جو رنگ و بو سے محروم ہو۔

﴿۲﴾ وَ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيْمٌ۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مومن بھولا بھالا اور کریم النفس ہوتا ہے۔ اور فاجر شخص چالاک، بخیل اور بد اخلاق ہوتا ہے۔''

تشریح: مومن انتہا درجہ شریف النفس اور با اخلاق ہوتا ہے، وہ برائیوں اور لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں نہیں رہتا، وہ قلتِ فہم اور بے خبری کی بنا پر نہیں بلکہ حسنِ اخلاق کے سبب سے لوگوں کے عیوب کو نظر انداز کرتا اور چشم پوشی سے کام لیتا ہے، مکر و فریب، کذب و خباثت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

﴿۳﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔

(ابوداؤد، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان میں کامل تر مومن وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔''

تشریح: ایمان کا انسان کے اخلاق و اعمال سے وہ تعلق ہے جو تعلق بیج اور درخت کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ایمان سے مومنانہ اخلاق وجود میں آتا ہے اور مومنانہ اخلاق سے اسلامی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے۔ ہم کسی شخص کے دل کو چیر کر یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ اس میں ایمان کی کیا مقدار موجود ہے۔ آدمی کے ایمان و عقائد کے بارے میں ہمیں جو کچھ اندازہ ہوتا ہے وہ اس کے عملی رویہ اور اس کے اخلاق سے ہوتا ہے۔ اگر کسی مومن کے اخلاق اچھے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ایمانی حالت بہتر ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَنْ يَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَّسْمَعُهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا پیٹ بھلائی سے کبھی نہیں بھرتا، وہ اسے سنتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مومن نیکی اور بھلائی اور علم وحکمت کی باتوں سے کبھی سیر نہیں ہوتا، وہ علم کی تحصیل میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی عمر تمام ہو جاتی ہے اور علم و عمل کی برکت سے اسے جنت میں داخلہ مل جاتا ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ صُهَيْبٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: عَجَبًا لِّاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَ لَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت صہیبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی عجیب شان ہے۔ اس کے تمام ہی کام بہتر ہیں اور یہ خصوصیت صرف مومن کی ہے۔ اگر اسے خوشی حاصل ہو تو شکر کرے، یہ اس کے لیے بہتر ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر اختیار کرے، یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔''

تشریح: شکر اور صبر دونوں ہی آدمی کی سیرت و کردار کی عظمت کی دلیل ہیں۔ مومن خوشی کی حالت میں اگر خدا کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ کامیاب ہے۔ اس طرح مصیبت میں اگر وہ دامنِ صبر کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تو اس وقت بھی وہ کامیاب ہے۔ مومن کی زندگی سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہی کہ وہ مختلف حالات میں بہترین روش اختیار کرے اور اس کی طرف سے بہتر سے بہتر کردار کا اظہار ہو۔ صبر و شکر سے بہترین سیرت و کردار ہی کا اظہار ہوتا ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ بَعْضِ مَلٰٓئِكَتِهٖ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن خدا کی نگاہ میں بعض فرشتوں سے بزرگ و برتر ہے۔''

تشریح: انسان کو خدا نے بلند درجہ عطا فرمایا ہے۔ اسے مسجودِ ملائک بنایا اور فرشتوں تک کو اس کی خدمت میں لگایا۔ مجموعی اعتبار سے اہلِ ایمان کا درجہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ عام مومنوں کا درجہ بھی خدا کی نگاہ میں کم نہیں ہے اور انبیاء کا درجہ تو خدا کے مقرب ترین ملائکہ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ۔ (ترمذی، بیہقی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا نہ وہ لعنت کرنے والا ہوتا ہے، نہ فحش بکنے والا ہوتا ہے اور نہ وہ زبان دراز ہوتا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مومن کی زندگی انتہائی پاکیزہ ہوتی ہے وہ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر ہوتا ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بندہ اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

تشریح: مومن کی ایک بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ عالی ظرف ہوتا ہے، وہ تنگ نظر نہیں ہوتا، وہ دوسروں کے لیے بھی وہ بات پسند کرتا ہے جو اسے خود اپنے لیے پسند ہے، وہ اگر اپنا بدخواہ نہیں ہے تو وہ دوسروں کا بھی بدخواہ نہیں ہوسکتا۔ آج مسلمان اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ایک تعلیم پر عمل کرنے لگ جائیں تو کتنے ہی جھگڑوں اور فتنہ وفساد سے نجات مل جائے۔ اس لیے کہ اکثر فتنہ و فساد اور جھگڑوں کے پیچھے خودغرضی، تنگ نظری اور سطحیت ہی کام کرتی ہے۔''

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَآئِقَهٗ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم وہ شخص ایمان نہیں رکھتا، بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا۔ خدا کی قسم وہ ایمان نہیں رکھتا۔'' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کون شخص ایمان نہیں رکھتا؟ فرمایا: ''جس کا پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہو۔''

تشریح: یعنی اس شخص کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ شخص اپنے ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہے جس کے شر سے اس کا پڑوسی تک محفوظ نہیں۔ اس دعویٰ ایمان کا خدا کے یہاں کیا وزن ہوسکتا ہے جس کا عمل کی دنیا میں کہیں پتہ ونشان نہیں ملتا۔ اس درخت کو درخت کہنا فضول ہے جس میں سرسبزی وشادابی نام کو بھی نہیں پائی جاتی۔ اس چراغ کو چراغ کیسے کہا جاسکتا ہے جو نہ خود روشن ہے اور نہ اپنے ماحول کو روشنی دیتا ہے۔

اسلام کے محاسن

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔''

تشریح: اسلام حقیقت میں ہماری زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اسے حسن و جمال اور پاکیزگی سے آراستہ کرتا ہے۔ یہ عین خوبیٔ اسلام کی بات ہے کہ آدمی فضول اور لایعنی قسم کے کاموں سے کنارہ کش ہوجائے اور اپنے اوقات کو اچھے سے اچھے اور پسندیدہ کاموں میں صرف کرے۔ کوئی شخص اگر اپنے اوقات کو لایعنی کاموں میں ضائع کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو وہ اسلام سے بالکل ناآشنا ہے یا پھر اسلام کو ابھی وہ پورے طور پر جذب نہیں کرسکا ہے۔ اسلام تو انسان کے اوقاتِ زندگی کے لیے بہترین مصرف مہیا کرتا ہے۔ اس سے غفلت عقل و دانش اور ایمان کے قطعاً منافی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ بِاِسْلَامِہٖ فَکُلُّ حَسَنَۃٍ یَّعْمَلُھَا تُکْتَبُ لَہٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِمِأَۃِ ضِعْفٍ وَ کُلُّ سَیِّئَۃٍ یَّعْمَلُھَا تُکْتَبُ لَہٗ بِمِثْلِھَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ اِلَّا اَنْ یَّتَجَاوَزَ اللّٰہُ عَنْھَا۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے اسلام میں حسن وخوبی پیدا کرلیتا ہے تو جو نیکی وہ کرتا ہے وہ اس کے لیے دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جاتی ہے۔ اور جو برائی کرتا ہے وہ اتنی ہی لکھی جاتی ہے۔'' ایک روایت میں ہے: ''الّا یہ کہ اللہ اس سے درگزر فرمائے تو اتنی برائی بھی درج نہیں ہو۔''

تشریح: مالک اور احمد نے اسے علی بن حسین سے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور بیہقی نے دونوں سے روایت کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے ایمان اور اسلام کو سنوار لیتا ہے تو اس کی ایک ایک نیکی کا درجہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ دنیا میں بھی اس کی نیکیوں کے فیوض و برکات بڑھ جاتے ہیں

اور نامۂ اعمال میں بھی ایک ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک درج ہوتی ہے۔ عمل میں جتنا زیادہ خلوص ہوگا اتنا زیادہ اس کا درجہ اور وزن بڑھتا جائے گا۔ کبھی وقت پر ضرورت کا احساس بھی ایک نیکی کو بے شمار نیکیاں بنا دیتا ہے۔ پھر نیکی کے بڑھنے کا ضابطہ سات سو پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں مل سکتی ہیں۔ ''دس گنا سے سات سو گنا تک'' کہہ کر درحقیقت خدا کے قانونِ مضاعفت ہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں عام ضابطہ یہ بیان فرمایا گیا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام:۱۶۰) ''جو نیکی لے کر آئے گا اس کو اس کا دس گنا ملے گا'' لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا ہے: وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ٥ (النساء:۴۰) ''اور اگر نیکی ہو تو اس کا بڑھاتا ہے اور اس کو اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔''

فرمایا کہ ''جو برائی کرتا ہے تو اتنی ہی لکھی جاتی ہے۔'' قرآن میں بھی ارشاد ہوا ہے: وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ٥ (الانعام:۱۶۰) ''اور جو کوئی برائی لے کر آیا اسے اس کا اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی پیشِ نظر رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اِذَا هَمَّ عَبْدِیْ بِسَیِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَیْهِ فَاِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا سَیِّئَةً وَ اِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ یَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا حَسَنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا عَشْرًا (مسلم) ''جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے مت لکھو پھر اگر وہ برائی کر گزرے تو ایک برائی لکھ لو اور جب وہ نیکی کا قصد کرے لیکن کرے نہیں تو ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ کرے تو دس نیکیاں لکھو۔'' مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے: قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ رَبِّ ذَاكَ عَبْدُكَ یُرِیْدُ اَنْ یَّعْمَلَ سَیِّئَةً وَ هُوَ اَبْصَرَ بِهٖ فَقَالَ ارْتُبُوْهُ فَاِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ بِمِثْلِهَا وَ اِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ حَسَنَةً اِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّایَ۔ ''فرشتے کہتے ہیں کہ اے رب! تیرا یہ بندہ برائی کرنا چاہتا ہے حالانکہ خدا ان سے کہیں زیادہ بندے کو دیکھ رہا ہوتا ہے — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اسے دیکھتے رہو! اگر وہ برائی کرے تو ایک برائی اس جیسی لکھ دو اور اگر نہ کرے (باز آجائے) تو اس کے لیے ایک نیکی لکھو کیونکہ اس نے میرے خوف سے برائی کو چھوڑ دیا۔'' معلوم ہوا کہ اسلام جس خدا کا تصور

پیش کرتا ہے وہ انتہا درجہ تک مہربان ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آدمی اسے ناراض کر کے رحمت کے بجائے اس کے غضب کا مستحق ہو جائے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْكَافِرَ اِذَا اَحْسَنَ اِسْلَامَهٗ يُكْتَبُ لَهٗ فِي الْاِسْلَامِ كُلُّ حَسَنَةٍ عَمِلَهَا فِي الشِّرْكِ۔

(دار قطنی)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کافر شخص (اسلام قبول کر لیتا ہے اور اس) کے اسلام میں حسن و خوبی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی تمام نیکیاں جو زمانۂ شرک میں کی گئی تھیں اسلام کے بعد لکھ دی جاتی ہیں۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آدمی جب صحیح طور پر اسلام کو اختیار کرتا ہے تو اس کی زمانۂ کفر و شرک کی نیکیاں بھی ضائع نہیں ہوتیں بلکہ وہ بھی اس کے حساب میں درج کر لی جاتی ہیں اس لیے کہ اپنے فکر و عمل کو سنوار کر آدمی جہاں اپنے پچھلے برے اعمال کے بدنما داغوں سے اپنی زندگی کو پاک کرتا ہے وہیں اس کی نیک روش سے اس کے اچھے اعمال و کردار کو بقا مل جاتی ہے۔ صحیح طور پر اسلام قبول کرنے کے بعد نیکیوں کے ضائع ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام کے ذریعہ سے تو نیکیوں اور بھلائیوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسلام نیک اعمال کے لیے صحیح اور مستحکم بنیاد اور محرک مہیا کرتا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ اُنَاسٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: اَمَّا مَنْ اَحْسَنَ مِنْكُمْ فِي الْاِسْلَامِ فَلَا يُؤَاخَذُ بِهَا وَ مَنْ اَسَآءَ اُخِذَ بِعَمَلِهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْاِسْلَامِ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے ان اعمال کی باز پرس ہوگی جو ہم نے جاہلیت میں کیے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”تم میں سے جس کسی نے اسلام میں اچھے کام کیے اس سے تو باز پرس نہ ہوگی لیکن جس نے برے کام کیے اس سے اس کے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کے اعمال کی باز پرس ہوگی۔“

تشریح: اسلام لانے کے بعد اگر کوئی برے کاموں کو ترک نہیں کرتا تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی اس کی بداخلاقی بدستور قائم ہے۔ جب اس نے اپنی روش ہی نہیں بدلی تو

پھر وہ کون سی چیز ہوگی جو اس کے دامن کو اس کے پچھلے برے اعمال کے بدنما داغوں کو دھو سکے۔
البتہ اگر کوئی شخص سچے دل سے اسلام قبول کر کے اپنی اصلاح کر لیتا ہے، اپنے گزشتہ گناہوں اور کوتاہیوں کے لیے خدا سے عفو و درگزر کا طالب ہوتا ہے تو پھر اس کا اسلام تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ پچھلے گناہوں کی کوئی آلودگی باقی ہی نہیں رہتی کہ اس سے کوئی باز پرس کی جائے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍؓ اَنَّهٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: اَیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَاَيْتَ اُمُوْرًا كُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِهَا فِی الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ اَوْ عِتَاقَةٍ اَوْ صِلَةِ رَحِمٍ اَفِيْهَا اَجْرٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ۔

(بخاری، مسلم، حاکم فی مستدرک)

ترجمہ: حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فرمائیے، وہ کام جو میں جاہلیت کے زمانہ میں کیا کرتا تھا جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا، اعزّہ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، کیا ان کا بھی اجر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو نیکیاں کر چکے ہو ان سب کے ساتھ ہی اسلام لائے ہو۔“

تشریح: یعنی اجر و ثواب کیوں نہیں ملے گا، اسلام لا کر تم ان نیکیوں سے دست بردار تو ہوئے نہیں ہو کہ یہ نیکیاں باطل قرار پائیں۔ اسلام لانے کا مطلب تو انھی نیک اعمال کی تعمیل و تکمیل ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّؓ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَّفَهَا وَ كَانَ بَعْدَ ذَالِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِاَةِ ضِعْفٍ اِلٰی اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا۔ (بخاری)

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، ”جب کوئی بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور اس کے اسلام میں حسن و خوبی پیدا ہو جاتی ہے تو جتنی برائیاں وہ پہلے کر گزرا تھا اللہ سب معاف کر دیتا ہے اور اس کے بعد حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں سے سات سو گنا تک نیکیاں مل سکتی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور برائی کے بدلے میں صرف ایک برائی، یہ اور بات ہے کہ اللہ اس سے درگزر فرمائے (تو اب برائی کے بدلے ایک برائی بھی نہیں لکھی جائے گی)۔“

تشریح: آدمی جب سچے دل سے اسلام قبول کرتا اور اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالتا ہے تو پھر اسے ایک نئی اور پاکیزہ زندگی میسر آتی ہے۔ پچھلے گناہوں کی آلودگیوں اور نحوستوں سے اسے نجات مل جاتی ہے۔ ضابطے کے لحاظ سے بھی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ایک نیکی کے بدلے کئی گنا نیکیاں عطا کی جاتی ہیں، لیکن ایک برائی ایک ہی مانی جاتی ہے۔ اور کبھی اس سے بھی درگزر فرماتا ہے۔ اس کے کرم کی کوئی حد نہیں۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ يُجْزىٰ بِهَا فِي الْاٰخِرَةِ وَ اَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتٍ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا اَفْضٰى اِلَى الْاٰخِرَةِ لَمْ يَكُنْ لَهٗ حَسَنَةٌ يُجْزىٰ بِهَا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کسی مومن پر اس کی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے (اپنی دانست میں) اللہ کے لیے کی تھیں ان کا بدلہ اسے اس دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کے پاس ایسی کوئی نیکی باقی نہیں رہتی جس کا بدلہ دیا جائے۔''

تشریح: کافر اور مشرک کے اگر کچھ نیک اعمال ہوتے ہیں تو ان کا بدلہ اسے دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے اسے دنیا میں اپنی نیکیوں کا بدلہ نہ مل سکا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے عذاب میں کچھ کمی کر دی جائے۔ جہنم سے نجات بخشنے والی چیز تو اسلام کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلم وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔''

تشریح: یعنی صحیح معنوں میں مسلم وہی ہے جسکی زبان یا ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف یا نقصان نہ پہنچے۔ اور معلوم ہوا کہ ہجرت صرف اس کا نام نہیں کہ آدمی خدا کے دین کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ

کرکسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے۔ برائیوں اور ان چیزوں کو چھوڑ دینا بھی ہجرت ہے جن کو خدا پسند نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص ناپسندیدہ باتوں کو ترک نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ہجرت کی اصل روح و کیفیت سے وہ ناآشنا ہے، خواہ خدا کی راہ میں وہ وطنِ عزیز کو خیر باد کہہ چکا ہو۔

﴿۹﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَۃً لاَ یَسْقُطُ وَرَقُھَا وَ اِنَّھَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْنِیْ مَا ھِیَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِیْ شَجَرِ الْبَوَادِیْ، قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ: فَوَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ اَنَّھَا النَّخْلَۃُ فَاسْتَحْیَیْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: ھِیَ النَّخْلَۃُ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور یہی درخت مسلم کی مثال ہے۔ اچھا بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟“ لوگوں کا خیال تو جنگل کے درختوں کی طرف گیا۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے (اپنے بزرگوں کے سامنے بولتے ہوئے) شرم آئی۔ اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ ہی ارشاد فرمائیں کہ وہ کون سا درخت ہے؟ فرمایا: ”وہ کھجور کا درخت ہے۔“

تشریح: یعنی جس طرح کھجور کا درخت ہمیشہ سرسبز رہتا ہے، خزاں اس کے پاس نہیں آتی، ٹھیک یہی کیفیت اسلام کی وجہ سے مسلم کی ہوتی ہے۔ ہمیشہ اس سے لوگوں کو فائدہ ہی پہنچتا ہے۔ خیر و برکت کے سوا اس کی ذات سے کوئی دوسری چیز ظاہر نہیں ہوتی۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ زَیْدِ بْنِ سَلاَّمٍ اَنَّ اَبَا سَلاَّمٍ حَدَّثَہٗ اَنَّ الْحَارِثَ الْاَشْعَرِیَّ حَدَّثَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ یَحْیٰ بْنَ زَکَرِیَّا بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ اَنْ یَّعْمَلَ بِھَا وَ یَاْمُرَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اَنْ یَّعْمَلُوْا بِھَا وَ اَنَّہٗ کَادَ اَنْ یُّبْطِیَٔ بِھَا قَالَ عِیْسٰی: اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَکَ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِھَا وَ تَاْمُرَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَنْ یَّعْمَلُوْا بِھَا فَاِمَّا اَنْ تَاْمُرَھُمْ وَ اِمَّا اَنْ اٰمُرَھُمْ فَقَالَ یَحْیٰ اَخْشٰی اِنْ سَبَقْتَنِیْ بِھَا اَنْ یُّخْسَفَ بِیْ اَوْ اُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِیْ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ فَامْتَلَأَ وَ قَعَدُوْا عَلَی الشُّرُفِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ اَنْ اَعْمَلَ بِھِنَّ وَ اٰمُرُکُمْ اَنْ

تَعۡمَلُوۡا بِهِنَّ اَوَّلُهُنَّ اَنۡ تَعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلاَ تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡئًا وَ اِنَّ مَثَلَ مَنۡ اَشۡرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِشۡتَرٰى عَبۡدًا مِنۡ خَالِصِ مَالِهٖ بِذَهَبٍ اَوۡ وَرِقٍ فَقَالَ: هٰذِهٖ دَارِىۡ وَ هٰذَا عَمَلِىۡ فَاعۡمَلۡ وَ اَدِّ اِلَىَّ، فَكَانَ يَعۡمَلُ وَ يُؤَدِّىۡ اِلٰى غَيۡرِ سَيِّدِهٖ فَاَيُّكُمۡ يَرۡضٰى اَنۡ يَّكُوۡنَ عَبۡدُهٗ كَذَالِكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَكُمۡ بِالصَّلٰوةِ فَاِذَا صَلَّيۡتُمۡ فَلاَ تَلۡتَفِتُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ يَنۡصِبُ وَجۡهَهٗ لِوَجۡهِ عَبۡدِهٖ فِىۡ صَلٰوتِهٖ مَالَمۡ يَلۡتَفِتۡ وَ اَمَرَكُمۡ بِالصِّيَامِ فَاِنَّ مَثَلَ ذَالِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِىۡ عِصَابَةٍ مَعَهٗ صُرَّةٌ فِيۡهَا وَ كُلُّهُمۡ يُعۡجِبُ اَوۡ يُعۡجِبُهٗ رِيۡحُهَا وَ اِنَّ رِيۡحَ الصَّائِمِ اَطۡيَبُ عِنۡدَ اللّٰهِ مِنۡ رِيۡحِ الۡمِسۡكِ وَ اَمَرَكُمۡ بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ مَثَلَ ذَالِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَسَرَهُ الۡعَدُوُّ فَاَوۡثَقُوۡا يَدَهٗ اِلٰى عُنُقِهٖ وَ قَدَّمُوۡهُ لِيَضۡرِبُوۡا عُنُقَهٗ فَقَالَ اَنَا اَفۡدِيۡهِ مِنۡكُمۡ بِالۡقَلِيۡلِ وَالۡكَثِيۡرِ فَفَدَا نَفۡسَهٗ مِنۡهُمۡ وَ اَمَرَكُمۡ اَنۡ تَذۡكُرُوا اللّٰهَ فَاِنَّ مَثَلَ ذَالِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الۡعَدُوُّ فِىۡ اَثَرِهٖ سِرَاعًا حَتّٰى اِذَا اَتٰى عَلٰى حِصۡنٍ حَصِيۡنٍ فَاَحۡرَزَ نَفۡسَهٗ مِنۡهُمۡ كَذَالِكَ الۡعَبۡدُ لاَ يُحۡرِزُ نَفۡسَهٗ مِنَ الشَّيۡطَانِ اِلَّا بِذِكۡرِ اللّٰهِ۔

(ترمذی)

ترجمہ: زید بن سلّام سے روایت ہے کہ ان سے ابوسلّام نے کہا کہ ان سے حارث اشعری نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے یحیٰؑ کو پانچ باتوں کے متعلق حکم دیا تھا کہ ان پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل سے کہیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں۔ یحیٰؑ کو اس میں (یعنی بنی اسرائیل سے کہنے میں) کچھ تاخیر ہونے لگی تو عیسیٰؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کے بارے میں حکم دیا تھا کہ آپ خود بھی ان پر عمل پیرا ہوں اور بنی اسرائیل سے بھی ان پر عمل کرنے کو کہہ دیں تو یا تو آپ ان سے کہہ دیجیے یا پھر میں ہی ان سے کہہ دوں۔ یحیٰؑ نے فرمایا کہ (چونکہ حکم مجھے دیا گیا ہے اس لیے) مجھے ڈر ہے کہ اس سلسلہ میں آپ نے مجھ سے سبقت کی تو کہیں میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں یا کسی عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ اس کے بعد انھوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ جب وہ خوب بھر گیا اور لوگ گیلریوں تک بیٹھ گئے تو فرمایا: اللہ نے مجھے پانچ باتوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ خود بھی ان پر عمل کروں اور تمھیں بھی ان پر عمل کرنے کی تاکید کروں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو کیونکہ

جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص صرف اپنے سونے چاندی کے مال سے (بلاشرکت غیرے) ایک غلام خریدے اور اسے بتادے کہ دیکھ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے، تو کام کرنا اور اجرت مجھے دیتے رہنا۔ وہ کام تو کرے مگر اجرت اپنے آقا کے بجائے کسی اور شخص کو دیدے۔ بھلاتم میں یہ کون پسند کریگا کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ اور یہ کہ اللہ نے تمھیں نماز کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جب تک نماز میں رہو ادھر ادھر نہ دیکھو کیونکہ اللہ اپنے بندے کی طرف پوری طرح متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہیں دیکھتا۔ اور اس نے تمھیں روزے کا حکم دیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جماعت میں ایک شخص ہو جس کے پاس ایک تھیلی ہو جس میں مُشک ہو اور ہر شخص کو اس کی خوشبو اچھی معلوم ہوتی ہو اور اللہ کے نزدیک روزہ دار کی بو مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اور اس نے تمھیں صدقے کا حکم دیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو دشمن نے قید کرلیا ہو اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اس کی گردن مارنے کے لیے اسے لے جارہے ہوں۔ وہ کہے کہ میں اپنی جان کے عوض تھوڑا اور بہت (جو کچھ میرے پاس ہے) سب دیتا ہوں۔ اور اس طرح فدیہ دے کر ان سے اپنی جان چھڑالے۔ اور اس نے تمھیں ذکر اللہ کا حکم دیا ہے کیونکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ہو جس کے تعاقب میں دشمن تیزی سے آرہا ہو، یہاں تک کہ یہ شخص (دوڑتے دوڑتے) کسی مضبوط قلعے کے اندر آجائے اور (اس میں آکر) اپنی جان کو دشمن سے بچالے۔ اسی طرح بندہ اللہ کے ذکر کے سوا کسی طرح بھی اپنے آپ کو شیطان سے نہیں بچاسکتا۔''

تشریح: اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ (۱) انبیاء اور کاملین کے دل میں حد درجہ خدا کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہتے ہیں، کبھی غافل اور بے پروا نہیں ہوتے۔

(۲) نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ خدا کی طرف یکسو نہیں ہوسکا ہے۔ پھر خدا کی نظرِ عنایت اس کی طرف کیسے متوجہ ہوسکتی ہے۔

(۳) روزے سے ہمیں صحیح روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ روزہ کو خوشبو سے تعبیر کرنا حقیقت کے عین مطابق ہے۔ خوشبو عالمِ محسوسات میں ایک لطیف اور پاکیزہ شے ہے۔ روحانی اور معنوی حیات کے لیے اس سے بہترین تعبیر کیا ہوسکتی تھی۔ روزہ دار کا وجود گویا خوشبو سے معطر ہوتا ہے۔

اور یہ خوشبو ایسی ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی خوشبو نہیں لائی جا سکتی۔ مشک کی خوشبو بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

(۴) صدقہ سے صحیح معنوں میں آدمی کی روح اور اس کے دل کو حقیقی آزادی اور فراخی حاصل ہوتی ہے۔ صدقے کے ذریعہ سے آدمی کی روح قید و بند اور ہلاکت سے نجات پا جاتی ہے۔ مادی اور نفسانی آلودگیوں سے نجات کی بہترین تدبیر صدقہ ہے۔ صدقہ کے ذریعہ سے انسانی روح مادی اور نفسانی گرفتاریوں سے نجات حاصل کر لیتی ہے۔ اسے نشو و نما کا موقع ملتا ہے۔ یہ حقیقت قرآن میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ: ۱۰۳) ''(اے نبی!) تم ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور اس کے ذریعہ ان کا تزکیہ کرو۔'' یعنی وہ صدقہ کریں گے تو انھیں پاکیزگی حاصل ہوگی اور اس طرح ان کی روح کے نشو و نما اور تزکیہ کا سامان پیدا ہوگا۔ مال و دولت کی محبت میں گرفتار شخص زندگی کی حقیقی قدروں سے ناآشنا رہ جاتا ہے، اس سے بڑھ کر محرومی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ط وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٥ (التغابن: ۱۶) ''پس جہاں تک ہو سکے اللہ کا ڈر رکھو، اور (اس کا حکم) سنو اور مانو اور خرچ کرو کہ تمھارا بھلا ہو۔ اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ اور بخل سے بچا رہے تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' آدمی کے دل سے جب تک بخل اور لالچ نکل نہ جائے اخلاقی اور روحانی اعتبار سے وہ بلند نہیں ہو سکتا۔ یہی حقیقت انجیل میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے: ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ (بخیل) دولت مند کا آسمانی بادشاہت (The Kingdom of Heaven) میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ (بخیل) دولت مند آسمانی بادشاہت میں داخل ہو۔'' (متی ۱۹: ۲۳-۲۴) صدقہ دینے سے مال و دولت کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ انسان زندگی کی حقیقی قدروں سے آشنا ہوتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی گرفت اور عذاب سے مامون و محفوظ رہتا ہے۔

(۵) اس فتنہ بھری دنیا میں اللہ کی یاد ہی سب سے مضبوط قلعہ ہے جس میں پناہ لے کر آدمی شیطان کے مکر و فریب سے اپنی زندگی کو بچا سکتا ہے۔ زندگی کے ہنگاموں میں خدا کو بھول کر انسان کبھی ہلاکت سے نہیں بچ سکتا۔

☙❧